زاد المعاد

سیرتِ خیر العباد

جلد چہارم

از علامہ ابن قیم جوزیؒ

ترجمہ و حواشی

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

زاد المعاد

سیرت خیر العباد

حصہ چہارم

از علامہ ابن قیم جوزیہ

ترجمہ و حواشی

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی
110006

زاد المعاد (سیرت خیر العباد) چہارم

جمادی الاوّل ۱۴۰۲ھ مطابق مارچ ۱۹۸۲ء

تعداد	:	ایک ہزار ۱۰۰۰
قیمت مجلد	:	تینتیس ۳۳/= روپے
قیمت غیر مجلد	:	پچیس ۲۵/= روپے
کتابت	:	وجیہہ کتابت بورڈ رامپور
مطبوعہ	:	جمال پریس دہلی
ناشر	:	مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد دہلی

بجنور میں کتاب ملنے کا پتہ:- مدنی دار التالیف، بجنور۔ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارشات

حامداً و مصلیاً ۔ اما بعد ۔ زاد المعاد کے ترجمے کی ابتدا سیرت خیر العباد کے نام سے میں نے ۱۹۶۵ء میں کی تھی ۔ شروع میں میرا ارادہ اس کو قسط وار شائع کرنے کا تھا، چنانچہ ۱۹۶۵ء میں اس کی پہلی قسط دو سو ۲۰۰ صفحات پر شائع ہوئی اور پھر ۱۹۶۷ء میں دو سو ۲۰۰ صفحات کی دوسری قسط شائع ہوئی ، ان دونوں قسطوں کو بعد میں حصہ اول قرار دیا گیا ۔ کتاب کی افادیت اور اس کا مستند ہونا ایک حقیقت ہے اہلِ علم نے اس کو بنظرِ استحسان دیکھا اور قبولیت سے نوازا ۔

ہندوستان میں جناب مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی کا قائم کردہ ادارہ مکتبہ برہان دہلی، اسلامی لٹریچر کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر شائع کرنے کا اہتمام کرنے میں مشہور و مقبول ہے، چنانچہ مفتی صاحب موصوف (جو میرے مخدوم ہوتے ہیں) نے مجھ سے ازراہِ قدردانی فرمائش کی کہ اس کتاب کو ادارے کی طرف سے شائع ہونا چاہیے میں نے اس کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا چنانچہ اس کتاب کا دوسرا حصہ چار سو ۴۰۰ صفحات پر مشتمل

ستمبر ۱۹۷۶ء میں اور تیسرا حصہ اتنا ہی ضخیم   میں شائع ہوا۔ ان تینوں حصوں کے ترجمے اور حواشی سے مَیں ۱۹۶۹ء میں فارغ ہو چکا تھا، لیکن اشاعت کی تاخیر دراصل ادارۂ مذکور کی مالی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ ادارے کی مالی حالت کمزور ہونا دراصل ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک سانحہ ہوگا کہ اس قدر مفید ادارہ اپنی قدیم روایات کے ساتھ مسلمانوں اور علم کی خدمت انجام نہ دے سکے۔ اس لیے میرے نزدیک مسلمانوں کے دست تعاون کی شکایت بجا طور پر کی جا سکتی ہے۔

زیرِ نظر چوتھے حصہ کا ترجمہ اور حواشی کا کام میں نے اوائل ۱۹۷۰ء سے شروع کیا جس میں کم و بیش چھ ماہ سے زائد صرف ہوئے۔ درمیانی مدت میں میری چند ضخیم تالیفات وجود میں آئیں اور شائع ہو کر مقبول ہوئیں، ولِلّٰہ الحمد۔

زیرِ نظر حصہ چہارم کے بارے میں مجھے مختصراً چند باتیں عرض کرنا ہیں۔ اس حصہ کے ترجمہ میں، میں ان شرائط و آداب کا پابند نہیں رہا جن کا سابقہ تینوں حصوں میں رہا ہوں۔ کیونکہ اس کتاب کے باب نمبر ۵۱ تک سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مباحث ہیں اور باب نمبر ۵۱ تک علامہ نے قدرے اس کا اہتمام کیا ہے لیکن باب نمبر ۵۸ قضایا اور احکام سے علامہ نے اپنا طرزِ تحریر بدل دیا ہے اور بتدریج اس کو بدلتے چلے گئے ہیں، یہاں تک کہ ہمارا چوتھا حصہ باب نمبر ۷۲ پر پورا ہوا ہے جس کا بیشتر حصہ مباحثِ فقہ پر مشتمل ہے، اس حصہ میں "زاد المعاد" سیرت کی نہیں بلکہ فقہ کی ایک کتاب بن گئی ہے۔

اسی کے ساتھ سب سے زیادہ دشواری یہ ہے کہ علامہ ابن قیم مباحث کے معاملے میں بہت طویل نگار ہیں اور یہ اصول مسلّمہ ہے کہ جو زیادہ بولتا ہے اس سے غلطیاں بھی بہت ہوتی ہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ طویل نگاری میں مقصود بھی

فوت ہوجاتا ہے۔ آدمی ثابت کرنا چاہتا ہے کچھ اور ثابت ہوجاتا ہے کچھ۔ استدلال اور ثبوت کی یہ خامیاں اس حصہ میں بہت زیادہ ہیں۔ اس وجہ سے بھی اور اردو دانوں کے لیے بھی میں نے یہی مناسب جانا کہ اگر علامہ کی اقتدار کی جائے تو ناظرین کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا کیونکہ فقہی مباحث کی اصولی، اصطلاحی، استدلالی طرزِ تحریر سے اردوداں احباب کو کچھ حاصل نہ ہوسکے گا، اس طرح ان کا مطالعہ میں وقت اور خریدنے میں روپیہ ضائع ہوگا اور فائدہ کچھ نہ ہوگا، البتہ کتاب بہت ضخیم ہوجائے گی، اس وجہ سے میں نے زاد المعاد حصہ چہارم کے احکامات اور معاملات سے متعلق ابواب میں خلاصہ والا طریقہ اختیار کیا ہے لیکن یہ محض خلاصہ نہیں ہے کہ اصل ضائع ہوجائے اور خلاصہ رہ جائے۔ میں نے اپنے نزدیک اسی کو اچھا جانا۔ اور اسی کو ناظرین کے لیے پسند کیا، تاہم میں معذرت خواہ ہوں کہ اکثر جگہ عبارت مشکل ہوگئی ہے کیونکہ فقہی مباحث کو اس سے زیادہ آسان طور پر بیان کرنا میرے امکان سے باہر تھا۔ اس اعتراف کے بعد اپنی خامیوں اور غلطیوں کا اعتراف ہے اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں اور عفو و درگزر اور دعا و اطلاع کا طالب ہوں، امید کرتا ہوں کہ مجھے ہر دو چیز سے نوازا جائے گا۔

والسلام

عزیز الرحمٰن غفرلہ

مدنی دارالافتاء

مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم بجنور۔ یوپی

۷ رجمادی الآخر ۱۳۹۸ھ

۱۵ رمئی ۱۹۷۸ء

فہرست مضامین زاد المعاد (اردو) جلد چہارم

اکیاونواں باب

مکاتیبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہرقل کے نام صحیحین میں موجود ہے کہ آپؐ نے ہرقل کی طرف تحریر فرمایا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے ہرقل بادشاہِ روم کی طرف۔ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے[1]، اما بعد،

میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلے محفوظ رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر مرحمت فرمائے گا۔ اور اگر تو نے انکار کیا تو تمام رعایا کا گناہ بھی تیرے اوپر ہوگا،

یا اھل الکتاب تعالوا	اے اہلِ کتاب اس کلمہ کی طرف آؤ
الی کلمۃٍ سواء بیننا وبینکم۔	جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔

[1] سلام کرنے کا یہی طریقہ اس موقع پر ہے جہاں ملا جلا مجمع ہو۔ کہیے: السلام علیکم علی من اتبع الھدیٰ (بستان از فقیہ ابو اللیث سمرقندی)۔

أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اور نہ کسی کو اس کا شریک بنائیں گے اگر تم اعراض کروگے تو کہو! گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں لہ

کسریٰ کے نام :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے شاہ فارس کی طرف۔ اس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آ، اور

لہ ہرقل کے پاس سفارت کے واقعہ کو بخاری نے تفصیل سے بیان کیاہے اور اس کتاب کے حصہ اول کے حاشیہ میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے۔ اسی جگہ ایک واقعہ عجیب بیان کیا جاتا ہے کہ "دوسرے دن ہرقل نے اپنے خاص کمرے میں حضرت دحیہ کلبی رضی کو طلب کیا۔ اس جگہ ۳۱۳ تصویریں نبیوں اور رسولوں کی آویزاں تھیں۔ ہرقل نے دریافت کیا، آپ ان میں سے اپنے رسول کی تصویر شناخت کر سکتے ہیں۔ حضرت دحیہ رض نے فرمایا ہاں! فلاں تصویر ہے۔ اور اس کے آس پاس حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کی تصویریں تھیں۔ اس واقعہ کو حضرت دحیہ رض نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا تھا" اس واقعہ کو ابن جوزی نے بھی روایت کیاہے۔ تعجب ہے کہ زمانہ قدیم کے نقاش محض کتابوں میں لکھے حلیے کے ذریعہ ہی ہو بہو تصویر بنا دیتے تھے۔ قرآن پاک نے اسی چیز کو بیان فرمایاہے: مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ۔

٢ہ فقیہ ابو اللیث نے خطوط لکھنے کے دو طریقے تحریر کیے ہیں۔ ایک یہی طریقہ، دوسرا طریقہ یہ کہ مکتوب الیہ کا نام پہلے ہو اور بھیجنے والے کا بعد میں۔ یہ طریقہ اہل عجم کا تھا۔ (بستان)

گواہی دے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اور میں تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں تاکہ تمام زندوں کو ڈراؤں اور قولِ حق کو کافروں پر پیش کروں، مسلمان ہو جا سلامت رہے گا ورنہ تمام مجوس کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔

جب شاہ فارس کے پاس یہ مکتوبِ گرامی پہنچا تو اس نے پھاڑ دیا، آپؐ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس کے ملک کے ٹکڑے کر دے گا۔

شاہ نجاشی کے نام: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے نجاشی شاہِ حبشہ کی طرف آپ اسلام قبول کر لیں۔ میں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور مقدس اور سلامتی والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسٰی بن مریم روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ مریم کی طرف القا کیا تھا۔ وہ اس سے حاملہ ہو گئیں، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی روحؔ سے پیدا کیا۔ اور ان میں روح پھونکی جیسا کہ آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا۔

لہ روح سے مراد کیا ہے؟ قرآن شریف میں مذکور ہے: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل) "فرما دیجیے روح میرے رب کا امر ہے" یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کن" ہو جا "فیکون" بس ہو گیا۔ نصاریٰ یہ فرق محسوس نہیں کر سکے اسی وجہ سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنے لگے۔

یہ پوری بحث حصہ اول میں گزر چکی ہے۔

میں تجھے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف بلاتا ہوں اور دوستی اتباع میں ہے۔ اگر تو نے میری اتباع کی اور جو کچھ میں لایا ہوں اس پر ایمان لے آیا تو میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں تجھے اور تیرے لشکر کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں اور میری نصیحت قبول کر۔ اور جو ہدایت کی اتباع کرے اس پر سلامتی ہو۔

یہ مکتوب گرامی دے کر آپ نے عمرو بن امیہ ضمریؓ کو بھیجا۔ ابن اسحٰق نے کہا ہے حضرت عمرو بن امیہؓ نے نجاشی سے کہا:

"اے اصحمہ! میرے ذمہ دعوت ہے اور تیرے لیے اس کا قبول کرنا ہے۔ اس وقت آپ پابند ہیں جیسا کہ غلام اور میں تجھ سے وابستہ اور متعلق ہوں اس لیے کہ مجھے کوئی زیادہ حسن ظن نہیں ہے الّا یہ کہ آپ دعوت قبول کریں، میں آپ سے خائف بھی نہیں ہوں۔ میں اس وقت دلیل میں انجیل کو پیش کرتا ہوں، وہ میرے اور تیرے درمیان شاہد ہے جس کو رد نہیں کیا جا سکتا اور وہ قاضی ہے جو ظلم نہیں کر سکتا۔ اگر تو تسلیم کرتا ہے تو بہتر ورنہ تو ہمارے نبیِ اُمّی کے بارے میں ایسا ہی ہو گا جیسا کہ یہودی حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ہیں۔

نجاشی نے کہا، میں خدا کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں اور بے شک وہ نبیِ اُمّی ہیں جن کا انتظار اہل کتاب کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے راکب الحمار کے نام سے بشارت دی ہے اور حضرت عیسیٰؑ نے راکب الجمل کے نام سے بشارت دی ہے[1] اس کے بعد نجاشی نے جواب تحریر کیا۔

---

[1] جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی دو سواریاں تھیں، کبھی آپؐ اونٹنی پر سوار ہوتے اور کبھی بغلہ (عربی خچر) پر سوار ہوتے تھے۔

نجاشی کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ نجاشی کی جانب سے۔
السلام علیک یا نبی اللہ! اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اما بعدہٗ،

یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کا مکتوبِ گرامی پہنچا جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کچھ مرقوم تھا۔ قسم خدا کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہیں۔ ہمیں آپؐ کے چچازاد بھائی اور آپؐ کے صحابہؓ نے بتلا دیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ خدا کے سچے رسول ہیں۔ اور میں آپؐ سے بیعت ہوتا ہوں اور میں نے آپؐ کے ابن عم سے آپ کے لیے بیعت کر لی ہے۔ اور ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا ہوں۔

نجاشی کی وفات ۹ھ میں ہوئی اور اسی دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات کی خبر ہو گئی۔ اور آپؐ لوگوں کو ہمراہ لے کر عیدگاہ کی طرف آئے اور ان کو نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس نماز میں چار تکبیریں تھیں۔

میں کہتا ہوں، اس میں راوی کو وہم ہو گیا ہے کہ اس نے یہ تمیز نہیں کیا کہ جس نجاشی پر آپؐ نے نمازِ جنازہ پڑھی وہ اور تھا اور جو نجاشی ایمان لایا وہ اور تھا۔ یہ دو تھے جس کی صراحت مسلم شریف میں ہے:

"کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوبِ گرامی نجاشی کی طرف بھیجا اور یہ وہ نجاشی نہیں تھا کہ جس پر آپؐ نے نمازِ جنازہ پڑھی۔"[1]

---

[1] ابن حزم کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ وہی نجاشی ہے جس کے پاس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب گرامی بھیجا تھا۔ یہی قول زین الدین اور عبدالرحیم عراقی کا ہے (زرقانی صفحہ ۱۶ جلد ۳)۔

مقوقس کی طرف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد بن عبد اللہ و رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے مقوقس شاہ مصر کی جانب، جو ہدایت کی اتباع کرے اس پہ سلامتی ہو۔ اما بعد۔ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرے سلامت رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر مرحمت فرمائے گا۔ اگر اعراض کیا تو تجھ پر تمام قبطیوں کا گناہ رہے گا۔

اے اہلِ کتاب! تم ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے یہ کہ خدا کا کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اور نہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت کریں۔ اور نہ ہم اپنے بعض کو "اَرْبَاباً مِّنْ دُونِ اللّٰہ" بنائیں[1]۔ اگر تم نے اس کو قبول نہ کیا تو، گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

اس مکتوبِ گرامی کو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضؓ کو دیکر بھیجا۔ انھوں نے جاکر مقوقس سے خطاب کیا :

"آپ سے پہلے جو بھی اس ملک کا بادشاہ ہوتا تھا وہ کہتا تھا کہ وہی ربِّ اعلیٰ ہے[2]۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں پکڑ لیا۔ لہٰذا آپ دوسروں سے عبرت حاصل کریں ایسا نہ ہو کہ آپ سے دوسرے عبرت حاصل کریں۔

مقوقس نے جواب دیا۔ ہمارا ایک دین ہے۔ ہم اس کو اس دین کے بدلے چھوڑ سکتے ہیں جو اس سے بہتر ہو گا۔ حضرت حاطب رضؓ نے فرمایا، میں تجھ کو دینِ اسلام کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تفصیل ملاحظہ ہو۔ بلاغ مبین مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ص ۹۷ تا ۱۰۱۔

[1] خدا کے سوا کسی دوسرے کو رب بنا لینا۔ اس میں عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کا رد ہے اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ دعوت ضرورت اور تقاضۂ حال کے تحت ہونا چاہیے۔

[2] فرعونِ مصر کی طرف اشارہ ہے۔

طرف دعوت دیتا ہوں جو دین کامل ہے۔ ہمارے پیغمبر نے لوگوں کو اسی دین کی طرف دعوت دی ہے۔ چنانچہ قریش نے سب سے زیادہ شدت اور یہود نے سب سے زیادہ عداوت دکھلائی۔ اور ان سے قریب نصاریٰ ہیں، قسم خدا کی جو بشارت حضرت موسیٰؑ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں دی تھی وہی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دی ہے وہ ہم لوگوں کو قرآن پاک کی طرف اسی طرح دعوت دیتے ہیں جیسا کہ تم اہل تورات کو انجیل کی طرف دعوت دیتے ہو۔ اور جس نبی کو جو قوم ملی وہ اس کی امت ہے لہذا ان پر اس کی اطاعت لازم ہے اور آپ نے ہمارے رسول کا زمانہ پایا ہے۔ اور ہم آپ کے دین مسیح سے انکار نہیں کرتے بلکہ ہم آپ کو دین اسلام کا امر کرتے ہیں، اس لیے آپ لوگوں پر ہمارے دین کی اطاعت لازم ہے۔

مقوقش نے کہا، میں نے اِس نبی کے معاملہ میں خوب غور کیا ہے، وہ کسی دشوار بات کا امر نہیں کرتے اور نہ مرغوبات سے روکتے ہیں، وہ میرے نزدیک نہ تو جادوگر ہیں اور نہ کاہن۔ میں ان میں علامات نبوّت پاتا ہوں۔ اور میں مزید غور کروں گا۔ یہ کہہ کر نامۂ مبارک لے لیا اور ایک صندوقچی جو ہاتھی دانت کی تھی اس میں رکھدیا۔ اور مہر لگا کر ایک باندی کے حوالہ کر دیا اور عربی رسم الخط میں جواب لکھنے والے کاتب کو طلب کیا۔ اور لکھوایا۔

جواب مقوقس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے مقوقس[1] کی جانب سے سلام علیک۔ اما بعد۔ آپ کا مکتوب گرامی پڑھا اور اس کو سمجھا۔ اور جان لیا کہ اب نبوت ظاہر ہوگی۔

---

[1] مقوقش، مصر کے قبطی بادشاہ کا نام ہے۔ یہ مذہباً عیسائی تھا، زمانہ قدیم میں مصر پر دو قبیلوں

(باقی صفحہ ۱۸)

لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ ملک شام میں ظاہر ہو گی۔ میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا ہے اور دو باندیاں سپرد کی ہیں جو ہمارے نزدیک باعظمت ہیں اور کچھ کپڑے ہیں، ایک بغلہ ہے وہ آپ کی سواری کے لیے ہے۔ والسلام علیک۔

اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھا اور اسلام قبول نہیں کیا۔ ان دونوں باندیوں کے نام ہیں۔ ماریہؓ۔ سیرینؓ۔ بغلہ کا نام[۱] دُلدُل ہے جو امیر معاویہؓ کے زمانہ تک حیات رہا۔

منذر بن ساویٰ کے نام

علامہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ مکتوبِ گرامی میں نے حضرت ابن عباسؓ کی کتاب میں ان کی وفات کے بعد پایا، اس میں تحریر تھا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمیؓ کو منذر بن ساویٰ[۲] کے پاس مکتوب گرامی دیکر بھیجا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی تھی، منذر بن ساویٰ نے اس کے جواب میں تحریر کیا۔

اما بعد، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، میں نے آپ کا مکتوبِ گرامی اہلِ بحرین کو پڑھ کر سنایا۔ ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور اس کو اختیار کر لیا اور بعض نے اس کو بُرا جانا۔ میرے ملک میں یہودی اور مجوسی آباد ہیں۔ میں ان سب سے بیان کروں گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) کی مختلف اوقات میں حکومت رہی۔ فرعون مصر، قوم عمالیق سے تھا اور عزیز مصر مقوقس قبطی تھے۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] حضرت ماریہؓ اور سیرینؓ دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ سیرینؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو مرحمت فرمایا تھا۔ تفصیل حصہ اول میں گزر چکی ہے۔ [۲] منذر بن ساویٰ۔ حاکم بحرین کا نام ہے۔ یہ مذہبًا مجوسی تھا اور اس وقت حکومتِ ایران کے ماتحت تھا۔

تحریر فرمایا:

مکتوب گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے۔ منذر بن ساوی کے نام۔
سلام علیک۔ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد،
میں تجھے اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ جو آدمی دوسرے کو نصیحت کرتا ہے وہ بعینہٖ اپنے نفس کو نصیحت کرتا ہے (اس وجہ سے کہ اس کا فائدہ اس کو بھی پہنچتا ہے) جس نے ہمارے قاصد کی اطاعت کی اور اس کی اتباع کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے اس کی خیر خواہی کی اس نے میری خیر خواہی کی۔ میرے قاصد تیرے پاس خیر لے کر آتے ہیں۔ اور میں تجھے اپنی طرف سے تیری قوم پر شفیع مقرر کرتا ہوں۔

عمان کے بادشاہ کی طرف

یہ مکتوب گرامی آپ نے عمرو بن العاص رضؓ کے بدست ارسال فرمایا تھا، اس میں مرقوم ہے:۔

۱؎ عمان اور بحرین دونوں قریب قریب ہیں پہلے یہ بھی ایران کے تصرف تھا جیفر یہاں کا حاکم تھا اس کے ایک حصہ پر جیفر کا دوسرا بھائی عبد حاکم تھا، یہ دونوں ازد قبیلے سے تھے، عمان بحرین، کویت وغیرہ خلیج فارس کے ساحلی علاقے ہیں۔ ان علاقوں کے اسلام قبول کر لینے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ عرب شمال و مشرق کی جانب سے بالکل محفوظ ہو گیا۔ کوئی غیر ملک عرب پر حملہ آور نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہاں بصرہ کو آباد کر کے ایک فوجی چھاؤنی قائم کر دی تھی تاکہ مشرق کی جانب سے بالکل دفاع ہو جائے، چنانچہ فارس کے فتح ہونے میں بصرہ کی چھاؤنی نے اہم دفاعی رول ادا کیا اور ایرانیوں کے لیے مشرق سے پہنچنے والی کمک کو بالکل روک دیا تھا۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب "سیرت اصحاب النبیؐ" میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد بن عبداللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے جیفر و عبد جلندی کے دونوں بیٹوں کی طرف۔ اس پہ سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے۔ اما بعد، میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے، میں تمام انسانوں کی طرف اللہ کی جانب سے رسول ہوں، تاکہ زندوں کو ڈراؤں اور کلمہ حق کا اعلان کر دوں۔ اگر تم دونوں نے کلمۂ اسلام کو قبول کر لیا تو بدستور تمھیں حاکم رکھا جائے گا اور اگر انکار کیا تو ملک زائل ہونے والا ہے اور ہمارے گھوڑے تمھارے ملک کو روند ڈالیں گے اور میری نبوت کا تمھارے ملک پر غلبہ ہو جائے گا۔

اِس مکتوب کو ابیؓ بن کعب نے لکھا اور مہر لگائی، حضرت عمروؓ کہتے ہیں، میں روانہ ہوا اور عمان پہنچا۔ میں نے کہا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں اور تیرے اور تیرے بھائی کے پاس آیا ہوں۔ عبد نے کہا، میرا بھائی مقدم ہے وہ عمر میں بھی مجھ سے بڑا ہے۔ میں آپ کو ان کے پاس لے جاتا ہوں اور آپ کا خط بھی پڑھ دوں گا۔ لیکن آپ کیا دعوت دیں گے، میں نے کہا، میں اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی دعوت دوں گا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کی رسالت کو تسلیم کیا جائے۔ عبد نے کہا، آپ اپنی قوم کے سردار معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کے والد کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا، ان کا انتقال ہو گیا۔ میں نے ہر چند کوشش کی مگر وہ مسلمان نہ ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت دی۔ پھر دریافت کیا۔ تم کہاں مسلمان ہوئے؟ میں نے کہا نجاشی کے پاس اور میں نے بتلایا وہ بھی مسلمان ہو گیا ہے۔ پھر دریافت کیا، اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا۔ میں نے کہا اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھا اور اس کی

مملکت کے تمام نصاریٰ اور پادری مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا سوچ سمجھ کر بات کیجیے جھوٹ نہیں چل سکتا۔ میں نے کہا، میں بالکل سچ کہتا ہوں اور جھوٹ ہمارے دین میں حلال نہیں ہے۔ پھر اس نے دریافت کیا، ہرقل کی کیا خبر ہے؟ جب نجاشی مسلمان ہو گیا تو اس نے کیا نوٹس لیا۔ میں نے کہا، نجاشی اس کو خراج ادا کرتا تھا لیکن مسلمان ہونے کے بعد اس سے انکار کر دیا اور کہدیا، اگر اس نے ایک درہم بھی مانگا تو میں نہ دوں گا۔ ہرقل نے کہا، اس نے ایک بہتر دین اختیار کر لیا ہے اگر مجھے اپنی حکومت کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی مسلمان ہو جاتا۔

یہ سُن کر عبید نے کہا، سوچ سمجھ کر بات کیجیے!۔ میں نے کہا میں سچ کہتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کہا، آپ اپنے دین کی مخصوص باتیں بتلائیے! میں نے کہا، ہمارا دین، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا، برائی سے بچنا، نیکی کرنا اور صلہ رحمی کرنا۔ ظلم و زیادتی، شراب نوشی سے اور بتوں کی عبادت سے پرہیز کرنا ہے، اُس نے کہا یہ تو بہت اچھا دین ہے۔ اگر میرے بھائی نے اس کو قبول کر لیا تو میں سوار ہو کر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ اور آپؐ کی تصدیق کروں گا لیکن میرا بھائی ملک کی وجہ سے بخیل ہو جائے گا۔ میں نے کہا اگر وہ مسلمان ہو گیا تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کو اس ملک کا بادشاہ بنا دیں گے اور صرف صدقہ لیا کریں گے اور وہ بھی اِس ملک کے فقراء پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس نے کہا، یہ تو بہت ہی بہتر بات ہے۔ اس نے دریافت کیا، صدقہ کیا ہے؟ — میں نے وہ تفصیل بتلائی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ میں فرض مقرر کیا ہے اور اونٹ وغیرہ کی زکوٰۃ کو تفصیل سے بتلایا۔ اس نے کہا۔ اب تو میری قوم تمام کی تمام اسلام قبول کرے گی۔

بہر حال میں چند دن تک شہر کے دروازے پر مقیم رہا، اور وہ اپنے بھائی کے

پاس خبر دینے کو گیا۔ اور تفصیل سے بتلایا اور پھر ایک دن اس نے مجھے طلب کیا۔ لیکن اس کے سرداروں نے مجھے روک لیا۔ اس نے حکم دیا۔ چھوڑ دو۔ اور میں بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے مکتوبِ گرامی لے کر پہلے خود پڑھا اور اس کے بعد اپنے بھائی کو پڑھ کر سنایا، اور میں نے دیکھا کہ اس کے بھائی پر بہت رقت طاری تھی۔ اس نے کہا، قریش کا کیا حال ہے۔ میں نے کہا وہ مسلمان ہو گئے۔ بولا: کیا آسانی سے مسلمان ہو گئے یا زبردستی؟ میں نے کہا رغبت سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور اگر آپ نے اسلام نہ قبول کیا تو ہمارے گھوڑے تیرے ملک کو روند ڈالیں گے۔

اس نے کہا مجھے ایک دن کی مہلت دیجیے اور کل تشریف لائیے! عبد نے کہا عمرو! مجھے امید ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے گا۔ جب کل کو میں گیا تو حاضر ہونے سے منع کر دیا۔ میں نے اس کے بھائی سے آکر کہا، اس نے مجھے پہنچا دیا تو اس نے بتلایا، میں نے خوب غور کر لیا ہے غرضکہ وہ اور اس کا بھائی دونوں مسلمان ہو گئے۔

صاحبِ یمامہ کے نام

یعنی ہوذہ بن علی کی طرف[1] یہ مکتوب سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے، اس میں لکھا تھا:

[1] یمامہ بھی بحرین اور عمان کے متصل ایک چھوٹا سا ضلع ہے یہ بھی فارس کے ماتحت تھا۔ یہ پورا علاقہ شروع ہی سے عرب میں مالدار ترین علاقہ شمار ہوتا تھا، مختلف قسم کے جواہرات اور موتی، سونا وغیرہ یہاں سے نکالے جاتے تھے، جب سے فارس کا اقتدار یہاں سے ختم ہوا، اس کی کمر ٹوٹ گئی اور مسلمانوں کو قوت حاصل ہوتی چلی گئی۔ عرب کے نقشہ پر نظر ڈال کر اگر دیکھا جائے تو مدینہ منورہ سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر یہ علاقہ ہے، درمیان میں سینکڑوں میل لق ودق ریگستان عبور کر کے اسلامی سفارت کا وہاں پہنچنا اور دعوت دینا نہایت بے جگری کا کام ہے۔

(باقی صفحہ ۲۳ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہوذہ بن علی کی طرف ' اس پہ سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے۔ یاد رکھ میرا دین سب جگہ غالب آ جائے گا۔ مسلمان ہو جا سلامت رہے گا۔ اور تیرا ملک تیرے پاس رہے گا، جب یہ مکتوب لے کر حضرت سلیطؓ وہاں پہنچے تو اس نے مکتوب گرامی پڑھوایا اور جواب دیا اور سلیطؓ کو بہت انعام و اکرام اور خلعت کے ساتھ رخصت کیا۔ اور حضرت سلیطؓ نے وہ مکتوب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے پڑھ کر فرمایا، اگر وہ ایک انگشت کی برابر بھی جگہ مانگے گا تو نہ دوں گا۔[1]

جس وقت جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس ہو رہے تھے اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور ہوذہ کے مرنے کی خبر دی، آپؐ نے فرمایا عنقریب یمامہ میں ایک کذاب پیدا ہوگا۔ اس کا قاتل نہایت مبارک ہے۔ کسی نے دریافت کیا کون قاتل ہے؟ فرمایا تو اور تیرے ساتھی۔ اور ایسا ہی ہوا۔[2]

علامہ واقدی نے فرمایا ہے، جس وقت مکتوبِ گرامی وہاں پہنچا تھا اس وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ کا) جنگ یمامہ یہاں ہی پیش آئی۔ دولت کے نشہ میں مسیلمہ کذاب نے اسی علاقہ میں دعویٰ نبوت کیا تھا۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)، : [1] ہوذہ بن علی نے غلطی کی اس نے مکتوبِ گرامی پہ غور نہیں کیا۔ اس میں صاف طور سے مرقوم ہے واجعل لک ما تحت یدیک "ہم تیرا ملک تیرے ہی قبضہ اور اقتدار میں رکھیں گے۔ اس مکتوب گرامی سے صاف ظاہر ہے کہ ملک گیری مقصود نہیں ہے اشاعتِ دین مقصود ہے۔ دعوت اور حکومت میں یہی فرق ہے۔ [2] مسیلمہ کذاب کے قاتل حضرت وحشیؓ ہیں حضرت وحشیؓ نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا لیکن اس کے بدلہ میں اتنا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی مبارکباد پہلے ہی مرحمت فرمادی۔

نصاریٰ کے سرداروں میں سے ایک سردار ارکونؔ نامی وہاں موجود تھا جو حاکمِ دمشق تھا۔ ہوذہ نے اس سے ذکر کیا تو اس نے کہا۔ آپ نے اسلام کیوں نہیں قبول کر لیا تو اس نے کہا، مجھے اپنا دین اور ملک پسند ہے۔ تو ارکون نے کہا، اگر آپ مسلمان ہو جاتے تو آپ کا ملک آپ کے پاس رہتا اور خیریت ان کی اتباع ہی میں ہے۔ بلاشبہ وہ نبیِ عربی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی بشارت دی ہے اور ہمارے پاس انجیل میں لکھا ہوا بھی ہے "محمد رسول اللہ"!

حارث غسانیؔ کے نام

یہ دمشق کا بادشاہ تھا[۱]۔ یہ مکتوب شجاع بن وہبؓ حدیبیہ سے واپسی میں لے کر گئے تھے۔ اس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے حارث بن شمرؔ کے نام، جو ہدایت کی اتباع کرے اور اس پر سلامتی ہو، میں تجھے ایمان کی دعوت دیتا ہوں اور تیرا ملک تیرے پاس ہی باقی رہے گا۔ فقط

---

[۱] جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملک شام پر (عرب نژاد) آلِ غسان (جس کو آلِ جفنہ بھی کہا جاتا ہے) کا قبضہ تھا۔ اس کے تین حصے تھے۔ بصریٰ، دمشق۔ اور حمص۔ ان تینوں حصوں پر آلِ غسان ہی حکمران تھے۔ ان میں سے دوسرے حاکم، جبلہ بن ایہم غسانی ہیں۔ پورے آلِ غسان قیصرِ روم کے ماتحت تھے۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں آلِ غسان کا بالکل خاتمہ ہو گیا اور یہ پورا علاقہ اسلامی حکومت میں داخل ہو گیا۔ الخ حافظ ابن قیم نے دو جگہ مکاتیب کو ذکر کیا ہے حصہ اول میں بھی اور اس جگہ بھی، لیکن وہ تمام مکاتیب اور سفارتوں کو ذکر نہ کر سکے اسکی تفصیل ہماری کتاب "سیرتِ رسالتمآبؐ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

✤ ✤ ✤

۵۲

باونواں باب

امراض اور اُس کے علاج

یہاں تک ہم نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے ابواب مغازی، سیر، وفود، مکتوبات وغیرہ کو نہایت اختصار سے ذکر کیا ہے۔ اب جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طب اور علاج کے بارے میں ذکر کرتے ہیں جس سے اکثر اطبا کی عقول حیرت زدہ ہیں۔ ان اطبار کی طب۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طب کے سامنے حقیر ہے۔

قلبی امراض

امراض کی دو قسم ہیں (امراض قلوب اور امراضِ ابدان۔ یہ دونوں قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ امراض قلب کی دو قسمیں ہیں شک اور شہوت اور یہ دونوں بھی قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ مرض شبہ کے بارے میں ارشاد ہے:

فِی قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ	ان کے دلوں میں مرض ہے، پس اللہ نے زیادہ کر دیا ان کے مرض کو۔

اور مرضِ شہوت کے بارے میں ارشاد ہے:

يَا نِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا	اے نبی کی عورتو! تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگار ہو تو

تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ — کشش والی نرم بات نہ کرو کہ شہوت پرست لوگوں کے دلوں میں خواہش پیدا ہو جائے۔

اس سے مراد مرضِ شہوت اور زنا ہے لے

امراضِ ابدان

امراضِ ابدان کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ۔ — اندھے اور لنگڑے اور مریض پر کوئی حرج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امراضِ ابدان کا ذکر حج، روزہ، وضو، کے احکام کے ضمن میں کیا ہے، یاد رہنا چاہیے کہ امراضِ ابدان کے بارے میں طب کے اصول تین ہیں۔ حفظِ صحت، پرہیز اور استفراغِ مادہ (یعنی اخلاطِ فاسدہ سے بدن کو پاک کرنا) اللہ تعالیٰ نے ان تینوں چیزوں کو تین جگہ ذکر کیا ہے، روزہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ۔ — تم میں سے جو مریض ہو یا سفر پر ہو پس گنتی ہے دوسرے دنوں میں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مریض کے لیے مرض کی وجہ سے افطار کو مباح قرار دیا ہے

لے علماء نے قلب کے راس الامراض، شک اور شہوت کا ذکر کیا ہے، مرض شک کی انتہا کفر اور شرک ہے اور مرض شہوت کی انتہا زنا ہے۔ ایک سے حقوق اللہ تلف ہوتے ہیں تو دوسرے سے حقوق العباد۔ گویا دونوں مرض بگاڑ اور فسادِ عالم کا سرچشمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

اور مسافر کے لیے حفظِ صحت کی وجہ سے افطار مباح قرار دیا ہے (کیونکہ سفر سے ضعف پیدا ہوتا ہے، اور آیتِ حج میں ارشاد فرمایا ہے،

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ	جو تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں
اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ	تکلیف ہو پس فدیہ ہے روزہ کا یا صدقہ
صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ۔	ہے یا قربانی کرنا ہے۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس مریض کے لیے سر منڈانے کو مباح قرار دیا ہے جس کے سر میں جوئیں یا خارش وغیرہ ہو تاکہ مادۂ ردیّہ جو سر میں بخارات کی صورت میں محتبس ہے وہ خارج ہو جائے[1]۔ کیونکہ سر مونڈنے سے مسامات کھل جاتے ہیں (اس طرح سر کا تنقیہ ہو جاتا ہے) اسی پر تمام استفراغات کو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جن کے خارج نہ ہونے کی وجہ سے اذیت ہوتی ہے، ایسے ہی خون کی تیزی اور حدّت، کثرتِ احتلام، پیشاب، پاخانہ، ریح، قے، چھینک ہے۔ یہ سب چیزیں مادہ کے بدن میں رُکنے پر دلالت کرتی ہیں، ان کی ادنیٰ جنس بخارات کا محتبس ہونا ہے، اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرما دی ہے اور قرآن پاک کا طریقہ یہی ہے کہ وہ چھوٹی چیز پر متنبہ کرتا ہے اور اسی سے بڑی چیزوں کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے۔

پرہیز کا معاملہ آیتِ وضو میں مذکور ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے پانی کی جگہ مٹی سے تیمم کرنے کو فرمایا ہے، تاکہ جسم مریض نہ ہو جائے اس سے پرہیز کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے طب کے تینوں اصولوں کی طرف

---

[1] سر کے بال صاف نہ ہونے کی وجہ سے پسینہ کے ساتھ میل جم جاتا ہے جو بعد میں خارش اور جوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ سر منڈوانے کی وجہ سے مسامات کھل جاتے ہیں اور دماغ سے جو بخارات اٹھتے ہیں وہ پسینے کے ذریعہ سے زہریلے مادہ کو نکال دینے میں اس طرح دماغ کا عمدہ تنقیہ ہو جاتا ہے۔

اشارہ کر دیا ہے۔ اب ہم جنابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو ذکر کریں گے (اور طبِ نبوی کو بتلائیں گے)

طبِ قلب کا معاملہ صرف رسولوں کے سپرد ہے اور ان کو اسی وجہ سے بھیجا جاتا ہے اور قلب کا علاج ان ہی کے پاس ہوتا ہے[1]

صلاحِ قلب یہ ہے کہ وہ اپنے رب کا عارف ہو۔ اس کے اسماء اور صفات، اس کے افعال اور احکام سے واقف ہو، اس کی مرضیات کی طرف راغب ہو اور اس کے نواہی سے بچے، قلب کی صحت اور حیات اسی میں ہے، اور یہ چیز بھی رسولوں ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ صحت قلب بدون اتباعِ رسول کے حاصل ہو سکتی ہے وہ غلطی پر ہیں (کیونکہ قلبِ حیوانی اور چیز ہے اور قلبِ روحانی دیگر شے ہے)

طب ابدان اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ انسان کے فطری تقاضے مثلاً: بھوک، پیاس، اور دوسرے یہ کہ جس کا تعلق فکر اور تامل سے ہے مثلاً امراض متشابہ کا مزاج میں پیدا ہو جانا، جس کی وجہ سے مزاج اعتدال سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً اس میں حرارت، برودت، یبوست، رطوبت یا ہر دو سے مرکب چیز پیدا ہو جاتی ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ مادیہ اور کیفیہ۔ امراض بالکیفیت مواد کے زائل ہونے کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور مزاج

---

[1] یاد رہے کہ قلبِ حیوانی اور قلبِ ایمانی میں ظرف اور مظروف کی نسبت ہے اور یہ نسبت نہایت لطیف اور غیر منفک ہے۔ قلبِ حیوانی کا علاج اطباء کرتے ہیں کیونکہ وہ اجزائے بدن میں سے ایک عضو ہے، لیکن قلبِ روحانی اور ایمانی کا علاج صرف رسولوں کے پاس ہوتا ہے اور وہ بخارات لطیف جو قلب میں پیدا ہوتے ہیں وہ مرکب اور سواری ہیں۔ قلبِ روحانی کے لیے۔ (احیاء العلوم)

میں کوئی خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔

امراضِ مادیہ یہ ہیں کہ ان کے ساتھ مادہ موجود ہوتا ہے۔ جب ایسی صورت پیش آجائے تو غور کرنا چاہیے کہ اس کا سبب کیا ہے؟ پھر مرض کو دیکھنا چاہیے۔ پھر دوائیں تدبیر کرنا چاہیے۔ امراض اعضاء وہ ہیں جو عضو کو اپنی ہیئت اصلیہ سے خارج کر دیں۔ ان ہی اعضاء کے اتصال اور تالیف سے جسم انسان بنا ہے اس میں تبدیلی آنے کا نام تفرق اتصال ہے۔

امراضِ عامّہ وہ ہیں جو امراض اعضاء اور امراض منتشرہ کو مشتمل ہوں۔ اور امراضِ منتشرہ وہ ہیں کہ مزاج اعتدال سے خارج ہو جائے۔ اسی کا نام مرض ہے، اس کی آٹھ قسمیں ہیں جن میں سے چار بسیط ہیں اور تین مفرد ہیں۔ بسیط یعنی بارد حار۔ رطب، یابس۔ اور مرکب ان سے ترکیب یافتہ۔ یہ بھی مادہ کی وجہ سے ہوتی ہیں یا بلا مادہ کے۔ اگر مرض بالفعل مضر نہیں ہے۔ تو یہ اعتدال مزاج کے ہٹ جانے سے ہوتا ہے، اس کے تین حال ہیں طبعیہ، خارجہ۔ متوسط۔ پہلی صورت میں بدن صحیح ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں مریض اور تیسری صورت درمیانی ہے۔

بدنِ انسانی کا اپنی حالتِ اصلیہ یا طبیعہ سے خلاف ہونے کا سبب یا داخلی ہوگا یا خارجی۔ یہ بھی دو حال سے خالی نہیں ہے موافق ہوگا یا مخالف۔ یہ بھی کبھی سوءِ مزاج کی وجہ سے ہوگا یا فسادِ عضو کی وجہ سے یا ضعفِ قوت کی وجہ سے ہوگا۔ طبیب ان ہی امور اور اسباب میں فکر کرتا ہے۔ اور صحت مفقودہ کو واپس لاتا ہے اور علتِ موجودہ کو علاج بالضد کے ذریعہ دور کرتا ہے[1]

[1] طریقۂ علاج دو قسم کا ہے۔ علاج بالضد اور علاج بالمثل، پہلی قسم یہ ہے (باقی صفحہ ۳۰ پر)

حضورؐ کا طریقۂ علاج

حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنا اور اپنے صحابہؓ کا علاج مفردات کے ذریعہ فرماتے تھے۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ مرکبات سے علاج نہیں کرتے تھے، جیسا کہ قرابادینوں میں مرکبات مذکور ہیں اکثر امتوں کا یہی طریقۂ علاج رہا ہے، خواہ کسی جنس کے ہوں۔ عرب ہوں یا ترک۔ شہری ہوں یا دیہاتی۔ مرکبات سے علاج کرنے کا طریقہ رومیوں اور یونانیوں کا ہے۔ اور ہندوستان کا طریقۂ علاج بھی مفردات سے علاج کرنا ہے[1]۔

اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک غذا سے علاج کرنا ممکن ہو دوا کی طرف رجوع نہ کرنا چاہیئے، اور اگر مفرد سے علاج ہو سکتا ہو تو مرکب سے علاج نہ کرنا چاہیئے۔ اطباء نے کہا ہے۔ ہر بیماری کو جو غذا اور پرہیز سے دور ہو سکتی ہے دوا نہ کرنی چاہیئے۔ لہذا طبیب کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ادویہ کے پلانے کی طرف دھیان دے اور اس سے دل چسپی لے کیونکہ دوا جب بدن میں کوئی مرض نہیں پاتی تو جسم میں محلول ہو جاتی ہے، اور اگر مرض ہوتا ہے تو کبھی

(بقیہ صفحہ ۲۹ کا) کہ اگر مرض گرمی کی وجہ سے ہے تو دوا ٹھنڈی دی جائے اور علاج بالمثل یہ ہے کہ اگر مرض گرمی کی وجہ سے ہے تو گرمی کو اور بڑھا دیا جائے تاکہ مرض کی گرمی دب جائے اور پھر دوا کی گرمی خود بخود ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ طریقۂ علاج بدن کے ایک مرض کو ختم کر دیتا ہے اور دوسرے امراض پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ موجودہ زمانہ میں ڈاکٹری علاج میں دیکھنے میں آتا ہے۔ معقول طریقۂ علاج اول ہی ہے اور وہی مفید ہے اگرچہ دیر لگتی ہے لیکن دیر آید درست آید کا مصداق ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا [1] واضح رہے کہ زود اثر اور سہل ترین علاج مفرد دواؤں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دو یا تین مفرد دوائیں کسی بھی مرض کے لیے کافی ہیں۔ مسنون طریقہ بھی یہی ہے۔ جو اطباء نسخہ کو مخزن المفردات بنا دیتے ہیں وہ فن طب سے واقف نہیں ہیں۔

موافق اور کبھی مخالف اثر کرتی ہے، اس سے جسم میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے (اور یہ خود ایک مرض ہے)۔

مفردات سے علاج کرنے کے بارے میں تحقیق یہ ہے، ادویہ بھی اغذیہ کی قسم سے ہوتی ہیں۔ جو لوگ اغذیہ مرکب کے کھانے کے عادی ہیں ان کو ادویہ مرکب دینا چاہیے۔ اور ایسا شہروں میں ہوتا ہے اور دیہاتی اور صحرائی لوگوں کی غذا بھی مفرد ہوتی ہے، اس وجہ سے ان کا علاج بھی مفرد سے ہونا چاہیے۔ یہاں تک ہم نے فنِ طب کے اعتبار سے دلائل ذکر کیے ہیں اور اسی پر حاذق طبیبوں کا اتفاق ہے، لیکن ان میں سے بعض نے قیاس سے کہا ہے اور بعض نے تجربہ سے کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ امراض کیا ہیں؟ صرف وسواس اور خیالات ہیں، (بعض نے تجربات کی بنا پر کہا ہے) کہ بلی جب کسی زہریلے جانور کو کھاتی ہے تو وہ چراغ کو چاٹتی ہے وہ تیل زہریلے جانوروں کے کاٹے کے لیے مفید ہے، اور ایسے ہی جب زمین سے سانپ نکل کر پھرتے ہیں تو اولاً ان کی آنکھوں پر پردہ ہوتا ہے تو وہ برگ رازیانہ پر آنکھوں کو ملتے ہیں تب انکی آنکھیں کھلتی ہیں۔ غرضکہ یہ سب باتیں اٹکل سے کہی ہیں۔ لیکن وہ چیزیں جو وحی کے ذریعہ بتلائی گئی ہیں وہ بہت اعلیٰ ہیں۔ تجرباتی ادویہ کا اور وحی کا کوئی جوڑ نہیں ہے بلکہ وحی کے ذریعہ سے جو ادویہ معلوم ہوئی ہیں ان تک اکابر اطباء کی عقول اور قیاسات اور تجربات نہیں پہنچ سکتے۔

دوائے دل، دوائے روح اور قوتِ قلب، اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھنا، توکل، رجوع الی اللہ اور عجز و انکساری اللہ کے لیے۔ صدقہ، دعا، توبہ، استغفار احسان کرنا، مظلوم کی دادرسی، یہ سب ادویہ ہیں۔ ان تمام ادویہ کے بارے میں مختلف ملتوں نے باختلافِ دین تجربہ کیا ہے انھوں نے ان تمام میں تاثیرات

پائی ہیں کہ اطبا کا علم اور تجربہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں نے اور دوسروں نے ان ادویہ کے بارے میں تجربہ کیا ہے ان میں وہ اثرات پائے ہیں جو دوائے ظاہری میں نہیں ہوتے اور ان کی تاثیرات قانونِ الٰہی کے مطابق ہیں۔ لیکن ان کے اسباب مختلف ہیں کیونکہ جب دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو جاتا ہے (وہی خالقِ امراض ہے اور وہی خالقِ دوا ہے)، تو اللہ تعالیٰ جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جب روح کو تقویت ہوتی ہے تو قوتِ نفس اور طبیعت کو بھی تقویت ہوتی ہے، اس سے مرض کا دفعیہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس قوت سے الم شدید بھی دور ہو جاتا ہے اس سے وہی انکار کر سکتا ہے جو سب سے بڑا جاہل ہے اور خدا سے دور ہے۔ عنقریب ہم بیان کریں گے کہ کس طرح سورۂ فاتحہ سے زہریلے جانور کے کاٹے کے اثرات دور ہو جاتے ہیں۔

بہرحال طبِ نبوی کی یہ دو قسمیں ہیں۔ ان کے بارے میں بقدرِ استطاعت ہم بیان کریں گے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوزبیر عن جابرؓ روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"ہر مرض کی دوا ہے، جب دوا پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آرام ہو جاتا ہے"۔

اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مرض ایسا پیدا نہیں کیا کہ اس کی شفا نہ اتاری ہو۔ مسند احمد میں ہے کہ اسامہ بن شریکؓ نے فرمایا کہ میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ چند دیہاتی آئے اور بولے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا ہم علاج کرا سکتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ایک مرض کے علاوہ تمام امراض کی دوا پیدا کی ہے اور وہ

مرض ہے بڑھاپا۔ اس کی کوئی دوا نہیں ہے۔

اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے تمام امراض کی دوا اتاری ہے جس کو معلوم ہونا تھا اس کو معلوم ہو گیا۔ اور جس کو جاہل رہنا تھا وہ ناواقف رہا۔ مسند اور سنن میں ابو خزامہ کی روایت ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کیا رقیہ اور دوا تقدیر الٰہی کو بدل سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دوا اور علاج بھی تقدیر الٰہی سے ہے۔

غرض کہ یہ تمام احادیث امراض اور ان کے اسباب کو ثابت کرتی ہیں اور ان سے منکرین کا قول باطل ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ حدیث شریف میں "لکل داءٍ دواءٌ" سے مراد وہ عمومیت ہے کہ امراض مہلک اور قاتلہ بھی اس میں شامل ہیں اگرچہ طبیب کے لیے بھی ان کو آرام کرنا ممکن نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی علاج رکھا ہے اور اور اس کا علم انسانوں سے پوشیدہ رکھا ہے کیوں کہ انسانوں کو اسی قدر معلوم ہے جس قدر اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفار کو دوا کی موافقت پر موقوف رکھا ہے۔ کیوں کہ مخلوقات میں اضداد موجود ہیں اس لیے ہر مرض کی ضد بھی موجود ہے جب کبھی دوا اور مرض کی کمیت یا کیفیت میں موافقت نہ ہو گی فائدہ نہ ہو گا اور وہ ناقص علاج شمار کیا جائے گا۔ اور شفا بھی حاصل نہ ہو گی۔ اور ایسے ہی اوقات کا معاملہ ہے اگر اوقات اس دوا کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو آرام نہ ہو گا۔ یا بدن میں اس دوا کی قوت اور صلاحیت نہ ہو تب بھی آرام نہ ہو گا اس لیے مذکورہ بالا حدیث شریف کی یہ تشریح زیادہ بہتر ہے

ان احادیث میں علاج کا امر توکل کے ہرگز خلاف نہیں ہے کیوں کہ پیاس کی ضد سیرابی اور بھوک کی ضد کھانا ہے ایسے ہی علاج کی ضد عدم علاج ہے۔

لہٰذا ان کے اسباب کو اختیار کرنا توحید کے منافی نہیں بلکہ حقیقت توحید ان اسباب کے اختیار کرنے سے مکمل ہوتی ہے کیوں کہ مرض مقدرات میں سے ہے ایسا ہی شفا بھی مقدرات میں سے ہے۔ اسی کو ان دیہاتیوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسا ہی کافی وشافی جواب مرحمت فرمایا چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

یہ دوائیں اور رقیہ سب تقدیر الٰہی سے ہیں۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک تیسری قسم اور باقی رہ گئی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں سبب کی وجہ سے فلاں فلاں چیز مقدر فرما دی ہے۔ اگر سبب پایا جائے تو وہ چیزیں بھی پائی جائیں گی لہٰذا جو کچھ میرے مقدر میں ہو گا، وہی ہوگا۔ ہم کہیں گے کہ کیا یہی اصول اپنی اولاد اپنے غلاموں کے بارے میں بھی جاری کیا جائے گا اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو تمہارے لیے ملامت کی گنجائش نہیں ہے اگر یہ بات پسند نہیں تو پھر حقوق اللہ میں یہ اصول کیوں جاری کیا جاتا ہے

ایک اسرائیلی روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا یا اللہ! یہ بیماری کہاں سے؟ فرمایا ہماری طرف سے پھر کہا اس کی دوا کہاں سے، فرمایا وہ بھی ہماری طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تو پھر طبیب کا کیا ہوگا فرمایا۔ طبیب کے ذریعہ ہی سے دواؤں کو بھیجا گیا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

لکلّ داءٍ دواءٌ تقویۃ للنفس	ہر مرض کے لیے دوا ہے جو مریض اور
المریض وللطبیب	طبیب کے لیے باعث تقویت ہے

اسی میں دوا کے طلب و تجسس کی ترغیب ہے اس لیے کہ مریض جب طلب دوا کے لیے آمادہ ہوتا ہے تو مرض کے ازالہ کی اس میں امید پیدا ہو جاتی ہے اور

امید کا دروازہ کھل جاتا ہے اس سے پورے جسم میں حرارت عزیزیہ پھیل جاتی ہے جس سے روحِ حیوانیہ کو تقویت ہوتی ہے اور طبیعت کو قوت ملتی ہے جب یہ قوتیں قوی ہوتی ہیں تو مرض سے مدافعت ہو جاتی ہے یہی حال طبیب کا ہے اور ان ہی کے اوپر امراضِ قلب کو بھی قیاس کر لینا چاہیے۔[1]

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرہیز کرنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے اور زیادہ کھانے سے منع فرمایا ہے چنانچہ مسند وغیرہ میں حدیث ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

"آدمی کے لیے سب سے برا ظرف اس کا پیٹ ہے اس کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں پس اگر کھانا ضروری ہے تو ایک تہائی پیٹ کھانا ایک تہائی پیٹ پانی اور ایک تہائی سانس کے لیے"

یاد رہے امراض کی دو قسمیں ہیں امراض مادی جو مادہ کے زیادہ ہونے سے پیدا ہوتے ہیں اور افعال بدن کے لیے مضر ہوتے ہیں ان کا بیشتر سبب وہ کھانا ہے جو وقت پر کھانے سے قبل پیٹ میں داخل کر لیا گیا ہے اور مقدار میں زیادہ کھا لیا ہے اس میں وہ غذائیں بھی ہیں جن میں نفع کم (یعنی غذا کم) ہے اور دیر ہضم ہیں اور بیک

---

[1] یعنی ایسے ہی روحانی امراض کا علاج ہوتا ہے مثلاً: بخل کا علاج خرچ سے اور حسد کا علاج محبت سے ہوتا ہے جب مریضِ قلب کسی طبیبِ روحانی کے پاس جاتا ہے تو اس میں ان چیزوں کے استعمال کی آمادگی پیدا ہو جاتی ہے اور طبیعت کو قوت حاصل ہو جاتی ہے اور امراضِ قلبی دور ہونے لگتے ہیں۔

وقت مختلف غذائیں کھانا بھی اس کا سبب ہے جب آدمی اس قسم کی غذائیں کھاتا ہے
تو امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔
اور یاد رہنا چاہیے کہ مراتب غذا کے تین ہیں یعنی ضروتیہ۔ کفائیہ۔ فاضلہ اسی
کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اس قدر غذا ضروری
ہے کہ کمر سیدھی رہے اور قوت نہ گرنے پائے ورنہ ثلث پیٹ، یہ بدن اور قلب دونوں
کے لیے بہت نافع ہے اور تیسری صورت کرب اور تعب کی ہے اور اس سے قلب
اور بدن میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن کبھی اتفاقاً ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں
ہے کیوں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں خوب
پیٹ بھر کر کھایا اور عرض کیا۔

والذی بعثک بالحق لا اجد مسلکا۔ قسم اس کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اب تو کھانے کا راستہ بھی نہیں ہے۔

اسی طرح چند مرتبہ صحابہؓ نے آپ کی موجودگی میں خوب پیٹ بھر کے کھایا تھا۔
بہر حال زیادہ کھانا قوت کو ضعیف کرتا ہے۔ قوت کے لیے وہ مفید ہے کہ جس کو
بدن قبول کرلے (یعنی وہ ہضم ہو کر جزو بدن بن جائے)۔
انسان کے جسم میں چوں کہ اجزاء ارضی ہوائی مائی (یانی والے) ہوتے ہیں
اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے
اور اگر یہ کہا جائے کہ اجزائے ناری کہاں رہے؟ تو میں کہوں گا اس کے بارے
میں اطباء میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اجزاء ناریہ بالفعل موجود ہیں اور
بعض اطباء نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ اجزاء ناریہ بالفعل موجود
نہیں ہیں کیوں کہ۔
۱۔ جزء ناری یا اور دوسرے اجزاء کے ساتھ مخلوط ہیں) یا یہ کہ ان تینوں کے

ملنے سے پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ جزء ناری بدن میں متکون ہے لیکن یہ خیال ناممکن ہے۔

۳۔ اگر جزء ناری ہوتا تو وہ یقیناً جزء مائی پر غالب ہوتا اور ایسا حقیقۃً نہیں ہوتا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں چند جگہ تخلیقِ انسان کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ انسان کو پانی سے پیدا کیا ہے اور بعض جگہ ہے کہ مٹی سے پیدا کیا ہے اور بعض جگہ ہے دونوں سے مرکب پیدا کیا ہے اور بعض جگہ صلصال کالفخار ہے جو ہوا اور دھوپ سے مٹی خشک ہو جاتی ہے۔ یہ کسی جگہ بھی نہیں فرمایا کہ انسان کو آگ سے پیدا کیا ہے بلکہ اس کو ابلیس کی خاصیت قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم میں ارشادِ گرامی ہے:

"فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے اور ابلیس کو آگ سے اور آدم کو جیسا کہ تمہیں بتلایا جا چکا ہے۔"

۵۔ زیادہ سے زیادہ یہ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابدانِ حیوان میں حرارت بھی موجود ہے۔ لہٰذا اجزائے ناریہ موجود ہیں مگر حرارت حرکت سے بھی پیدا ہوتی ہے نہ کہ صرف آگ ہی سے۔ اور کبھی گرم ہوا سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ مٹی اور پانی کے ملنے سے بھی حرارت پیدا ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ زمین میں جب بیج ڈال دیا جاتا ہے تو پانی کی آمیزش سے حرارت پیدا ہو جاتی ہے تب ہی تو بیج اگتا ہے اور اگر حرارت جسمِ انسانی میں نہ ہوتی تو وہ غایت درجہ سرد ہوتا اور اس صورت میں انسان کو برودت کا احساس بھی نہ ہونا چاہیے تھا۔ اور اگر گرم اجزا نہ ہوتے تو برودت کا احساس نہ ہوتا۔ اس کے جواب میں دوسرے لوگوں نے کہا ہے جب مٹی، پانی اور ہوا مل گئی تو اس میں حرارت سورج کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معالجات

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج تین طرح پر تھا۔ ادویۂ طبیعہ ادویۂ الٰہیہ اور ان دونوں سے مرکب اور ہم ان تینوں کو ذکر کریں گے۔ پہلے ادویۂ طبیعہ کو بیان کرتے ہیں پھر ادویۂ الٰہیہ کو اور پھر مرکبہ کو بیان کریں گے کیوں کہ آپؐ ہادی بھی ہیں اور داعی بھی ہیں اور آپ انبیاء سابقین اور امم ماضیہ کے بارے میں مخبر بھی ہیں اور تخلیق عالم۔ مبدا اور معاد کے بارے میں بھی آپؐ نے خبر دی ہے اور نفوس کا تفاوت بھی تبلایا ہے اور اس کے اسباب بھی بیان فرمائے ہیں طب ابدان آپؐ کی شریعت کے مکملات میں سے ہے کہ جب ضرورت ہو اس کا استعمال کر لیا جائے

بخار کا علاج

صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا بخار اور اس کی تیزی دوزخ سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ بہت سے جاہل طبیبوں نے اس حدیث پر مختلف اشکالات وارد کیے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم اس کا فقہ بیان کرتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب دو قسم کا تھا۔ ایک تو عام تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے اور ایک خاص جو بعض انسانوں کے لیے تھا مثلاً آپؐ نے ارشاد فرمایا :۔

لا تستقبلوا القبلۃ بغائط ولا ببول ولکن شرّقوا او غرّبوا	پیشاب پاخانہ میں قبلہ کو رخ نہ کرو بلکہ مشرق کو کر لیا کرو یا مغرب کو۔

یہ حکم اہل عراق اور اہل مشرق و مغرب کے لیے نہیں ہے بلکہ اہل مدینہ اور جو اس سمت میں ہیں ان کے لیے ہے۔ ایسے ہی آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے :۔

ما بین المشرق والمغرب قبلۃ۔	مشرق اور مغرب کے درمیان جو سمت ہے وہ قبلہ ہے۔

یہ حکم اہل حجاز اور اہل شام کے لیے ہے۔ اب معلوم ہونا چاہیے بیشتر بخارات جیسے حمیٰ یومیہ عارضی۔ یہ شدت حرارت شمس کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کے لئے پانی میں نہانا اور اس کا پینا مفید ہے اس لیے بخار حرارتِ غریبیہ ہے جو اولاً قلب میں مشتعل ہوتی ہے اور وہاں سے روح اور خون کے ذریعہ تمام رگوں اور شریانوں اور جسم میں پھیل جاتی ہے اور مشتعل ہو جاتی ہے جو فی الوقت مضر ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں

۱۔ وہ حرارت عارضی جو دھوپ کی تمازت اور ورم وغیرہ سے پیدا ہو۔

۲۔ وہ حرارتِ مرضیہ جو کسی مرض مادی کی وجہ سے ہو اس کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ مادی حرارت جو کہ مادہ سے پیدا ہوتی ہے اور تمام بدن میں پھیل جاتی ہے۔

ب۔ اگر اس کا تعلق روح[1] سے ہے تو اس کا نام حمیٰ یعنی بخار رکھ دیا جاتا ہے اور اسی کا نام حمّیٰ یومیہ ہے اور یہ بخار زیادہ سے زیادہ تین دن رہتا ہے

ج۔ اگر اس کا تعلق اخلاط سے ہو تو یہ بخار عفونت کا کہلاتا ہے اور اس کی چار قسمیں ہیں صفرادیہ، بلغمیہ۔ سوداویہ۔ دمویہ۔

د۔ اگر اس کا تعلق اعضاء سے ہو تو اس کا نام دِق ہے ان تمام قسموں کے تحت اور بہت سے انقسام ہیں۔

ان تمام چیزوں کے معلوم ہونے کے بعد اب میں کہتا ہوں کہ حدیث شریف میں بخار سے مراد بخار عارضی ہے جس کو پانی کے استعمال (غسل اور پینا) سے فائدہ ہو جاتا ہے۔ کسی دوسرے علاج کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ تمام قسم کے بخار مراد لیے جائیں اور بھی فاضل طبیب جالینوس نے کہا ہے کہ اس بخار میں ٹھنڈا پانی مفید ہے، جالینوس کا یہ قول مقالہ عاشرہ کتاب "حیلۃ البرء"

[1] اس جگہ روح سے مراد روحِ حیوانی ہے۔ جو قلب میں خون کے مطبوخ ہونے کے بعد بخارات لطیفہ کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔

میں ہے وہ لکھتا ہے۔

اگر نوجوان آدمی جس کا گوشت بھی سخت ہو گرمی کے زمانہ میں
اور بخار کی تیزی کے وقت اگر کوئی ورم نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے
نہ غسل کرے لیکن میں اس کو حکم دیتا ہوں کہ اس کو غسل کرنا چاہیے
اور پانی میں تیرنا چاہیے اس میں توقف نہ کرنا چاہیے۔

حکیم رازی نے کہا ہے:۔

جب جسم میں قوت ہو اور بخار شدت کا ہو اور پیٹ اور فوطوں میں
ورم نہ ہو تو اس کو ٹھنڈا پانی مفید ہوگا۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ بخار فیح جہنم سے۔ اس سے مراد شدت اور اس کے تمام بدن میں منتشر ہونے کی طرف اشارہ ہے اور آپؐ کا دوسرا ارشاد" شدۃ الحر من فیح جہنم" اس میں دو وجہیں ہیں۔

۱۔ یعنی گرمی دوزخ کا نمونہ ہے گویا اسی سے جدا ہو کر آئی ہے۔

۲۔ یہ کہ بخار کی شدت یا گرمی کی شدت کو صرف تشبیہ دینا مقصود ہے اور آپ کا ارشاد گرامی:۔

فابردوھا بالماء — اس کو پانی سے ٹھنڈا کرد۔

یہ دو طرح پر روایت کیا گیا ہے۔ ایک تو ہمزہ کے زبر کے ساتھ اور ہمزہ کو کو علیحدہ کر کے یا اس جگہ ہمزہ وصلی ہے اور مضموم ہے اور پانی سے مراد ہر ایک پانی ہے۔ دوسرے یہ کہ ماء زمزم مراد ہے اور اس کو بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے نضر بن عمران کہتے ہیں:۔

میں ابن عباس کے پاس مکہ میں بیٹھا تھا کہ اچانک مجھے بخار ہو گیا۔ انھوں نے فرمایا اس کو زمزم کے پانی سے ٹھنڈا کرد

کیوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ بخار دوزخ سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

راوی کو اس میں شک ہے اگر شک نہ ہوتا تو یہ علاج صرف اہل مکہ کے لیے ہوتا۔ لیکن جن کو زمزم حاصل نہیں ہے ان کے پاس جو پانی بھی ہو" اس کے علاوہ یہ بھی اختلاف ہے کہ پانی سے مراد پانی کا صدقہ کرنا ہے یا پانی کا استعمال کرنا ہے اس میں بھی دو قول ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پانی کا استعمال مراد ہے جنھوں نے صدقہ مراد لیا ہے ان کو ارشاد مبارک کے معنیٰ سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے اور انھوں نے کہہ دیا ہے کہ جزاء جنس عمل سے ہوتی ہے لہذا بخار کی شدت کا علاج پانی کی ٹھنڈک سے عمل خیر کرنا مراد ہے لیکن ہم نے جو ذکر کیا ہے اس کو ابو نعیم نے بھی روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اذا حم احدکم فلیرش	تم میں سے اگر کسی کو بخار ہو جائے تو
علیہ الماء البارد ثلاث لیل	اس پر ٹھنڈے پانی کا چھینٹا تین رات
من السحر۔	صبح کے وقت دینا چاہیے۔

اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اور مسند میں حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے

اذا حم دعا بقربۃ من	جب آپؐ کو بخار ہوتا تو پانی کا مشکیزہ
ماء فافرغہا علی رأسہ	طلب فرماتے اور اس کو سر پر بہاتے
فاغتسل۔	اور غسل کرتے۔

ایسے ہی حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے بخار کو برا کہا تو آپؐ نے فرمایا اس کو برا نہ کہو یہ گناہ کو دور کرتا ہے۔ جیسا کہ آگ لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جو بخار۔ ردی قسم کی غذاؤں کے استعمال سے ہو جاتا ہے

اس میں ادویۂ نافعہ سے بدن کا تنقیہ کرنا مفید ہوتا ہے تاکہ بدن سے غلط مادہ دور ہو جائے جیسا کہ آگ سے زنگ دور ہو جاتا ہے۔ اس قدر تو اطبائے ابدان کو بھی معلوم ہے لیکن اس سے تصفیۂ قلب ہونا اس کو صرف اطبائے قلب ہی جانتے ہیں جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اس لیے بخار کو برا کہنا درست نہیں ہے۔

اور ایک اثر میں یہ بھی موجود ہے کہ بخار سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے لیکن اس اثر کا حال مجھے معلوم نہیں ہے اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ بخار سے تمام اعضاء اور مفاصل متاثر ہوتے ہیں اور انسان کے جسم میں ۳۶۰ جوڑ ہیں لہٰذا ہر جوڑ کے بدلے ایک دن کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بخار سے پورے جسم میں ایک ایسی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جو پورے سال میں بھی زائل نہیں ہوتی جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من شرب الخمر لم تقبل لہٗ صلوٰۃ اربعین یوماً	جس نے شراب پی اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہ ہوگی۔

کیوں کہ شراب کا اثر انسان کے اندر چالیس دن تک رہتا ہے اور حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا ہے:۔

تمام امراض میں مجھے بخار محبوب ہے کیوں کہ وہ ہر عضو میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عضو کے بدلے ثواب عطا کرتا ہے۔

اور جامع ترمذی میں حضرت رافع بن خدیجؓ کی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "تم میں سے اگر کسی کو بخار ہو جائے اور بخار دوزخ کا ایک ٹکڑا ہے اس کو ٹھنڈے پانی سے بجھاؤ اور نہر جاری میں طلوعِ شمس سے

قبل تین غوطے لگاؤ ہر غوطہ کے وقت یہ کہو۔

بسم اللہ اللّٰھم اشف — اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ اپنے بندے

عبدک وصدق رسولک — کو شفاء دے اور اپنے رسول کی تصدیق فرما۔

اور ایسا تین دن کرنا چاہیے۔ اگر آرام ہو جائے تو بہتر ورنہ پانچ دن ورنہ پھر ساتویں دن سے آگے بخار تجاوز نہ کرے گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ علاج گرمی کے موسم میں اور گرم ملکوں میں حمی صالحیہ یا غب خالص (جن میں ورم نہ ہوں) میں مفید ہے۔

اسہال کا علاج

صحیحین میں حدیث میں ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رض نے فرمایا کہ ایک آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کے پیٹ میں شکایت ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ میرے بھائی کو اسہال کی شکایت ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "شہد پلاؤ" وہ گیا اور پھر آیا اور عرض کیا کہ اس سے اسکو اور زیادہ اسہال ہونے لگا ہے۔ آپؐ نے پھر اسی طرح شہد کے لئے امر فرمایا اور دو یا تین مرتبہ اسی طرح امر فرمایا۔ اور تیسری یا چوتھی مرتبہ ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔"

خواص شہد

شہد (میل کچیل) کو دور کرتا ہے جو رگوں یا آنتوں میں جمع ہو جاتا ہے اس کے پینے اور اس کی مالش کرنے سے رطوبات تحلیل ہوتی ہیں بوڑھوں اور بلغمی مزاج والوں کو بہت مفید ہے۔ یہ غذا بھی ہے اور ملین بھی ہے۔ قویٰ کی حفاظت کرتا ہے کیفیات ردیہ کو دور کرتا ہے۔ سینہ اور جگر کو صاف کرتا ہے۔ پیشاب خوب لاتا ہے بلغمی کھانسی کے لیے مفید ہے۔ عرق گلاب میں ملا کر گرم کر کے پیا جائے تو کیڑوں کے لیے اور افیون کے نشہ کے لیے مفید ہے اگر پانی میں ملا کر پیا جائے تو کتے کے کاٹے کو مفید ہے اگر تازہ گوشت کو شہد میں رکھ دیا جائے تو وہ تین مہینے تک نہیں بگڑتا۔ اور اگر پھلوں

کو اس میں ڈال دیا جائے تو مدتوں محفوظ رہتے ہیں مردہ کی لاش کو اگر مل دیا جائے تو وہ نہیں بگڑتی۔ اسی وجہ سے شہد کا نام محافظ اور امین ہے۔ اگر کسی کے جسم میں جوئیں ہوں، بال گرتے ہوں تو شہد مل دیا جائے تو یہ شکایت ختم ہو جائے گی، بال نہایت نرم و نازک اگنے لگتے ہیں۔ آنکھ میں لگانے سے آنکھ میں روشنی بڑھتی ہے۔ حیض کو جاری کرتا ہے۔ بلغم کو دور کرتا ہے۔ سدہ کو کھولتا ہے بہرحال شہد غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے اور سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

جس نے تین صبح ہر مہینہ شہد چاٹا اس کو بڑی بیماری نہ لگے گی اور دوسری روایت میں ہے۔ تمہیں دو شفار لازم ہیں۔ شہد اور قرآن پاک۔

اس میں طب بشری اور طب الٰہی دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ اب معلوم ہونا چاہیے کہ اسہال کے لیے جو آپؐ نے شہد پینے کا امر فرمایا تھا۔ تو وجہ یہ تھی کہ معدہ میں بلغم جمع ہو گیا تھا جو استقرار غذا کو مانع تھا۔ لہٰذا شہد کی اتنی مقدار معدہ میں ضرور جانی چاہیے تھی جس سے وہ چیپ دار رطوبت معدہ سے باہر آ جائے۔ اسی کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحیح فرمایا ہے تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے یعنی دوا کا قصور نہیں ہے بلکہ پیٹ میں کثرت مادہ موجود ہے اسی کے اخراج کے لیے مکرر امر فرمایا یاد رہنا چاہیے: طب النبی دوسروں کی طرح نہیں ہے آپؐ کا طب قطعی اور یقینی ہے اور وحی الٰہی ہے اور دوسروں کا طب صرف ظن اور تجربہ ہے۔ طب نبوی کے نفع سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے اسی کو فائدہ پہونچ سکتا ہے جو اس پر اعتقاد رکھتا ہو اور ایمان و یقین کے ساتھ اس کو اختیار کرے چنانچہ

قرآن پاک" شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ" ہے لیکن جو اس پر ایمان نہ لائے اس کو شفاء حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ منکرین کے امراض اور گندگیوں میں تو مزید اضافہ ہی ہوگا یہی حال طبِ نبوی کا ہے" اس سے دوا کا قصور ثابت نہیں ہے بلکہ طبیعت کا خبث اور اس کا فتور ثابت ہے جو عدم قبول کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

علماء کرام نے اِس آیت مبارکہ کے مطالب بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے

یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔	شہد کی مکھیوں کے پیٹ سے مختلف رنگ کا ایک مشروب نکلتا ہے اس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔

اختلاف یہ ہے کہ "فیہ" کی ضمیر شراب کی طرف ہے یا قرآن کی طرف راجع ہے اس میں دو قول ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہ ضمیر شراب کی طرف لوٹتی ہے، یہی قول ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ۔ قتادہؓ۔ اور اکثر حضرات کا ہے۔ کیوں کہ سیاقِ کلام یہی ہے۔ اور حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

علاجِ طاعون

صحیحین میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، طاعون عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ پر اور تم سے پہلے والوں پر نازل کیا گیا۔ جب تم سنو کہ کسی بستی میں طاعون ہے تو وہاں نہ داخل ہو اور اگر تم اس میں موجود ہو اور وہاں مرضِ طاعون پیدا ہو جائے تو وہاں سے نہ بھاگو! اور صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا" طاعون مسلمان کے لیے شہادت ہے۔

لغت کے اعتبار سے طاعون ایک وبائی مرض ہے۔ اور اہل طب کے نزدیک نہایت شدت کی حرقت کا نام خبیث ہے جس کی مقدار بڑھ جاتی ہے اور اکثر

احوال میں اس کا رنگ سیاہ یا سبز یا نیلا ہوتا ہے اور آخر میں پھوڑا بن جاتا ہے اور زیادہ تر بغل میں یا کان کے پیچھے پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ ہم نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا:۔

طعن کے بارے میں تو ہمیں معلوم ہے لیکن طاعون کیا چیز ہے؟

ارشاد فرمایا: اونٹ کی گلٹی کی طرح ایک گلٹی ہوتی ہے جو بغل اور مراق میں نکلتی ہے۔

اطباء نے کہا ہے کہ ان کا سبب وہ خراب خون ہوتا ہے جو سڑ جاتا ہے اور زہریلے مادہ کی طرف تبدیل ہو جاتا ہے بعض دفعہ یہ خون، پیپ بن کر جب قلب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو قے اور غشی کا مرض پیدا ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ یہ ورم میں تبدیل ہو جاتا ہے اور نہایت نرم اور ڈھیلی جگہ ظاہر ہو جاتا ہے اس کے لیے قریبی جگہ بغل اور کان کے قریب ہے۔

طاعون کی سب سے زیادہ بری قسم سیاہ اور نیلی ہے اور غیر مضر زرد اور سرخ ہے اور اکثر وبائی بستیوں میں پیدا ہو جاتا ہے اسی وجہ سے خلیل نے کہا ہے کہ طاعون وباء ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو مرض عام ہو جائے وہ وباء ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وباء اور طاعون کے درمیان عموم خصوص کی نسبت ہے۔ اس مرض کے پیدا ہونے کا وقت زیادہ تر آخر خریف ہوتا ہے کیوں کہ اس وقت ہوا بھی خراب رہتی ہے اور فضلات زیادہ پیدا ہوتے ہیں اور ان سے تعفن پیدا ہو جاتا ہے یہی بقراط نے کہا ہے اور ربیع کا موسم سب سے بہتر موسم ہے۔

بہر حال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بستی میں طاعون ہو وہاں داخل ہونے اور وہاں سے بھاگنے کو منع فرمایا ہے۔ داخل ہونے سے منع کرنے میں تو ایک قسم کی حفاظت ہے اور بھاگنے سے منع کرنے میں توکل اور صبر کی

تعلیم دینا مقصود ہے اور دوسری وجہ اطباء نے یہ بیان کی ہے کہ شہر چھوڑنے میں حرکتِ شدیدہ اور سفر کرنا پڑتا ہے اور یہ مضر ہے۔

صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ جب ملکِ شام تشریف لے گئے تو مقام "سرغ" میں حضرت ابو عبیدہؓ اور ان کے ساتھیوں نے ان سے ملاقات کی اور خبر دی کہ ملک شام میں "وبا" پھیلی ہوئی ہے (وہاں کے جانے میں لوگوں میں اختلاف ہوا) تو حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے فرمایا تمام مہاجرین کو بلوالو۔ جب مہاجرین جمع ہو گئے تو ان سے مشورہ کیا۔ تو ان میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض نے کہا۔ ہم جس غرض سے یہاں آئے ہیں اس کے پیشِ نظر داخل ہو جانا چاہیے۔ بعض نے کہا: آپ کے ساتھ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کو وبا میں نہ مبتلا کرنا چاہیے! اس کے بعد انصار کو طلب کیا۔ ان میں بھی یہی اختلاف ہوا۔ تب حضرت عمرؓ نے مہاجر اور مشائخ قریش کو طلب فرمایا تو ان میں سے دو آدمیوں نے کہا: یہاں سے واپس ہو جانا چاہیے اور اپنے کو وبا میں مبتلا نہ کرنا چاہیے! حضرت عمرؓ نے اعلان کر دیا۔ صبح ہوتے ہی سب لوگ یہاں سے واپس ہو جائیں چنانچہ صبح کو حضرت ابو عبیدہؓ نے آکر کہا۔ حضور! کیا تقدیرِ الٰہی سے بھاگتے ہو فرمایا۔ ہاں! ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جاتے ہیں۔ کاش کہ یہ بات کوئی دوسرا کہتا اور فرمایا اگر تمہارے پاس دو اونٹ ہوں اور ایک ان میں خارش میں مبتلا ہو تو تم اس کو علیحدہ رکھتے ہو یا نہیں؟ عرض کیا ہاں! فرمایا: یہ بھی تقدیرِ الٰہی سے فرار ہے۔ اتنے میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف آگئے جو موجود نہیں تھے اور کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے آکر فرمایا: میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:-

اذا کان بارض وانتم بھا — جب تم کسی جگہ ہو اور وہاں طاعون پھیل

فلا تخرجوا فرارًا منہ واذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ۔

جائے تو وہاں سے فرار اختیار نہ کرو اور اگر تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون ہے تو وہاں نہ جاؤ۔

علاج استسقاء صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت ہے:۔

عکل اور عرینہ کے قبیلہ کے لوگ مدینے میں آتے اور بیمار ہو گئے (یعنی ان کے پیٹ بڑھ گئے) تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جہاں صدقہ کے اونٹ ہیں وہاں جاؤ اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا تو ان کو آرام ہو گیا۔

مسلم شریف کی روایت کے مطابق ان کو مرض استسقاء تھا۔ یہ ایک مادی مرض ہوتا ہے جس کا سبب سرد قسم کا مادہ ہوتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ لحمی زقی۔ طبلی۔ اس کے لیے ادرار والی گرم دواؤں کی ضرورت ہے۔ اور یہ خاصیت اونٹ کے دودھ اور پیشاب میں ہوتی ہے۔ کیوں کہ اونٹ زیادہ تر۔ بابونہ۔ اذخر قیصوم۔ شیخ وغیرہ گھاس چرتے ہیں اور یہ دوائیں استسقاء کے لیے مفید ہیں اور یہ مرض جگر کی خرابی اور اس میں سدہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جس کے لیے اونٹ کا دودھ مفید ہے۔ رازی اور اسرائیل نے یہی کہا ہے۔ زیادہ پیشاب آنا اس کے لیے مفید ہوتا ہے۔ اور شیخ نے کہا ہے کہ ان لوگوں کی بات کی طرف توجہ نہ دینی چاہیے جو یہ کہتے ہیں کہ اونٹ کا دودھ استسقاء کے لیے مفید نہیں ہے اگر انسان صرف اسی دودھ پر اکتفا کرے تو مرضِ استسقاء کو آرام ہو جائے گا۔ اور رہا پیشاب کا معاملہ تو عربی اونٹ کا پیشاب اس مرض میں زیادہ نافع ہے اس واقعہ میں پیشاب سے علاج کرنے اور حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک

ہونے میں دلیل موجود ہے۔ باوجودیکہ، شے حرام سے علاج کرنا جائز نہیں ہے [1] لیکن ضرورۃً جائز قرار دیا گیا ہے اور اس کے باوجود کہ اہلِ عرینہ بالکل نو مسلم تھے ان کو یہ امر نہیں فرمایا گیا کہ پینے کے بعد منہ صاف کرنا اور کپڑوں کو بچائے رکھنا اور

---

[1] اس جگہ دو مسئلے ہیں [1] یہ کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہوتا ہے یا نہیں [2] یہ کہ حرام ادویہ سے علاج جائز ہے یا نہیں پہلے مسئلہ کے بارے میں امام محمدؒ نے فرمایا، حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا نجس ہے اور اس میں نجاست خفیفہ ہے، امام محمدؒ نے علاجاً اور بغیر علاج دونوں طرح، حلال جانوروں کے پیشاب کو مباح قرار دیا ہے اور امام ابویوسفؒ نے صرف علاج کیلئے اجازت دی ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا "حرام میں شفا نہیں ہے"، امام محمدؒ کا استدلال مذکورہ حدیث سے ہے۔ اس کو امام بخاری اور مسلم نے کتاب الصلوٰۃ میں اور ابوداؤد، ابن ماجہ نے کتاب الحدود میں، ترمذی نے، طہارت میں اور نسائی نے، حرمت دم میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے، دوسری حدیث جس سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسف نے استدلال کیا ہے۔ استنزھوا من البول اس کو بھی حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے لیکن پہلی حدیث زیادہ قوی ہے دوسری حدیث پر بعض حضرات نے تنقید کی ہے۔ ملاجیون نے نور الانوار میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث (عرینہ والی) حدیث استنزھوا الخ سے منسوخ ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ دعویٰ غلط ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد استنزھو الخ حضرت سعدؓ ابن معاذ کے دفن کے موقعہ پر فرمایا تھا ان کی وفات ۵ھ میں غزوۂ احزاب کے بعد ہوئی تھی اور واقعہ عرینہ ۶ھ میں ہوا اس لئے دعویٰ نسخ غلط ہے بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ اہل عرینہ کی شفا اونٹ کا دودھ اور پیشاب پینے میں ہے علاوہ ازیں باوجودیکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پہلی حدیث کے راوی ہیں لیکن وہ خود اجازت نہیں دیتے تھے۔ اور یہ اصول ہے کہ راوی کا فتویٰ اگر اپنی روایت کے خلاف ہے تو وہ روایت مجروح ہے۔ اسی بنا پر امام ابوحنیفہؒ نے حرام ادویہ کے استعمال کو جائز قرار نہیں دیا۔ البتہ اگر تجربات سے یہ ثابت ہو جائے کہ اس دوا کے علاوہ کوئی دوسرا علاج نہیں ہے تو جائز ہے البنایہ ص ۲۶۳ ج ۱۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام ہماری کتاب "اسلامی دستور کے بنیادی رہنما اصولوں" میں ملاحظہ فرمائیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس کے بارے میں بعد میں بیان فرمایا تھا تو بھی یہ ضرورۃِ جواز کے منافی نہیں ہے۔

زخم کا علاج

صحیحین میں روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد میں زخمی ہوئے۔ اور آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے اور چہرۂ انور بھی زخمی ہو گیا، حضرت فاطمہؓ آپؐ کے زخموں کو دھوتی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال سے پانی لاکر بہاتے تھے۔ اس کے باوجود خون بند نہ ہو سکا تو حضرت فاطمہؓ نے بوریہ کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ زخم پر رکھدی تو خون بند ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ راکھ میں بالفعل خون کے بند کرنے کی قوت ہے اور اس سے کوئی جلن بھی نہیں ہوتی۔ اگر راکھ کو سرکہ میں ملاکر نکسیر والے کی ناک میں ٹپکایا جائے تو نکسیر بند ہو جائے گی۔ شیخ نے بھی یہی کہا ہے اور اس زمانہ میں مصری کاغذ سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ اس کی راکھ کا مزاج ٹھنڈا اور خشک ہے اور یہ پھوڑے کو بڑھنے سے روکتی ہے۔

حجامت کرانا

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:۔

الشفاء فی ثلاث شربۃ عسل	تین چیزوں میں شفاء ہے، شہد پینا
وشرطۃ محجم وکیۃ نار	پچھنے لگوانا۔ آگ سے داغ دینا اور
وانا انھی امتی عن الکی۔	میں اپنی امت کو داغ دینے سے منع کرتا ہوں

ابوعبداللہ مازری نے کہا ہے کہ جو امراض امتلاء مادہ کی وجہ سے ہوتے ہیں وہ چار قسم کے ہیں دموی بلغمی۔ صفراوی۔ سوداوی، دموی امراض میں اخراج خون اور بقیہ تین قسموں میں اسہال سے فائدہ ہوتا ہے۔ شربۃ عسل سے مراد اسہال ہے اور شرطۃ سے مراد فصد کرانا ہے اور مرض جب زیادہ بگڑ جائے تو اطباء نے داغ دینا تجویز کیا ہے[1]

[1] یہ حکم عام امراض کیلئے نہیں ہے۔ آج کل یہ طریقہ علاج بالکل متروک ہے۔

لیکن چونکہ الم شدید ہے اس وجہ سے آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

حجامت (پچھنے لگوانا) کے بارے میں ابن ماجہ میں جو حدیث ہے وہ جنادہ بن مغلس کی سند سے ضعیف ہے۔ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لیلۃ الاسریٰ میں، میں ایک جماعت کے پاس سے ہو کر گذرا۔ انھوں نے کہا: آپؐ اپنی امت کو حجامت کا امر فرمائیے! اور ترمذی میں ابن عباسؓ کی روایت ہے:۔

علیك بالحجامۃ — آپ پر پچھنے لگوانا ضروری ہیں۔

اور صحیحین میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور حجام کو اجرت مرحمت فرمائی۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ آپؐ نے ابو طیبہ سے پچھنے لگوائے اور اس کو دو صاع کھانا مرحمت فرمایا۔ اور جامع ترمذی میں ہے کہ ابن عباسؓ کے تین غلام تھے، جو پچھنے لگانے کا کام کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اچھا غلام وہ ہے جو حجامت کرتا ہے[1] کیوں کہ وہ خون نکال کر کمر کو صاف کرتا ہے اور آنکھ کی روشنی بڑھاتا ہے۔ اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گذرے تو انھوں نے کہا آپؐ کے لیے پچھنے لگوانا ضروری ہیں۔ اور آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس کیلئے بہترین وقت چاند کی سترھویں اور انیسویں اور انتیسویں تاریخ ہیں۔ اور بہترین علاج سعوط لدود اور حجامت ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض وفات میں "لد" دیا گیا۔ اور یہ حدیث غریب ہے، اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

حجامت کے منافع

اس کے بہت منافع ہیں۔ سطح جسم کا تنقیہ فصد سے زیادہ کرتی ہے۔ فصد اندرون جسم کا تنقیہ کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں، حجامت اور فصد۔ اختلاف زمان و مکان اور عمر کے اعتبار سے ہوتی ہیں۔ اور اطباء نے کہا ہے کہ

[1] یعنی غلام کیلئے یہ پیشہ مذموم نہیں ہے۔

گرم ملک میں حجامت بہت زیادہ مفید ہے۔ اور وہ فصد سے بھی زیادہ مفید ہے وسطِ مہینہ یا دسط مہینہ کے بعد کرانا مستحب ہے کیوں کہ خون شروع مہینہ میں جوش میں ہوتا ہے اور آخر مہینہ میں یہ جوش ختم ہو جاتا ہے اس وجہ سے درمیان مناسب ہے یہی بات صاحب قانون نے کہی ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

خیر ما تداویتم بہ الحجامۃ والفصد ۔ بہترین علاج حجامت اور فصد ہے۔

اس حدیث میں اہل حجاز اور گرم ملک والے مراد ہیں۔ اوقات حجامت کے بارے میں امام ترمذی نے روایت کیا ہے:

"بہترین دن جس میں تم حجامت کراؤ وہ سترھویں تاریخ یا انیسویں تاریخ یا ۲۱ ویں تاریخ ہے۔"

اس بارے میں ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۷، ۱۹، ۲۱ تاریخ کو حجامت کرایا کرتے تھے اور ایسے ہی ایک روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ۱۷، ۱۹، ۲۱، تاریخ کو حجامت کرانے پر بیماری سے شفا دیتا ہے۔

مرگی کا علاج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک جنتی عورت دکھلاؤں! وہ ایک کالی عورت ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ اس نے آکر عرض کیا: حضور مجھے مرگی ہوتی ہے اور میں اس میں ننگی ہو جاتی ہوں آپ میرے لئے دعا فرمائیے! آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اگر تو چاہے تو صبر کر تیرے لئے جنت ہے اور اگر چاہے تو میں دعا کرتا ہوں۔ اس نے عرض کیا میں صبر کرتی ہوں پھر اس نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں دیجئے کہ میں ننگی نہ ہوں۔ آپ نے اس کے لئے دعا کی۔

میں کہتا ہوں: مرگی کی قسمیں ہیں ایک وہ جو ارواحِ خبیثہ اور جنات کے اثر سے ہوتی

ہے اور دوسری وہ جو اخلاط ردیّہ کی وجہ سے ہوتی ہے، چنانچہ بقراط نے اس کے علاج کے کے بارے میں کہا ہے:۔

یہ دوا اسی مرگی میں نافع ہے جس کا سبب اخلاط ہوں۔ اور وہ مرگی جو ارواح خبیثہ کی وجہ سے ہوتی ہے اس کو نافع نہیں ہے۔

قدیم اطباء نے اس کا نام مرض الٰہی بھی رکھا ہے۔ جالینوس نے اس نام کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ چونکہ یہ مرض دماغ میں پیدا ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو مرض الٰہی کہتے ہیں اور یہ جالینوس کے جہل کی بات ہے۔ بعض زندیق قسم کے اطباء نے اس کا انکار کیا ہے یہ لوگ ارواح کی تاثیرات سے واقف نہیں ہیں یہ لوگ کمزور عقل کے ہیں (جب بات سمجھ میں نہیں آتی تو انکار کر دیتے ہیں) یاد رکھو! اس کا علاج دو طرح پر ہے ایک تدبیر تو خود مریض کو اختیار کرنی پڑے گی وہ یہ کہ اپنی طبیعت کو قوی رکھے۔ اور تعوذ صحیح قسم کا کرے[1] یہ ارواح خبیثہ کے ساتھ ایک قسم کی جنگ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہتھیار بھی صحیح ہوں اور بازو بھی قوی ہوں۔ اگر ایک چیز بھی کمزور ہے تو جنگ نہ ہو سکے گی۔

---

[1] تعوذ کے معنی۔ پناہ پکڑنا ہیں۔ مریض کو یقین کر لینا چاہیے کہ میں خدا کی پناہ اور حفاظت میں ہوں اور یہ یقین جما لینا چاہیے کہ:۔

سپردن بتو مایۂ خویش را　　　تو دانی حساب کم و بیش را

اس یقین کے بعد طبیعت کو قوت حاصل ہو جائے گی۔ اور قوت ہی سے کسی چیز کی مدافعت ہوتی ہے یاد رکھو! ہر چیز میں کوئی نہ کوئی تاثیر ہوتی ہے انسان کے پاس یقین ایک ایسا جوہر ہے کہ اس کی تاثیر سب سے اعلیٰ ہے یہ یقین جب خدا کی ذات و صفات کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے تو نہایت ہی اعلیٰ قوت حاصل ہو جاتی ہے ایسی قوت کہ تمام اشیاء کو اس کے مقابلے میں اپنی تاثیرات ختم کر دینی پڑتی ہیں جیسا کہ آگ نے حضرت ابراہیمؑ کے یقین کے مقابلہ میں جلانے کی تاثیر ختم کر دی تھی۔ صحیح تعوذ بھی اس کے ساتھ وہ تعوذ پڑھا جائے جو منقول ہے۔

معالجین کیلئے بھی یہی دو چیزیں ضروری ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ "تعوذ" کے لیے بسم اللہ اور بعض لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کو مفید بتلاتے ہیں۔ ور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے:۔

اخرج عدو اللہ وانا رسول اللہ۔ — اللہ کے دشمن نکل جا اور میں اللہ کا رسول ہوں۔[2]

میں نے اپنے شیخ کو دیکھا ہے کہ وہ بعض دفعہ کسی آدمی کو آسیب زدہ کے پاس بھیجتے اور وہ جاکر کہتا: شیخ کہتے ہیں نکل جا یہ تیرے لیے حلال نہیں ہے، چنانچہ وہ آسیب زدہ ٹھیک ہو جاتا تھا۔ یہ بات میں نے اور دوسروں نے بہت مرتبہ مشاہدہ کی ہے[1] اکثر اوقات حضرت شیخ آسیب زدہ کے کان میں یہ آیت قرأت فرماتے:۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔

شیخ نے مجھ سے ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے ایک آسیب زدہ کے کان میں جب یہ آیت پڑھی تو اس نے چیخ ماری، میں نے لاٹھی لے کر اس کی گردن کی رگوں پر خوب مارا۔ حاضرین کو بھی یہ شک ہوا کہ اب یہ مریض مرجائے گا۔ اس مار پیٹ کے درمیان اس نے کہا:۔

مجھے اس سے محبت ہے۔ میں نے کہا اس کو تو تجھ سے محبت نہیں ہے۔ اس نے کہا میں اس کو حج کے لیے ساتھ لے جاؤنگا۔ میں نے کہا یہ تیرے ساتھ نہیں جائے گا۔ اس نے کہا میں کرامت دکھلاتا ہوں۔ میں نے کہا خدا اور اس کے رسول کی اطاعت بہت بڑی کرامت ہے۔

اس کے بعد اس نے کہا۔ اچھا میں جاتا ہوں، اس کے بعد وہ آسیب زدہ اٹھیں

---

[1] ہمارے مشائخ میں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور میاں اصغر حسین صاحب کے بارے میں اس قسم کے متعدد واقعات منقول ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن کے تقویٰ اور یقین کا ہر چیز پر اثر پڑتا ہے۔

بائیں دیکھتا ہوا اٹھ بیٹھا۔[1]

حضرت شیخ اکثر اوقات آیۃ الکرسی کے ذریعہ بھی علاج کرتے تھے۔ اور اکثر اس کے پڑھنے کا امر فرمایا کرتے تھے۔ اور معوذتین کے ذریعہ بھی علاج کرتے تھے۔ اس قسم کی مرگی کا کم عقل لوگ ہی انکار کر سکتے ہیں۔ اکثر یہ ارواحِ خبیثہ بے دین لوگوں پر مسلط ہو جاتی ہیں بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ننگے ہونے کی حالت میں مسلط ہو جاتی ہیں۔

مرگی جو مادہ یا اخلاط کے مسلط ہونے کی وجہ سے ہو جاتی ہے، اس کے بارے میں بقراط نے کہا ہے، یہ مرض دائمی ہے اور یہ مادہ مرتے دم تک جوہر دماغ سے جدا نہیں ہوتا۔ غالباً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے اُس عورت کو صبر کے لیے فرمایا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس عورت کو دوسرے قسم کی مرگی ہو۔

عرق النساء

ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ فرمایا: سب نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: عرق النساء ایک مرض ہے جو ورک (کوٹھے) کے جوڑ میں ہوتا ہے۔ اور نیچے سے اترتا ہوا ران میں آجاتا ہے۔ اور بعض اوقات، کعب (ٹخنے) تک ہوتا ہے۔ جس قدر طویل ہوتا جاتا ہے۔ اس کا مریض کمزور ہوتا جاتا ہے[2]

اس حدیث کے دو معنی ہیں۔ لغوی اور طبی۔ لغوی معنی کے اعتبار سے اس مرض کا نام عرق النساء رکھنا جائز ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عرق النساء ایک رگ ہے۔ اس کی وجہ سے یہ نام ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نام اس وجہ سے ہے کہ (نساء) نسیان

---

[1] ہمارے ملک میں آسیب اور جنات کے واقعات بہت ہیں۔ تقریباً ۹۵ فیصد عورتیں اس میں مبتلا ہیں جن میں سے بیشتر مکر و فریب اور پیشہ ور تعویذ اور گنڈہ کرنے والوں کی جعلسازی ہوتی ہے بہت کم اور شاذ و نادر جنات کا اثر ہوتا ہے اور وہ اثر ان بے عملوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اہل حق کے ارشاد سے دور ہو جاتا ہے۔ [2] ہمارے عرف میں اس کو لنگڑی کا درد بولا جاتا ہے۔

سے ماخوذ ہے۔ اس درد کی وجہ سے آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے۔ (یعنی شدت درد کی وجہ سے) اور یہ رگ ورک سے چل کر ٹخنے تک آتی ہے۔

طبی معنی کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام گذر چکا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک خاص اور دوسرے عام چنانچہ یہ مرض کبھی یبوست کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور کبھی غلیظ مادہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے [1] اس کا علاج اسہال اور تلیین کے ذریعہ ہوتا ہے اس مرض میں بکری کا دودھ اس وجہ سے تجویز فرمایا ہے کہ وہ لطیف ہوتا ہے اور عرب کے جنگلوں کے پتے چرکر ادویہ کی تاثیر دودھ میں آجاتی ہے [2]

یبوست کا علاج

جامع ترمذی میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ تم کس چیز سے تلیین حاصل کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا شبرم سے آپ نے فرمایا یہ بہت گرم ہے اور تمہیں سنا کے ذریعہ تلیین حاصل کرنا چاہیے۔ اور فرمایا:۔

اگر کسی چیز کے ذریعہ موت سے شفاء حاصل ہوتی تو وہ سنا ہوتی۔

ابن ماجہ میں عبد اللہ بن حرام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔ فرماتے ہیں، میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

علیکم بالسنا والسنوت	تم سنا اور سنوت کو اختیار کرو۔ ان
فان فیھما شفاء من کل داء	میں موت کے علاوہ ہر مرض کے لئے
الا السام۔	شفاء ہے۔

---

[1] یعنی سوداویت اور بلغمیت کی وجہ سے لیکن صحیح یہ ہے کہ بلغم کے انجماد کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی یبوست ہے۔ [2] یہ علاج ہندوستانی بکریوں کے دودھ سے نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہؓ نے عرض کیا، سام کیا چیز ہے؟ فرمایا موت!۔ اور شبرم درجہ چار کی گرم دوا ہے۔ اطباء نے بھی اس کے استعمال سے منع کیا ہے۔ کیوں کہ اس سے اسہال بہت ہوتے ہیں۔ سناء ایک عربی دوا ہے۔ افضل ترین سناء مکی ہے۔ یہ درجۂ اول میں حار یابس ہے صفرا، وسوداء کا مسہل ہے۔ بدن میں پھٹن ہونا۔ بال گرنا۔ برے خیالات پیدا ہونا۔ جم جون کا پیدا ہونا۔ پرانا درد سر۔ خارش۔ مرگی کے لیے مفید ہے۔ مقدار خوراک ۳ درہم سے لے کر ۵ درہم تک ہے۔ زبیب اور گل بنفشہ کے ساتھ بہت نافع ہے رازی نے کہا ہے: اخلاط محترقہ کو نکالتا ہے۔ اور شاہترہ بھی یہی کام کرتا ہے۔ سنوت کے بارے میں چار قول ہیں: ایک ۱ شہد کو کہتے ہیں۔ ۲ رازیانہ کو کہتے ہیں۔ ۳ شبت کو کہتے ہیں ۴ تمر کو کہتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اور معتبر قول شہد کے بارے میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سناء کو شہد کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے۔

جوں کا علاج

صحیحین میں قتادہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور زبیر بن عوامؓ کو ریشمین کپڑا پہننے کی اجازت خارش کی وجہ سے مرحمت فرمائی۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ ان دونوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جسم میں جوں کے پیدا ہو جانے کی شکایت کی تو آپؐ نے ان کو ریشم کا کرتا پہننے کی اجازت دی۔

اس حدیث سے ایک فقہی مسئلہ اور ایک طبی مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ فقہی مسئلہ تو یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کا کپڑا عورتوں کے لیے تو مطلقاً مباح قرار دیا ہے اور مردوں کے لیے حرام مگر کسی حاجت اور مصلحت کے لیے جائز ہے۔ حاجت کی بات یہ ہے کہ سردی زیادہ ہے اور ریشم کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں ہے اور اسی طرح سے خارش ہونا اور جوں کا پیدا ہونا ہے۔ اور یہی امام احمد سے ثابت ہے۔ اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ رخصت ان ہی دونوں صحابہؓ کیلئے

تھی اور حرمت بدستور باقی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ رخصت میں بھی عموم ہے اور یہ رخصت ایسی نہیں ہے جیسا کہ آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے لئے فرمایا تھا:۔

تجزیك ولن تجزی عن احدا بعدك — تیرے لئے جائز ہے اور تیرے بعد کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

اور جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بارے میں رخصت مرحمت فرمائی:۔

خالصة لك من دون المؤمنين۔ — خالص آپؐ کے لئے نہ کہ دوسرے مومنین کیلئے۔

ایسے ہی ریشم کی حرمت مردوں اور عورتوں کے لئے صرف مصلحت اور ضرورت کے لئے ہے طبی مسئلہ یہ ہے کہ ریشم ایک دوا ہے جو کیڑوں سے حاصل کی جاتی ہے اسی وجہ سے اس کو ادویہ میں شمار کیا ہے کیوں کہ یہ ان دواؤں میں سے ہے جو حیوانات سے حاصل کی جاتی ہے۔ اس کے اندر منافع بہت ہیں۔ قلب کو تقویت دیتا ہے اور بہت سے امراض میں مفید ہے سوداء صفراوی اور گرم امراض کے لئے مفید ہے آنکھ کی روشنی بڑھاتا ہے۔ اگر کچے ریشم کا سرمہ بنایا جائے اور درجہ اول میں حار یابس ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے، حار رطب ہے بعض نے معتدل قرار دیا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیرؓ بن عوام کو لباس حریر کی جو رخصت مرحمت فرمائی تھی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے جوئیں پیدا نہیں ہوتیں کیوں کہ چکناہٹ کی وجہ سے میل جمع نہیں ہوتا اور اگر یہ کہا جائے کہ ریشم کا لباس معتدل ہوتا ہے تو کیوں حرام قرار دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت نے اس کے ترک اور اس پر صبر کا حکم اجر آخرت کیلئے دیا ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ یہ لباس اصلاً عورتوں کے لئے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ سونا اور چاندی عورتوں کے لیے ہے اور مردوں کیلئے عورتوں

سے مشابہت کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فخر اور عُجب کے پیدا ہونے کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کی نرمی کی وجہ سے مزاج میں نسوانیت پیدا ہوتی ہے جو رجولیت کے خلاف ہے۔ اس کے پہننے سے مزاج میں عورتوں جیسی خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں لہذا شارع علیہ السلام کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایسی چیز کا امر فرمائے جس سے مردوں میں نسوانیت پیدا ہو۔ اسی وجہ سے ولی کیلئے حرام ہے کہ وہ لڑکے کو ریشم کا لباس پہنائے۔ امام نسائی نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

میری امت کی عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے ریشم اور سونا حلال قرار دیا ہے۔ اور مردوں کے لیے حرام۔

اور بخاری شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور دیباج پہننے اور اس پر بیٹھنے کے لیے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ کافروں کے لئے دنیا میں ہے اور تمہارے لیے آخرت میں ہے۔

ذاتُ الجنب

ترمذی نے بروایت زید بن ارقمؓ روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

تداووا من ذات الجنب بالقسط البحری والزیت۔	ذات الجنب کا علاج زیت اور قسط بحری سے کرو۔

اطباء کے نزدیک ذات الجنب کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور غیر حقیقی، حقیقی یہ کہ گرم قسم کا ورم پسلیوں کی جھلیوں میں پیدا ہو جاتا ہے اور غیر حقیقی پسلیوں کے اندر کی طرف ریاحی دفعہ ہو جاتا ہے۔ ذات الجنب حقیقی میں پانچ قسم کے امراض اور عارض ہوتے ہیں بخار، کھانسی، درد، تنگی تنفس، اور نبض کا منشاری چلنا۔ حدیث میں اس ذات الجنب کا علاج نہیں ہے بلکہ دوسری قسم کے ذات الجنب کا علاج ہے۔ قسط بحری عودِ ہندی کو کہتے ہیں جو ایک گرم مزاج کی لکڑی ہوتی ہے۔ اس کو باریک

پیس کر زیت میں ملا کر لیپ کیا جائے اور چاٹا بھی جائے۔

ذات الجنب ایک خطرناک قسم کا مرض ہے چنانچہ ام سلمہؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتدا حضرت میمونہؓ کے گھر سے ہوئی۔ جب بھی آپؐ تخفیف محسوس کرتے تو باہر آکر مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھاتے اور جب درد میں شدت ہوتی تو فرماتے، ابوبکرؓ کو امر کرو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ جب مرض میں شدت ہوتی تو آپؐ کی ازواج مطہراتؓ آپؐ کے پاس جمع ہوتیں اور حضرت عباسؓ اور ام الفضل اور اسماء بنت عمیسؓ بھی وہیں تھیں۔ سب نے مشورہ کیا کہ آپؐ کے منہ میں دوا ٹپکائی جائے۔ اس وقت آپؐ منہ ڈھانپے لیٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ دوا ٹپکائی گئی۔ جب آپؐ کو افاقہ ہوا تو دریافت کیا کہ کس نے ایسا کیا ہے چنانچہ ام سلمہؓ اور اسماء بنت عمیسؓ نے عرض کیا: حضور ہم نے ایسا کیا ہے۔ کیوں کہ ہم کو خوف تھا کہ آپؐ کو ذات الجنب ہے۔ آپؐ نے دریافت کیا۔ کیا دوا تھی۔ عرض کیا عود ہندی اور ورس اور روغن زیتون تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے یہ مرض نہ دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ سب گھر والوں کے منہ میں بھی دوا ٹپکائی جائے۔ بجز عباسؓ کے۔

دردِ سر اور شقیقہ

ابن ماجہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جس کی صحت میں تامل ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں جب درد ہوتا تو مہندی کا لیپ سر پر کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا ہے یہ باذن اللہ درد سر کے لئے مفید ہے۔

سر کے کسی حصہ میں درد ہونے کو صداع کہتے ہیں۔ اور اگر کسی ایک جانب ہو تو اس کو شقیقہ کہتے ہیں اور پورے سر میں اگر درد ہو تو اس کو بیضہ یا خودہ کہتے ہیں۔ اس کی بہت قسمیں ہیں اور اس کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ قدرِ مشترک سر میں بخارات رک جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لیکن صداع شقیقہ (آدھا سیسی کا) کا سبب وہ مادہ ہوتا ہے جو سر کی شریانوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ اس مادہ کی بھی مختلف قسمیں ہیں۔ یا تو بخارات ہونگے

یا اخلاط اربعہ میں سے کوئی خلط ہو گی۔ اور کبھی غلبۂ خون کی وجہ سے بھی ہوتا ہے ابو نعیم نے۔ طب نبوی میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی درد سر ہوتا تھا۔ اس وقت آپؐ ایک یا دو دن باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک دن آپؐ نے خطبہ دیا کہ آپؐ کے سر سے پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اور صحیح روایت یہ ہے کہ یہ مرض وفات میں پیش آیا تھا۔

ترمذی میں۔ سلمیٰ رضی اللہ عنہا ام رافع کی روایت ہے کہ جب کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی پھنسی نکلتی یا کانٹا لگتا تو آپؐ اس پر مہندی لگاتے تھے۔ مہندی کے پتوں اور اس کی ٹہنیوں میں ایک خاص قسم کی قوت محللہ (تحلیل کرنے والی) ہے۔ اور پٹھوں کو بھی قوت ملتی ہے۔

پرہیز اور علاج

ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ تم اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتا پلاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث پاک میں بہت سے فوائد موجود ہیں۔ اور خصوصاً اطباء کے لیے اس میں بے شمار فوائد ہیں۔ اور خاص طور سے حدیث پاک کے اس جزو میں بہت لطائف ہیں۔

فان اللہ یطعمھم ویسقیھم - اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتا پلاتا ہے۔

اس کے معنی پر وہی طبیب آگاہ ہو سکتے ہیں جو قلب اور روح سے واقفیت رکھتے ہیں۔

عذرہ کا علاج

(بچوں کا تالو لٹک جانا یا ورم ہو جانا)۔ صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ بہترین علاج پچھنے لگانا اور قسط بحری ہے۔ اپنے بچوں کو (تالو) دبا کر تکلیف نہ دو۔ سنن اور مسند میں ہے کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے اور ان کے پاس ایک بچہ تھا۔ جس کی ناک سے خون جاری تھا۔ آپ نے

دریافت کیا کہ کیا ہے عرض کیا، اس کو مرض عذرہ ہے یا سر میں درد ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ افسوس ہے تم اپنی اولاد کو ہلاک نہ کرو جس کسی عورت کے بچہ ہو اور اس کو یہ تکلیف ہو اس کو چاہیے کہ قسط بحری پانی میں حل کرکے تحنیک کرے (تالو کو لگائے) اور کچھ ناک میں ٹپکائے حضرت عائشہؓ نے اس عورت سے ایسا ہی کہہ دیا۔ اور اس بچہ کو آرام ہوگیا۔

ابو عبیدہ نے کہا ہے یہ مرض بچہ کے حلق میں ایک قسم کا خونی ورم ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عذرہ، ایک قسم کا پھوڑا ہوتا ہے جو کان اور حلق کے درمیان نکلتا ہے۔ اور اکثر بچوں کے پیدا ہوجاتا ہے۔ عرب میں اس کا علاج دبا کر کیا جاتا تھا جس سے آپؐ نے منع فرمادیا ہے۔ اور ایک آسان اور نافع علاج ارشاد فرمادیا۔

دل کا علاج

سنن ابوداؤد میں حضرت سعیدؓ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیمار ہوا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے کو تشریف لائے۔ اور آپؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا کہ اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل پر محسوس کی اور آپؐ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کی۔ سات عجوہ کھجوریں لاؤ اور اس کی گٹھلی نکال کر اس کو منہ میں رکھ کر چوسو۔

مدینہ منورہ کی عجوہ کھجوریں اختلاج قلب کے لیے مفید ہیں اور سات کی تعداد یہ وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہے۔ صحیحین میں ایک دوسری حدیث ہے۔ جس میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو صبح ہوتے ہی سات کھجوریں کھائے گا اس پر جادو اثر نہ کرے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ صبح کو کھانے سے شام تک زہر سے نقصان نہ ہوگا۔

سات کی تعداد کے بارے میں یہ ہے کہ اس عدد کو ایک خصوصیت حاصل ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان بنائے۔ سات زمینیں بنائیں اور سات دن بنائے اور انسان کی خلقت سات مرحلوں میں پوری کی۔ اور سات طواف اور سات سعی مقرر فرمائیں۔ سات مرتبہ رمی کا حکم دیا۔ اور سات تکبیرات عیدین کی پہلی رکعت میں

مقرر فرمائیں۔ اور آپؐ نے ارشاد فرمایا جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم کرو۔ اور جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو باپ کو اختیار ہے کہ وہ اس کی ماں سے حاصل کر سکتا ہے (یعنی حقِ حضانت) اور اپنے مرض وفات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مشکیزے پانی اپنے اوپر بہانے کا حکم دیا۔ قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے سات دن تک ہوا کو مسلط رکھا۔ اور حضورؐ نے اپنی قوم کیلئے دعا کی: اللہ تعالیٰ آپؐ کی قوم پر سات سال ایسے مسلط فرمائے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے صدقہ کے بارے میں ذکر فرمایا ہے "سبع سنابل" اور صدقہ کو سات سو تک بڑھا کر اجر کا وعدہ کیا ہے۔ اور یہ امت جنت میں ستر ہزار کی تعداد میں بلا حساب داخل ہوگی۔ بہر حال سات کی گنتی کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے کہ دوسری گنتی کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔

اطباء نے بھی سات کے عدد کو خاص اہمیت دی ہے۔ بقراط نے کہا ہے اس عالم کے سات اجزاء ہیں۔ سات ستارے ہیں۔ انسان کی عمر کے بھی سات دور ہیں۔ اسکے علاوہ سحر میں کھجور کا نافع ہونا یہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ اگر کسی طبیب کا ہوتا تو اطباء اسکو شوق سے قبول کرتے اگرچہ وہ ظن اور تخمینہ ہی سے بتلاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ زہر کو مارنے والی دوائیں کبھی کیفیت کے اعتبار سے نافع ہوتی ہیں اور کبھی خاصیت کے اعتبار سے نافع ہوتی ہیں جیسا کہ بہت سے پتھروں کے اندر خواص ہیں مثلاً یا قوت وغیرہ۔ کھجور کے نافع ہونے میں بھی اعتقاد کو بڑا دخل ہے۔ کیوں کہ اعتقاد سے طبیعت کو تقویت حاصل ہوتی ہے، چنانچہ بہت سے علاج محض اعتقاد ہی کے ذریعہ ہوتے ہیں اور نفع ہو جاتا ہے۔

اصلاحِ غذا

صحیحین میں عبد اللہ بن جعفر روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ "رطب کو ککڑی کے

ساتھ تناول فرما رہے ہیں۔ معلوم رہے کہ۔ رطب درجۂ کی گرم و تر ہے معدہ کو قوت دیتی ہے اس کی اصلاح برودت سے فرمائی ہے۔ ککڑی پیاس کو دور کرتی ہے اندر حرارت کو توڑتی ہے۔

ابن ماجہ میں حضرت صہیبؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے روٹی اور چھوہارے رکھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا، قریب ہو کر کھاؤ۔ میں نے چھوہارہ اٹھا کر کھا لیا۔ آپؐ نے فرمایا تم چھوہارہ کھاتے ہو حالاں کہ تمہاری آنکھ دکھ رہی ہے۔ عرض کیا، حضور، میں دوسری طرف سے کھا رہا ہوں۔ آپؐ مسکرا دیئے۔ ایک محفوظ حدیث میں ہے:۔

ان اللہ اذا احب عبدًا	جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو
حماہٗ من الدنیا کما یحمی	اس کو دنیا سے ایسا ہی بچاتا ہے جیسا
احدکم مریضہٗ عن الطعام	کہ تم اپنے مریض کو کھانے اور پینے سے
والشراب۔	بچاتے ہو۔

وہ حدیث جو لوگوں کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے کہ:۔

الحمیۃ راس الدواء	پرہیز دوا کی اصل ہے اور معدہ بیماریوں
والمعدۃ بیت الداء۔	کا گھر ہے۔

یہ حدیث نہیں ہے بلکہ عربی طبیب حارث بن کلدہ کا قول ہے۔ اس کا رفع درست نہیں ہے۔ یہی بات بہت سے ائمہ حدیث نے فرمائی ہے آپؐ نے تو یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

المعدۃ حوض البدن والعروق	معدہ بدن کا حوض ہے اور اس کی
الیھا واردۃ واذا اصحت المعدۃ	طرف رگیں جاتی ہیں جب معدہ تندرست
صدرت العروق بالصحۃ واذا	ہوتا ہے تو رگیں صحت کے ساتھ جاری ہوتی
سقمت المعدۃ صدرت العروق	ہیں اور جب معدہ بیمار ہوتا ہے تو

بالسقم - بیماری لیکر نکلتی ہیں۔

اور حارث بن کلدہ نے کہا ہے کہ پرہیز علاج کی اصل ہے۔

آشوبِ چشم

آپ نے حضرت صہیب رضی کو آنکھ دکھنے کی حالت میں تمر کھانے سے منع فرمایا تھا اور ایسے ہی حضرت علی رضی کو رطب کھانے سے منع فرمایا تھا۔ اور ابونعیم نے طبِ نبوی میں ذکر کیا ہے کہ جب آپ کی ازواج میں سے کسی کی آنکھ دکھتی تو آپ اس سے قربت نہیں فرماتے تھے۔ چونکہ آنکھ حرارت کی وجہ سے دکھتی ہے اس وجہ سے حرکت جماع مضر ہے۔ اسی وجہ سے بقراط نے کتاب الفصول میں کشتی پر سوار ہونے سے منع کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی اہلیہ کی آنکھ دکھ رہی تھی تو انھوں نے فرمایا اگر تو ایسا ہی کرتی جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے تو زیادہ مناسب اور بہتر تھا۔ وہ یہ کہ اپنی آنکھ کو پانی کے چھینٹے دے۔ اور یہ پڑھ:

اذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ لَا یُغَادِرُ سُقْمًا۔

یہ گذر چکا ہے کہ پانی کے ذریعہ علاج بعض ملکوں میں اور بعض امراضِ معین کے لیے مخصوص ہے۔ اس لیے کلام النبوۃ کو علاج کلی نہ سمجھنا چاہیئے۔

علاجِ خدر

یہ بدن میں ایک قسم کا جمود ہو جاتا ہے۔ ابوعبیدہ نے غرائب الحدیث میں ذکر کیا ہے کہ ایک قوم ایک پیڑ کے قریب سے گذری اور اس کے پھل یا پتے توڑ کر انھوں نے کھائے تو ان کو خدر ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان کو پانی میں بٹھاؤ اور اذان فجر کے وقت ان پر پانی ڈالو۔

بعض اطباء نے کہا ہے کہ یہ بہت بہترین علاج ہے خاص طور سے حجاز کے لئے کیونکہ وہ گرم اور خشک ملک ہے۔

اصلاحِ طعام

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی کی روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

جب تمہارے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دیکر نکال دو۔ کیوں کہ اس کے ایک پر میں مرض ہے اور دوسرے میں شفا ہے۔ اور ابن ماجہ میں ہے کہ اس کے ایک پر میں زہر ہے اور دوسرے میں شفاء ہے۔ جب وہ کھانے میں گر پڑے تو اس کو غوطہ دو کیوں کہ وہ سب سے پہلے زہریلے پر کو ڈالتی ہے۔

اس حدیث میں دو چیزیں ہیں: ایک کا تعلق فقہ سے ہے اور دوسری کا طب سے فقہ تو یہ ہے کہ مکھی پانی میں جب مر جائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ اور اسلاف سے اس کے خلاف منقول نہیں ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ آپؐ نے مکھی کو ڈبونے کا امر فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس سے مکھی مر جائے گی خصوصاً گرم کھانے میں۔ اگر اس سے کھانا ناپاک ہو جاتا تو آپؐ فساد طعام کا حکم فرماتے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ اس سے کھانے کی اصلاح ہو جائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن جانوروں میں خون نہیں ہے اگر وہ پانی میں گر کر مر جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

اور طب کے بارے میں ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ مکھی کو غوطہ دینا چاہیئے تاکہ اس چیز سے شفاء پیدا ہو جیسا کہ مکھی کے گرنے سے بیماری پیدا ہو گئی تھی۔ معلوم رہنا چاہیئے کہ مکھی میں ایک قسم کی سمیت ہے۔ کیوں کہ اس کے کاٹنے سے ورم اور خارش پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا کہ اس کے دوسرے پر میں جو خاصیت اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے اس کو غوطہ دے کر حاصل کیا جائے یہ وہ طب ہے کہ بڑے بڑے اطباء اس پر آگاہ نہیں ہو سکے ہیں۔

پھنسیوں کا علاج

ابن سنی نے اپنی کتاب میں بعض ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ان کی انگلی میں ایک پھنسی نکلی ہوئی تھی تو آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس زریرہ ہے عرض کیا ہاں ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو اس کو اس پھنسی پر رکھ دو اور یہ پڑھو!

اَللّٰھُمَّ مُصَغِّرَ الْکَبِیْرِ وَمُکَبِّرَ الصَّغِیْرِ صَغِّرْ ھَا۔ اے اللہ بڑے کو چھوٹا کرنیوالا اور چھوٹے کو بڑا کرنیوالا اسکو چھوٹا کر دے۔

زریرہ ایک ہندی دوا ہے حار یابس ہوتی ہے۔ اور ورم معدہ، جگر، استسقاء کو مفید ہے۔ قلب کو قوت دیتی ہے خوشبودار ہوتی ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: آپؐ نے حجۃ الوداع میں میرے پاس سے زریرہ لیکر بطور خوشبو استعمال کیا۔ صاحب قانون نے کہا ہے حرقت ناری کے لیے زریرہ سے بہتر کوئی دوا نہیں۔

علاج ورم

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں آپؐ کے ساتھ ایک آدمی کی عیادت کو گیا۔ ان کی کمر میں ورم تھا۔ آپ نے فرمایا: اس کا علاج کرو۔ عرض کیا گیا۔ کیا اس کا علاج ہو سکتا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے مرض اتارا ہے اس نے شفاء بھی اتاری ہے۔

زہر کا علاج

خیبر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آمیز بھنی ہوئی بکری کا گوشت پیش کیا گیا۔ آپؐ نے بھی اور صحابہؓ نے بھی اس میں سے کچھ چکھا پھر فوراً ہی رک گئے الخ۔

اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور اپنے صحابہؓ کو بھی امر فرمایا۔ اور بعض صحابہؓ کا فوراً ہی انتقال ہو گیا تھا اور اپنے مرض وفات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

خیبر میں جو گوشت میں نے کھایا تھا میں آج اس کی تکلیف محسوس کر رہا ہوں کہ میری رگیں پھٹی جا رہی ہیں۔

موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ زہر کا علاج استفراغات سے ہونا چاہیئے۔ اور ان ادویہ سے ہونا چاہیئے جو کیفیت اور خاصیت کے اعتبار سے زہر کے خلاف ہوں۔ خاص طور سے سینگی لگوانا بہت مفید ہے۔

سحر کا علاج

ایک یہودیہ عورت نے آپؐ پر سحر کرا دیا تھا۔ بعض حضرات نے اس کا انکار

کیا ہے۔ اور اسکو عیب قرار دیا ہے۔ یہ بات غلط ہے بلکہ سحر بھی ان ہی امراض میں سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عارض ہوئے تھے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ آپؐ پر سحر کرادیا گیا۔ اس وقت آپؐ اپنی ازواج کے پاس آنے کا ارادہ فرماتے لیکن نہیں آپاتے تھے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ سحر بھی ایک قسم کا مرض ہے۔ اس سے آپؐ کی نبوت پر کوئی اعتراض واقع نہیں ہو سکتا۔ اور جو بات حضرت عائشہؓ کی روایت سے ثابت ہے اس سے عصمت انبیاء پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ ضرور تھا جو امور دنیا پر واقع ہوتا ہے اور امور دنیا کے لیے آپؐ مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ (اس سے امور آخرت پر کوئی خلل واقع نہیں ہوا)

اس مرض کے علاج کے سلسلہ میں آپؐ سے دو قسم کا علاج منقول ہے۔ ایک تو سحر کا توڑ اور دوسرے دماغ کا تنقیہ کیوں کہ اکثر دماغ ہی سحر کا اثر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ایک امر طبعی ہے جو انسانی طباع پر واقع ہوتا ہے۔ اور اخلاط میں ہیجان پیدا کر دیتا ہے چنانچہ جب آپؐ پر سحر کرایا گیا تھا تو آپؐ نے پچھنے لگوائے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ سحر اور حجامت میں کیا ربط ہے تو بقراط یا ابن سینا نے بھی یہی کہا ہے جس کو اطباء نے بھی قبول کیا ہے۔

معلوم ہونا چاہیئے کہ حضورؐ کو سحر کرایا گیا تھا اس کا اثر دماغ پر ہوا تھا۔ اور ساحر مادہ دمویہ اور طبیعت پر اثر انداز ہوتا ہے جو ارواح خبیثہ کے اثرات سے ہوتا ہے۔

سحر کے علاج کے لیے علاج الہی بہت موثر ہے مثلاً: اذکار اور دعائیں وغیرہ۔

طبیبِ حاذق

مؤطا، امام مالک میں زیدؓ بن اسلم کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدمی کے زخم آیا اور خون منجمد ہو گیا۔ ایک آدمی دو معالجوں کو بلا کر لایا تو آپؐ نے دریافت کیا کہ تم میں کون زیادہ طبیب ہے؟۔

اس روایت سے ثابت ہے کہ علاج حاذق طبیب سے کرانا چاہیئے یہی مستفتی کے بارے

نہیں ہے کہ وہ اعلم کو تلاش کرے۔ ایسے ہی اس آدمی کو ہدایت ہے کہ جس پر قبلہ مشتبہ ہوگیا ہو کہ وہ معتبر آدمی سے دریافت کرے۔

ہلال بن یساف رحمۃ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپؐ نے فرمایا: اس کو کسی طبیب کے پاس لے جاؤ۔ کسی نے کہا۔ آپ بھی طبیب کے پاس بھیجنے کا مشورہ دیتے ہیں آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی مرض بھی ایسا پیدا نہیں کیا جس کی دوا نہ اتاری ہو۔ اور ایسے ہی صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رض کی روایت ہے اور یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ اور اس حدیث میں دوا سے مراد علم ادویہ ہے اور بعض نے کہا ہے اس سے مراد فرشتوں کے ذریعہ دوا کا الہام کرنا ہے کیونکہ تمام عالم پر فرشتے موکل ہیں۔ اور نوع انسان پر جب سے وہ رحم مادر میں داخل ہوتا ہے اور مرتے دم تک فرشتے اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے دوا بارش کے ساتھ نازل ہوتی ہے دیکھو کہ بارش نباتات کے اگنے کا سبب ہے)

طبیب جاہل

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے:-

من یطیب الناس ولم یعلم منہ الطب قبل ذلک فھو ضامن۔

جس نے لوگوں کا علاج کیا اور اس کو اس سے قبل علم نہیں تھا وہ ضامن ہے

اس حدیث سے متعلق تین چیزیں ہیں: لغت۔ فقہ۔ طب، لغوی معنی ہیں: اصلاح کرنا اور یہی معنی حذق کے ہیں۔ ہر طبیب حاذق ہوتا ہے اور ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ اصل طب کی حذق ہے اور مہارت ہے۔ کہا جاتا ہے: رجل طبیب، ای حاذق۔ اور طب کے معنی عادت، اور سحر بھی آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: رجل مطبوب ای مسحور۔ حدیث عائشہ رض سے بھی یہی ثابت ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: مطبوب، مسحور کو کنایۃً کہتے ہیں۔

دوسری بات امر شرعی ہے یعنی ضمان کا واجب ہونا ہے۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

خطابی نے کہا ہے کہ مجھے اس کے خلاف کا علم نہیں ہے۔ اس پر دیت ادا کرنا واجب ہوگی۔ اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

امراضِ متعدی

صحیح مسلم میں ہے: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وفد ثقیف میں ایک مجذوم تھا۔ وہ بھی حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اس کو واپس کر دیا اور فرما دیا جاؤ۔ ہم نے تم کو بیعت کر لیا۔ اور بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مجذوم سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو۔ اور سنن ابن ماجہ میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجذوم کو دیکھ تو لیتے تھے مگر چھوتے نہیں تھے۔ اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مجذوم سے بقدر ایک نیزہ یا دو نیزہ کے فاصلے سے بات کرو۔

غرض کہ جذام نہایت ردی قسم کا مرض ہے جو مرۂ سوداء سے پیدا ہوتا ہے اور مزاج اعضا کو خراب کر دیتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر شفقت کی وجہ سے ان اسباب سے بھی منع فرمایا جن سے اجسام کی طرف کوئی عیب منتقل ہو سکتا ہو کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جسم میں اس قسم کے اسباب قبول کر لینے کے لئے آمادگی موجود ہوتی ہے (اور وہ معیوب ہو جاتے ہیں)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک عورت سے نکاح کیا جب اسکے ساتھ جماع کا ارادہ کیا تو آپ نے دیکھا کہ اس کی ران پر سفید داغ ہے تو آپ نے فرما دیا: تم اپنے قبیلہ کے پاس چلی جاؤ اور اس کو چھوڑ دیا۔

علماء کی دوسری جماعت نے کہا کہ یہ احادیث بعض دوسری احادیث کے معارض ہیں چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجذوم کا ہاتھ پکڑا اور پیالہ میں داخل کیا۔ اور فرمایا "بسم اللہ کھاؤ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے۔ لاعدوی ولا طیرۃ۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتے ہیں کہ ان احادیث میں تعارض نہیں ہے۔ کیوں کہ ان

دونوں میں سے ایک. کلام نبوت میں سے نہیں ہے بلکہ بعض راویوں سے غلطی ہو گئی ہے اور ثقہ آدمی سے بھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے. یا یہ کہا جائے کہ ایک حدیث دوسری کی ناسخ ہے. لیکن یہ بات کہ احادیث صحیح بھی ہوں اور ایک دوسرے کے معارض ہوں یہ ممکن نہیں ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ فہم مراد میں ہم سے قصور ہو رہا ہے۔

ابن قتیبہ نے اختلاف حدیث میں بیان کیا ہے۔ یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ ہر حدیث کا ایک وقت اور محل ہے۔ جب اسکو اس کے محل پر رکھا جائے گا تو وہ تعارض ختم ہو جائیگا عدوی یعنی تعدی امراض کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو مجذوم ہے کہ جو اس کے ساتھ زیادہ عرصہ ہم مجلس ہو جیسا کہ اس کی بیوی۔ تو اس کو یہ مرض لگ جائے گا اور وہ بھی مجذوم ہو جائے گی۔ اور ایسے ہی اس سے بچے پیدا ہوں گے۔ ایسے ہی سل اور دق کا مرض ہے کہ ان سے ہوا متغیر ہو جاتی ہے۔ اور بیماری دوسری طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ یہی حال خارش کا ہے۔

متعدی مرض کی دوسری قسم طاعون ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: جس شہر میں طاعون ہو اس میں نہ داخل ہو۔ اور اگر تم اس میں ہو تو اس سے نہ نکلو۔ بہر حال مجذوم سے علیحدہ رہنا امر مستحب ہے۔ لیکن آپؐ کا اس کے ساتھ کھانا یہ امر جواز پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح آپؐ نے دونوں آدمیوں کے لیے تعلیم فرمادی جن کا ایمان کمزور ہے اور جن کا ایمان قوی ہے اور کتاب "المفتاح" میں ہم نے اس مسئلہ میں کلام اور زیادہ مکمل کیا ہے۔

حرام ادویہ

ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا تداووا بالمحرم — حرام کے ذریعہ علاج نہ کرو۔

اور صحیحین میں ابن مسعودؓ کی روایت ہے:۔

ان اللہ لم یجعل شفآء کم فی الحرام۔ — اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حرام میں شفا نہیں رکھی ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا سے علاج کو منع فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے منع فرمادیا۔ سائل نے کہا ہے کہ میں تو اس کو دوا کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: وہ تو ایک مرض ہے بہر حال حرام اشیاء سے علاج عقلاً اور شرعاً دونوں طرح برا ہے۔

سر میں جوئیں ہونا صحیحین میں کعب بن عجرہؓ کی روایت ہے کہ میرے سر میں جوئیں ہوگئی تھیں۔ میں حضورؐ کی خدمت میں آیا اور سر سے جوئیں جھڑ رہی تھیں آپؐ نے سر مونڈوانے کو فرمایا؛ اور فرمایا: ایک فرق طعام چھ مسکینوں کو دے دو۔ یا بکری کو ہدی بنا دو۔ یا تین دن کے روزے رکھو[۱]

جوئیں سر میں دو طرح پیدا ہوتی ہیں ایک وجہ خارجی ہے یعنی میل وغیرہ جمع ہو جانا دوسری وجہ داخلی ہے کہ ردی قسم کی خلط جسم میں پیدا ہو گئی ہو اس کی وجہ سے جوئیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اکثر بیماری کے بعد ایسا ہوتا ہے[۲] اور میل کی وجہ سے بچوں کے جسم میں ہو جاتی ہیں۔ بہر حال اس کا علاج آپؐ نے سر مونڈنا قرار دیا ہے۔

یاد رہے سر مونڈنا تین قسم کا ہے۔ (۱) نسک یعنی حج میں اگر ہے تو قربت اور عبادت ہے۔ (۲) بدعت اور شرک (۳) دوا۔ پہلی قسم حج اور عمرے میں ہوتی ہے اور دوسری قسم غیر اللہ کے لئے سر کو مونڈنا ہے۔ جیسا کہ مریدین کو بیعت کرنے کے لیے پیر

---

[۱] یہ حالتِ احرام کا واقعہ ہے۔ [۲] حالتِ مرض میں ردی قسم کی اخلاط پسینہ کے ذریعہ باہر نکلتے ہیں اور جسم کی ظاہری سطح پر جم جاتے ہیں۔ اور اس سے پھر جوئیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

لوگ مونڈوایا کرتے ہیں[1] کہا جاتا ہے: میں نے فلاں کے لیے سر منڈوایا، یہ ایسا ہی ہے کہ میں نے فلاں کے لیے سجدہ کیا۔ کیوں کہ سر منڈوانے میں ایک قسم کی ذلت اور خضوع پایا جاتا ہے، اسی وجہ سے یہ ارکان حج میں سے ہے۔ چنانچہ عرب جب کسی قیدی کو ذلیل کرتے تو اس کا سر مونڈ دیتے تھے۔ اور اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ گمراہ قسم کے پیروں نے (جن کی پیری کی بنیاد شرک اور بدعت پر ہوتی ہے) انھوں نے مریدوں سے اپنی تعظیم کرانے کے لیے ان کی یہ ہئیت بنا دی ہے، وہ اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے شیخ کے سامنے سر رکھ دیا۔ اور اس کی تابع داری اختیار کر لی۔ اور نذرانے وصول کرنے شروع کر دیئے، اور اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ بن گئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔	کسی انسان کو جس کو کتاب، حکمت اور نبوت دی گئی ہو یہ مناسب نہیں ہے کہ لوگوں سے کہے کہ میرے بندے ہو جاؤ، اللہ کو چھوڑ کر لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں۔ اللہ والے ہو جاؤ۔ جو تم پڑھتے اور جو تم پڑھاتے ہو۔

یاد رہے سب سے اعلیٰ درجہ کی عبادت نماز ہے۔ اس کی مختلف چیزوں کو گمراہ پیروں اور علماءِ سوء اور حکام نے اختیار کر لیا ہے یعنی، صرف سجدہ یا رکوع یا قیام، پیروں نے تو سجدہ اختیار کر لیا۔ اور علمائے سوء نے رکوع اختیار کر لیا ہے۔ اور حکام نے قیام اختیار کر لیا ہے، چنانچہ علماء سوء جب بعض بعض سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کے لیے جھک جاتے

[1] صوفیاء کے یہاں ملامتیہ فرقہ کا یہی حال ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے زمانہ میں بھی اس قسم کے پیر تھے۔ ہندوستان میں سادھوؤں کا ایک گروہ اسی قبیل سے ہے بعض مزار پرست بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ہیں۔ اور حکام کے گرد لونڈی غلاموں کی طرح ہوتے ہیں۔ اور وہ خود بیٹھے رہتے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ سجدے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

لا ینبغی لاحد ان یسجد لاحد۔ — کسی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کسی دوسرے کے لیے سجدہ کرے۔

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سجدہ کرنے سے منع فرمایا: اور صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ سے ملاقات کے بارے میں دریافت کیا گیا کیا آنے والے کے لیے جھکا جائے، فرمایا! نہیں، بلکہ فرمایا بلکہ اس سے مصافحہ کیا جائے۔ پس سلام کرکے جھکنا بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا۔ — دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو۔

یعنی جھک کر اور قیام سے بھی منع فرمایا ہے کہ خود بیٹھے ہوئے ہوں اور دوسرے کھڑے ہوئے ہوں۔ نماز میں یہی ہے؟۔ جب امام بیٹھ کر پڑھے تم بھی بیٹھ کر پڑھو!" بہرحال سر مونڈ والے کے بارے میں آپ کی سیرت مبارکہ یہ ہے۔ جس پر ذرا تفصیلی کلام ہو گیا ہے[1]

[1] اللہ تعالیٰ علامہ ابن قیم اور ابن تیمیہؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ وہ جب رد بدعت پر کلام کرتے ہیں تو بدعت کی اور پیروں کی اور علماء سوء کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ گروہ ان دونوں سے ناراض رہتا ہے۔ قاعدہ کلیہ کے طور پر کہتا ہوں کہ جن حضرات کو آپ دیکھیں کہ وہ ان دونوں حضرات کے شدت سے مخالف ہیں، یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ یا تو پیر ہیں یا علماء سوء ہی سے ہیں۔

۵۳ واں باب

امراض کا روحانی علاج

نظر لگنے کا علاج

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

العین حق ولو کان شئ سابق	نظر لگنا حق ہے اگر کوئی چیز قدر سے
القدر لسبقته العین۔	سبقت کرتی تو وہ نظر ہوتی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نظر لگانے والے کو وضو کراتے اور اس کے بعد اس آدمی کو حکم فرماتے جس کو نظر لگی ہوتی کہ اس سے غسل کرے۔ حضرت عائشہؓ یہ بھی فرماتی ہیں کہ مجھے نظر کے رقیہ کا حکم فرمایا۔ حضرتِ اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آپؐ سے عرض کیا کہ میرے بچوں کو نظر لگ جاتی ہے۔ کیا میں ان پر کچھ پڑھکر دم کر دوں؟ آپنے فرمایا: ہاں دم کر دو۔ اگر کوئی چیز قضاء الٰہی سے سبقت کر سکتی تو وہ نظر ہوتی۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام مالک نے روایت کیا ہے کہ عامر بن ربیعہ نے سہل بن حنیف کو غسل کرتے دیکھا اور کہا کہ میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا اس کی جلد کتنی حسین ہے۔ وہ فوراً ہی گر پڑے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عامر کے پاس پہنچے اور ان پر بہت غصہ ہوئے۔ اور فرمایا: آگاہ رہو تم میں سے اگر کسی کی نظر اپنے بھائی کو

لگ جائے تو اس کو غسل کرایا جائے، چنانچہ آپؐ نے عامر کے ہاتھ پیر، منہ دھلائے، وہ حصہ دھلایا جو ازار کے اندر ہے اور اس پانی کو دوسرے آدمی پر بہایا جس کو نظر لگی تھی۔ چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ شام کے وقت وہ سب لوگوں کے ساتھ چل پھر رہا تھا۔

ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی کو دیکھ کر فرمایا: اس کو نظر لگی ہے۔ جیسن ابن مسعود نے کہا ہے "سعفتہ" "آسیب زدہ ہونا" کو کہتے ہیں۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

العین لتدخل الرجل القبر	نظر آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو
والجمل القدر۔	ہانڈی میں داخل کر دیتی ہے۔

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ صرف "اوہام" ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ مگر یہ لوگ بہت جاہل ہیں۔ جو ارواح اور ان کی تاثیرات سے ناواقف ہیں۔ عقلاء کا کہنا ہے کہ نظر ایک حقیقت ہے اگرچہ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نظر والے کی آنکھ سے قوت سمیّہ نکلتی ہے جو دوسرے کے جسم میں سرایت کر جاتی ہے جیساکہ بعض سانپ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی نظر میں بہت قوت سمیّہ ہوتی ہے۔ اور بلاشک اللہ تعالیٰ نے اجسام اور ارواح میں ایک خاص قوت اور تاثیر پیدا کی ہے جو مشاہد ہے اور ہر ایک چیز کو خواص اور کیفیات موثرہ عطا فرمائی ہیں جس سے عاقل انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً: کبھی چہرہ حیا اور غصہ کی وجہ سے سرخ ہو جاتا ہے اور کبھی خوف کی وجہ سے زرد ہو جاتا ہے۔ یہ سب تاثرات روحانی ہیں ایسے ہی حاسد کی نظر موذی ہوتی ہے۔ جس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے۔

علاج نبوت میں اس کی دو مثالیں ہیں ایک تو گذر چکی ہے اور دوسری مثال کثرت سے تعوذات پڑھنا مثلاً: معوذتین۔ سورۂ فاتحہ۔ آیۃ الکرسی۔ اور وہ معوذات جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں مثلاً:۔

۱- أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

۲- أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔

۳- أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْأَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِلَّا طَوَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ۔

(ان کے علاوہ علامہ نے اور بہت سے معوذات نقل فرمائے ہیں۔) ان کے بعد فرمایا: یہ تمام معوذات اور دعائیں اور ان کا نفع معلوم ہے کہ نظر کے اثر سے حفاظت ہوتی ہے۔ ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ وہ جب کوئی اچھی چیز دیکھتے یا باغ میں داخل ہوتے تو پڑھتے: مَا شَاءَ اللهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

رقیہ جبرئیلؑ یہ رقیہ جبرئیل علیہ السلام نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا تھا۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے:۔

بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللهُ يَشْفِيكَ بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ۔

کتابتِ تعویذ اسلاف کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ قرآن پاک کی آیات میں سے کتابت کرنا اور مریض کو دھو کر پلانا جائز ہے[1]۔ ایسے ہی ابی قلابہ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ایک عورت کو امر فرمایا: اس کے بچہ بہت سختی کے ساتھ پیدا ہوتا تھا، کہ قرآن پاک کی کوئی آیت کتابت کی جائے اور اس کو دھو کر پیا جائے۔ ایوب نے کہا ہے کہ میں نے ابو قلابہ کو دیکھا کہ انہوں نے قرآن پاک کی آیت کو لکھا اور اس مریض کو

[1] ہمارے ہندوستان میں تعویذ گنڈے کرنے والے۔ اعداد کے ساتھ نقش لکھا کرتے ہیں۔ اب تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ اعداد کے ساتھ نقش لکھنے کی اصل کیا ہے؟۔

پلایا جس کے درد تھا۔

نبوی علاج کے اسرار

گذشتہ حدیث میں ہاتھ پیر اور عضو مخصوص (داخل ازار) دھونے کا حکم ہے۔ اس میں دو قول ہیں: ایک تو یہ کہ اس سے مراد فرج ہے دوسرے یہ کہ ازار کے اندر کی جانب مراد ہے غرض کہ اس پانی کو دھو کے ہیں اس کے اوپر بہا دینا چاہئے جس کو نظر لگی ہے۔ علاج کی یہ وہ قسم ہے کہ جس کی حقیقت کو اطباء نہیں پہنچ سکتے۔ اس علاج سے ان لوگوں کو کچھ نفع نہ ہوگا جو منکر ہیں اور اس پر اعتقاد نہیں رکھتے۔ لیکن اس علاج کے فائدہ کا عقول صحیح مشاہدہ کرتی ہیں۔

اب جاننا چاہئے کہ سانپ کے زہر کا علاج تریاق ہے اس کا اثر گوشت میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی جس آدمی کو غصہ آرہا ہو اس کے اوپر ہاتھ رکھ دو تو اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ ایسے ہی اس آدمی کا معاملہ ہے جس کی نظر لگتی ہے۔ اگر اس کو یہ کہہ دیا جائے "اللھم بارک علیہ" تو نظر زدہ سے یہ کیفیت خبیثہ دور ہو جاتی ہے اور یہ ایک قسم کا اس پر احسان ہے۔ یاد رہے علاج کا بالضد ہوتا ہے۔ نظر کی کیفیت ان لوگوں پر جلد ظاہر ہوتی ہے جو طبیعت کے اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں۔

داخل ازار سے مراد اگر فرج ہے تو اس کے دھونے سے اس کی کیفیت اور اثر دور ہو جائے گا کیوں کہ یہ جگہ ارواح خبیثہ شیطانیہ کی جگہ ہے۔ اس کے دھونے سے یہ کیفیت ناریہ خبیثہ دور ہو جائے گی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی کو سانپ کاٹ لے اور فوراً سانپ کو مار دیا جائے تو جس کو سانپ نے کاٹا ہے اس پر سے زہر کا اثر کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور اس کو راحت ملنے لگتی ہے۔ اور اس کی طبیعت کو تقویت حاصل ہوتی ہے ایسے ہی نظر کا معاملہ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ہاتھ منہ وغیرہ دھلانے میں تو مناسبت ظاہر ہو گئی لیکن اس پانی

کو جس کو نظر لگی ہے اس پر بہانے کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس کی وجہ اور مناسبت ظاہر ہے کیوں کہ یہ وہ پانی ہے جس سے وہ کیفیت خبیثہ دھلی تھی۔ اور اس کا اثر زائل ہوا تھا۔ پس جس طرح اس کا اثر فاعل سے دور ہوا اسی طرح سے مفعول سے دور ہوگا۔[1]

نظر کا دوسرا علاج

جس آدمی کو نظر کا اندیشہ ہو اس کو اپنے محاسن[2] کو بطرح چھپائے رکھنا چاہیے۔ علامہ بغوی نے کتاب السنۃ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک خوبصورت بچہ دیکھا تو فرمایا: اس کی ٹھوڑی پر سیاہی لگا دو یا نونتہ (تھوڑی کے گڑھے ذقن کو کہتے ہیں) اور (دسومت) سیاہی کو کہتے ہیں۔ علامہ خطابی نے ایک غریب حدیث عثمانؓ کے بارے میں اسی طرح روایت کی ہے۔ اور اسی قسم کی حدیث حضرت عائشہؓ نے بھی روایت کی ہے کہ:

خطب ذٰلک یوم وعلی راسہ عمامۃ سوداء۔ — آپؐ نے اس دن خطبہ دیا اور آپؐ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ سیاہ نشان لگانا چاہیئے۔

ابو عبداللہ التیاحی نے ذکر کیا ہے کہ میں ایک سفر میں تھا۔ اس میں ایک اونٹنی

---

[1] علامہ نے نظر اور ارواح خبیثہ کے اثرات کی متعدد مثالیں دی ہیں۔ موجودہ زمانہ میں اس کی اور زیادہ واضح مثالیں ہو سکتی ہیں تاروں کے ذریعہ برقی قوت کے اثرات کتنے واضح ہیں۔ اسی طرح نظر اور ارواح خبیثہ کے اثرات ان پر جلد ہونے لگتے ہیں جن کا خون اور طبیعت کمزور ہے۔ کمزور دل آدمی محض ذرا سے تصور سے گھبرا جاتے ہیں۔ اسی طرح نظر اور ارواح خبیثہ کی برقی تاثیر کا علاج ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ ذرا سی سوکھی لکڑی سے برقی قوت ختم ہو جاتی ہے اور اثر نہیں کرتی۔ اسی طرح سے کلمات طیبات سے نظر اور ارواح خبیثہ کے اثرات دور ہو جاتے ہیں۔ [2] مراد جسمانی خوبصورتی۔

بہت تیز رو تھی۔ اتفاق سے اس قافلہ میں ایک آدمی تھا کہ جس کی نظر جلد لگ جاتی تھی۔ وہ جس چیز کو بھی دیکھتا وہ ہلاک ہو جاتی تھی میں نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ اونٹنی کو اس سے بچانا۔ بہر حال اس آدمی کی نظر لگ گئی۔ اور اونٹنی بیہوش ہو کر گر پڑی مجھے بلایا گیا تو میں نے یہ دعا پڑھی:۔

بسم اللہ حبسٌ حابسٍ وحجر یابسٍ وشھابٌ قابسٍ ردت عینُ العائن علیہ واحب الناس الیہ فارجع البصر ھل تریٰ من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصرُ وھو خاسئًا وھو حسیر۔

چنانچہ اونٹنی سے نظر دُور ہو گئی اور وہ فوراً ہی کھڑی ہو گئی۔

ہر ایک مرض کا علاج

ابو داؤدؒ نے حضرت ابو درداءؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی بیمار ہو تو اس کو یہ دعا پڑھنی چاہیئے:۔

رَبُّنَا اللّٰہُ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ تَقَدَّسَ اِسْمُكَ اَمْرُكَ فی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کما رَحْمَتُكَ فی السَّمَآءِ فاجعل رحمتك فی الْاَرْضِ وَاغْفِرْ لَنَا حُوبَنَا وَخَطَایَانَا انت ربّ الطیّبِیْنَ وَاَنْزِلْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَشِفَآءً من شفَائِكَ علیٰ ھذا الوجع۔

چنانچہ مریض کو فوراً آرام ہو جائے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپؐ کو رقیہ تعلیم فرمایا۔ (یہ رقیہ گذر چکا ہے) یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدیث ابو داؤد میں ہے:۔

لا رقیۃَ اِلَّا من عینٍ او حمۃٍ۔ رقیہ نظر اور زہریلے جانور ہی کیلئے ہے

تو جواب یہ ہے کہ دوسری چیزوں کے لیے رقیہ کا عدم جواز مرادی نہیں ہے اور حدیث سے مراد اولیت اور انفع کی نفی ہے۔ اور اسی کے لیے تمام احادیث رقیہ خواہ وہ عام ہوں یا خاص سب دلالت کرتی ہیں۔ اور بعض احادیث میں نملہ (چیونٹی) کا بھی اضافہ ہے۔

سانپ کاٹے کا علاج

صحیحین میں حضرت ابو سعیدؓ خدری کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں ہمارا گذر ایک قبیلہ پر ہوا ہم نے ان سے چاہا کہ وہ ہمیں مہمان بنالیں لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ اسی رات کو اس قبیلہ کے سردار کے سانپ نے کاٹ لیا ہر چند اس کا علاج کیا گیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا تب قبیلے کے کسی آدمی نے مشورہ دیا کہ وہ ہم سے بھی دریافت کرے ممکن ہے کہ ہمارے پاس کوئی چیز ہو۔ وہ لوگ ہمارے پاس آئے۔ ہم نے کہا چوں کہ تم لوگوں نے ہماری مہمانی سے انکار کر دیا تھا اس لئے اب ہم بغیر مزدوری لئے کچھ نہ کریں گے۔ انھوں نے مزدوری میں (چند بکریوں) کا وعدہ کیا تو میں گیا اور میں نے سانپ کے کاٹے کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اس سردار کو آرام ہو گیا۔ اور وہ چلنے پھرنے لگا۔ ہم اس سے بکریاں لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ رقیہ ہے؟۔ تم نے ٹھیک کیا۔ اور ان بکریوں میں سے کچھ حصہ ہمیں بھی دو۔ اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

خیر الدواء من القرآن ۔ قرآن پاک اچھی دوا ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ بعض کلام کے خواص ظاہر اور معلوم ہیں۔ اور منافع تجربہ میں آچکے ہیں لہٰذا کلام الٰہی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ تو افضل کلام ہے اور شفاء تام ہے اور نور و ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ۔ — قرآن پاک کو ہم نے مومنین کے لیے رحمت اور شفاء بنا کر اتارا ہے۔

اور سورۂ فاتحہ تو وہ ہے کہ اس کا مثل نہ تورات میں ہے اور نہ انجیل میں ہے۔ اور نہ زبور میں ہے۔

بچھو کاٹے کا علاج

ابن شیبہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اچانک آپؐ کی انگشت مبارک میں بچھو نے کاٹ لیا۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ بچھو پر لعنت کرے یہ نہ نبی کو چھوڑے اور نہ کسی دوسرے کو۔

پھر آپؐ نے پانی میں نمک ڈلوا کر طلب فرمایا اور اس میں انگشت مبارک ڈالدی اور سورۂ اخلاص اور معوذتین کو پڑھنا شروع کیا۔ اور آپؐ کو سکون ہو گیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن عامرؓ کو ہر نماز کے بعد معوذتین پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی کیوں کہ ان کے پڑھنے سے ایک نماز سے لیکر دوسری نماز تک آفات اور شرور سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ اور ذکر کیا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا گیا تو جبرئیل علیہ السلام نے آکر خبر دی کہ۔ گیارہ گرہ لگا کر سحر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان سورتوں کو ایک ایک بار پڑھا گیا اور ادھر سحر کی ایک ایک گرہ کھلتی گئی

حدیث میں دوسرا علاج نمک مذکور ہے۔ نمک زہر کے قاتل کے لیے مؤثر ہے صاحب قانون نے بیان کیا ہے کہ جہاں بچھو کاٹے وہاں نمک میں تر کر کے پھایہ رکھ دینا چاہیئے کیونکہ نمک میں قوت جاذبہ ہے جو زہر کو چوستی ہے؛ علاج نبوی میں اشارہ ہے کہ اس کا علاج تبرید اور جذب ہے اور یہ دونوں چیزیں علاج میں موجود ہیں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوا اور بولا مجھے رات بچھو نے کاٹ لیا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ پڑھ کر دم کرنا چاہیئے:

أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ جب بستر پر آؤ تو سورۂ اخلاص اور معوذتین کو دونوں ہاتھوں پر دم کر کے پورے جسم پر پھیرو۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ یہ پڑھ کر دم کرنا چاہیئے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

جس نے اس کو شروع دن میں پڑھا۔ تمام دن محفوظ رہے گا اور جس نے شروع رات میں پڑھا وہ پوری رات محفوظ رہے گا۔ ایسے ہی منزل پر اترنے اور قیام کرنے کی دعا گذر چکی ہے۔

شفاء بنت عبداللہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں چیونٹی کی جھاڑ کیا کرتی تھیں۔ جب وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئیں تو عرض کیا کہ چیونٹی کا وہ منتر آپؐ کو سنانا چاہتی ہوں؟ وہ یہ ہے:

بسم اللہ صلت حتی یعود من افواھھا ولا تضر

احداً اللّٰھم اکشف الباس رب الناس۔

آپؐ نے فرمایا: یہ لکڑی پر سات مرتبہ دم کر کے اسکو پاک جگہ رگڑ دو! اور سرکہ کا لیپ چیونٹی کاٹے کی جگہ کرو۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ عورتوں کو کتابت سکھلانا جائز ہے۔

پھوڑے پھنسی کا علاج: حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں، جب کسی آدمی کے پھوڑا یا پھنسی ہوتی تو آپؐ زمین پر سے مٹی اٹھا کر انگشت مبارک پر لعاب دہن لگا کر وہ مٹی اس جگہ لگاتے اور یہ دعا پڑھتے:-

بسم اللہ تربۃ ارضنا بریقۃ بعضنا لیشفی سقیمنا باذن ربنا۔

درد کا علاج

مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں میرے درد ہے، وہ نہیں جاتا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: درد کی جگہ ہاتھ رکھو! اور یہ پڑھو۔ بسم اللہ تین مرتبہ اور سات مرتبہ یہ دعا:

اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔

مصیبت کا علاج

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ (بقرۃ)

صابرین کو بشارت ہو جب ان کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں۔ ان ہی پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور یہی لوگ ہدایت پر ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب کسی کو مصیبت پہونچتی ہے اور وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کہتا ہے اور کہتا ہے اے اللہ! مجھے اس مصیبت پر اجر دے اور بدلہ دے تو اس کو اجر بھی ملتا ہے اور بہترین بدلہ بھی ملتا ہے۔

یہ کلمات مصیبت کا بہترین علاج ہیں اور ان سے نفع ہوتا ہے۔ اور یہ کلمات دو چیزوں پر مشتمل ہیں ۱۔ یہ کہ انسان اور اس کا مال اور اولاد سب اللہ ہی کا ہے۔ انسان کے پاس تو عاریۃً ہے انسان کا تصرف ان چیزوں میں ایک بندے کے تصرف کی طرح ہے نہ کہ مالک کی طرح کیوں کہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ انسان کو ہر حال میں اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے جب انسان کا یہ تصور ہوتا ہے تو اس کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ مصیبت کا سبب سے

بڑا علاج ہے کہ آدمی کو اس کا یقین ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔

نہیں پہونچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ پہلے ہی سے کتاب میں موجود ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو ظاہر کریں۔ اور بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے تاکہ فوت شدہ پر تمہیں افسوس نہ ہو۔ اور حاصل شدہ پر اکڑنہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کسی اکڑنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اور مصیبت کا علاج یہ بھی ہے کہ جو چیز باقی رہ گئی ہے اس کو فوت شدہ چیز سے افضل جانے اور سمجھے کہ اس کے لیے اس کو ذخیرہ بنا دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی علاج ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کے حالات پر نظر کرے اور یہ جانے کی سرور دنیا ایک خواب ہے اور ڈھلنے والا سایہ ہے کم ہنسے اور زیادہ روئے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے: ہر خوشی کے بعد رونا ہے۔ جس جگہ خوشی ہوگی وہاں رونا بھی ہوگا۔ ابن سیرینؒ نے کہا ہے کہ کوئی ہنسنا ایسا نہیں ہے جس کے بعد رونا نہ ہو۔

ہند بنت نعمان نے کہا ہے: ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ہم لوگوں کے محبوب ترین اور مالدار ترین لوگوں میں سے تھے۔ اور سورج غروب نہ ہو پایا تھا کہ ہم بہت غریب ہو گئے اور جس گھر میں زیادہ خوشیاں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے لیے عبرت بنا دیتا ہے کسی نے پوچھا کچھ فرمایئے! تو بولیں ایک وقت وہ تھا کہ تمام عرب ہم سے امید رکھتے تھے اور ایک وقت یہ ہے کہ ہم ان سے امید رکھتے ہیں۔ ان کی بہن حرقہ بنت نعمان روئیں

تو ان سے رونے کا سبب دریافت کیا۔ بولیں کہ میں اپنے گھر بہت خوشی دیکھ رہی ہوں ڈرہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو کہیں غم سے نہ بھر دے۔

مصیبت کا علاج یہ بھی ہے کہ جزع فزع نہ کرے جزع فزع مصیبت کو نہیں ٹال سکتے بلکہ اسمیں اضافہ ہی کر دیتے ہیں جزع فزع سے دشمن ہنستا ہے اور دوست رنجیدہ ہوتا ہے (اس جگہ علامہ نے بہت طویل کلام کیا ہے ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔)

حُزن وملال

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرب اور بے چینی کے وقت یہ پڑھا کرتے تھے :-

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔

اور ترمذی نے روایت کیا ہے آپ حُزن وملال کے وقت یہ پڑھا کرتے تھے :۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ

اور ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ جب آپؐ دعا میں تضرع فرماتے تو یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ فرمایا کرتے تھے۔ (اس جگہ علامہ نے بہت سی دعائیں نقل فرمائی ہیں۔ وہ سب حزب الاعظم میں موجود ہیں اور حُزن وملال اور جملہ مہمات کے لئے آیۃ کریمہ کو بھی نقل کیا ہے۔) حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی استغفار کی کثرت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے غموں کو دور کر دے گا۔ کشادگی پیدا فرمائے گا اور بے گمان جگہ سے رزق دے گا۔

دعاؤں کی تاثیر

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعضاء کو جو کمال عطا کیا ہے جب وہ کمال سلب ہو جاتا ہے تو آدمی الم اور دکھ محسوس کرتا ہے۔ اور قلب اس احساس کا سرچشمہ ہے۔ وہی الم محسوس کرتا ہے۔ اور یہ احساس اس کی بیماری ہے۔ وہی رنج و غم کو محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ آنکھ کی بیماری بصارت

کا ختم ہو جانا اور کان کی بیماری ہے۔ سماعت کا ختم ہو جانا۔ زبان کی بیماری قوت گویائی کا ختم ہو جانا ہے۔ قلب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت اور اپنی توحید کے لیے پیدا کیا ہے اس لئے خدا پر توکل، تسلیم و رضا میں اس کا سرور ہے۔ خدا کے لیے دشمنی اور خدا کے لیے محبت۔ کثرتِ ذکر میں قلب کی فرحت ہے بلکہ قلب کی زندگی ہے۔ اور یہ چیزیں اس کے لئے بمنزلہ غذا ہیں۔ اور صحت ہیں۔ جب غذا اور صحت ختم ہو جائے تو بیماری کا پیدا ہو جانا لازمی ہے اور وہ بیماریاں غموم اور آلام ہیں۔

قلب کے لئے سب سے بڑا مرض شرک ہے اور غفلت اور گناہوں کا ارتکاب ہے جب تم قلب کے امراض پر غور کرو گے تو ان امراض کو پاؤ گے جو بیماریوں کے بڑے اسباب ہیں اور مذکورہ تمام معالجات نبویہ ان امراض کا توڑ ہیں۔ کیوں کہ مرض کا علاج بالضد ہوتا ہے۔ اور صحت کی حفاظت بالمثل ہوتی ہے۔ معالجات نبویہ میں دونوں چیزیں موجود ہیں۔ چنانچہ توحید الٰہی سے سُرور اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور توبہ کی مثال ایسی ہے کہ وہ اخلاط رذیلہ کو نکالتی ہے۔ جو کہ بیماری کا سبب ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اور نیکی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

بعض متقدمین ائمہ طب نے کہا ہے کہ جو جسم کی عافیت چاہتا ہے اس کو کھانا پینا کم کر دینا چاہیے۔ اور جو قلب کی عافیت چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ گناہوں کو ترک کر دے۔ ثابت بن قرۃ نے کہا ہے کہ جسم کی عافیت قلت طعام میں ہے اور قلب کی عافیت قلت گناہ میں ہے۔ اور زبان کی راحت کم گو یائی میں ہے۔ گناہ دل کے لئے زہر کا حکم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ہلاک نہ کریں مگر ضعیف تو کر ہی دیتے ہیں۔ اور جب قوت کم ہو جاتی ہے تو پھر امراض کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ عبد اللہ بن مبارک نے کہا ہے:۔

گناہ دل کو مار دیتے ہیں۔ ترکِ ذنوب میں قلب کی حیات ہے۔

(اس کے بعد احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہیئے) یہ حدیث توحید باری اور

عظمت وصفاتِ باری پر مشتمل ہے۔ یہ صفات کمال قدرت خداوندی اور احسان خداوندی پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کی وجہ سے محبت باری اور عظمت باری قلب میں پیدا ہوتی ہے۔ اس سے قلب کو فرحت اور سرور حاصل ہوتاہے۔ اور غم اور الم اور بے چینی دور ہو جاتی ہے۔ اور طبیعت کو قوت ملتی ہے۔ جس سے امراض حسی بھی دور ہو جاتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی!۔

"یَا حَیُّ یَا قَیُّومُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ"

کی تاثیر یہ ہے کہ صفتِ حیات تمام کمالات کو شامل ہے۔ اور صفت قیومیت تمام افعال کمالیہ کو شامل ہے اسی وجہ سے وہ اسم اعظم ہے کہ جب اس کو لیکر دعا کی جاتی ہے تو قبول ہوتی ہے۔ لہٰذا اجابت تامہ۔ امراض اور بیماریوں کے بالکل متضاد ہے۔ اسی وجہ سے اہل جنت کو حیات کامل حاصل ہوگی۔ کہ ان کو وہاں کوئی رنج والم نہ ہوگا۔ اور سنن اور صحیح ابی حاتم میں مرفوعاً مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم اِن دو آیتوں میں موجود ہے یعنی۔

۱۔ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔

۲۔ الٓمّٓ۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔

ترمذی نے کہاہے یہ حدیث صحیح ہے۔ اور سنن اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ ایک آدمی نے دعا مانگتے ہوئے یہ کہا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَیُّ يَا قَيُّوْمُ؛

تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اس آدمی نے اللہ کے اسمِ اعظم کے ساتھ دُعا مانگی۔ جو قبول ہوتی ہے۔ اور جو مانگا جاتا ہے، ملتا ہے اسی وجہ سے آپؐ جب دعا میں تضرع فرماتے تو یہ دونوں نام لیا کرتے تھے۔

بہر حال جب گناہ اور معصیت قلوب پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ان کی دوا بجز استغفار اور توبہ کے اور کوئی نہیں ہے۔ رہا نماز کا معاملہ وہ فرحت اور تقویت قلب میں سب سے زیادہ اعلیٰ ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں لیٹا ہوا تھا اور میرے پیٹ میں درد تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا حال ہے؟ سب نے بتلایا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

قُمْ فَصَلِّ فَاِنَّ فِي الصَّلٰوةِ شِفَآءٌ — کھڑا ہو نماز پڑھ نماز میں شفا ہے۔

اور یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے؟ کہا جاتا ہے کہ نماز میں ریاضت نفس اور بدن دونوں ہیں۔ کیوں کہ اس میں مختلف حرکات ہوتی ہیں اور اس کی وجہ سے اکثر جوڑ متحرک ہو جاتے ہیں۔

آگ سے جلا ہوا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم کسی کو آگ میں جلتا دیکھو تو تکبیر کہو کیوں کہ تکبیر اس کو بجھا دیگی۔ آگ چونکہ مادۂ شیطان ہے۔ وہ اسی پیدا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں شر اور فساد زیادہ ہے۔ شیطان اور آگ دونوں ہی مین میں فساد کو بھڑکاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی سے یہ فسادات دور ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے تکبیر کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے آگ بجھ جاتی ہے۔ ہم نے اور ہمارے علاوہ اور دوسرے لوگوں نے اس کا تجربہ بھی کیا ہے۔[1]

[1] موجودہ زمانہ کے صوفیا میں سے بعض جہال کو کہتے سنا گیا ہے کہ ابن قیم تصوف کو کیا جانیں۔ ان کی خدمت میں علامہ کی یہ تحریر پیش ہے صوفیائے کرام اس سے زیادہ عمدہ کلام نہیں کر سکتے۔ اور ان بیچاروں کو تو صرف بلا علم کے کہنا آتا ہے۔ اس وجہ سے ان کی باتیں اسلامی تصوف سے بہت دور ہوتی ہیں۔ یہ لوگ جب بات کرتے ہیں تو جوگت اور سنیاسیت میں گھس جاتے ہیں۔ ہندوستان میں نقشبندی سلسلہ کے علاوہ کوئی سلسلہ بھی اپنے کو جوگیت اور سنیاسیت سے محفوظ نہیں رکھ سکا۔

۵۴واں باب

متفرق آداب

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ ہمیشہ ایک ہی کھانے پر اکتفا کرنے کی نہ تھی۔ کیونکہ ایسا کرنا بالطبع مضر ہے۔ اور ناممکنات میں سے ہے کیونکہ اگر مستقل ایک ہی غذا ملے اور دوسری استعمال نہ کی جائے تو آدمی ہلاک ہو جائے گا۔ اور عادی ہو جانے کے بعد اگر دوسری استعمال کی جائے تو پھر طبیعت قبول نہ کرے گی۔ بہر صورت نقصان ہی نقصان ہے۔ بلکہ آپ دوسرے باشندگانِ شہر کی طرح مختلف چیزیں۔ گوشت۔ پھل روٹی نوش فرمایا کرتے تھے۔

گوشت کے بارے میں

اور جب کسی کھانے کو آپؐ کا جی نہ چاہتا تو آپؐ تناول نہ فرماتے اور طبیعت پر جبر نہ فرماتے یہ چیز حفظانِ صحت کے لیے بہت بڑی بنیاد ہے کیونکہ جبراً و کرھاً کھانے سے فائدہ نہیں نقصان ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں:۔

مَا عَابَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم طَعَامًا قطُّ ان اشتھاہ اکلہ والّا ترکہ ولم یاکل منہ۔	آپ نے کبھی کسی کھانے کی برائی نہیں کی۔ اگر خواہش ہوتی تو کھاتے ورنہ چھوڑ دیتے اور نہ کھاتے۔

آپؐ کی عادتِ شریفہ گوشت کھانے کی تھی۔ اور پنجہ کے گوشت کو پسند فرماتے تھے۔

بکری کے مقدم کو پسند فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے بکری کے شانہ میں زہر ملا کر آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ ضباعہ بنت زبیرؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے یہاں بکری ذبح کی گئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر بھیجی کہ اپنی بکری میں سے ہمیں بھی کھلاؤ۔ میں نے کہلا بھیجا کہ۔ اب اس بکری کے گوشت میں سے صرف گردن باقی رہ گئی ہے۔ اور مجھے وہ پیش کرتے شرم معلوم ہوتی ہے تو آپؐ نے کہلا کر بھیجا:۔

یہ بکری کا ھدیہ ہے۔ خیر سے زیادہ قریب ہے۔ اور اذیت سے دور ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ سب سے نرم گوشت گردن اور پنجہ کا ہوتا ہے جو معدہ پر بھی بار نہیں ہوتا۔ اور جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں غذا کے بارے میں تین چیزیں معلوم ہوئیں۔ زیادہ غذائیت ہو، سریع الھضم ہو، قابض نہ ہو۔

آپ کو غذاؤں میں سے تین چیزیں زیادہ پسند تھیں کوئی میٹھی چیز۔ شہد۔ گوشت اور یہ تینوں چیزیں غذائیت کے اعتبار سے بھی افضل ہیں، جگر اور معدہ کو قوت دیتی ہیں (علامہ نے اس جگہ تدبیر غذا کے متعلق وہ تمام احادیث پھر ذکر کر دی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے)

بیٹھنے کی ہیئت

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: میں ایسے بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔ اور ایسے کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے اور آپؐ نے اوندھے لیٹ کر کھانے سے منع فرمایا ہے:

تکیہ لگانے کی تفسیر" تربع (پلوتھا مار کر بیٹھنا) ٹیک لگا کر بیٹھنا۔ پہلو پر بیٹھنا سے کی ہے۔ اور کھانے کے لیے یہ تینوں قسم کی بیٹھک ممنوع ہیں۔ اور مضر ہیں پہلو پر لیٹ کر کھانا معدہ کے لیے مضر ہے۔ اور بقیہ دونوں بیٹھکیں متکبرین کی بیٹھکیں ہیں۔

اسی وجہ سے آپؐ نے فرمایا ہے کہ میں بندہ کی طرح کھاؤں گا۔

آپؐ کے بارے میں روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ متورّک ہو کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ یہ ہیئت سب سے زیادہ نافع ہے اور سب سے زیادہ خراب نشست پہلو پر لیٹ کر کھانا ہے۔

کھانے کا طریقہ

آپؐ تین انگلیوں سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ یہ سب سے عمدہ طریقہ ہے۔ پانچوں انگلیوں اور ہتھیلی سے کھانا سب سے برا طریقہ ہے۔

پینے کا طریقہ

آپؐ کی عادت شریفہ بیٹھ کر پینے کی تھی۔ اور کھڑے ہو کر پینے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ جو کھڑا ہو کر پیئے اسکو قے کر دینا چاہیے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے کھڑے ہو کر بھی پانی پیا ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ کھڑے ہو کر پینے کی جو ممانعت تھی وہ منسوخ ہو گئی۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس سے یہ ثابت ہے کہ وہ ممانعت حرمت کے لیے نہیں تھی۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پینا ضرورۃً تھا کیونکہ آپ چاہ زمزم کے پاس آئے اور لوگ پانی پی رہے تھے۔ آپ نے ڈول لیا اور کھڑے ہو کر پانی پیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بوجہ ضرورت ایسا کیا ورنہ عادتِ شریفہ کھڑے ہو کر پینے کی نہ تھی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس لے کر پانی پیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اس طرح خوب سیرابی حاصل ہوتی ہے۔ اور تین سانس سے مراد یہ ہے کہ برتن کو علیحدہ کر کے سانس لیا جائے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں اس کی صراحت ہے؛

اِذا شرب اَحدُکم فلا یتنفس فی القدح ولکن لیبین	جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو پیالہ میں سانس نہ لے بلکہ برتن

الاناء عن فیہ۔ کو منہ سے علیحدہ کرکے۔

اس طرح پینے میں بہت سے فوائد ہیں جن کی طرف آپؐ نے لفظ "اروی" سے تنبیہ فرمائی ہے۔ عبداللہ ابن مبارک اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جب کوئی پانی پیئے تو چوس کر پیئے۔ غٹ غٹ نہ پیئے۔ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ایک سانس سے اونٹ کی طرح پانی نہ پیئو! بلکہ دو سانس تین سانس لے کر بسم اللہ کرکے پیئو اور آخر میں خدا کی حمد کرو۔

اس طرح پینے میں بہت فوائد ہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ کھانے کی تکمیل چار چیزوں سے ہوتی ہے۔ شروع میں تسمیہ پڑھنا۔ آخر میں حمد کرنا۔ ہشر کا ر طعام کی کثرت، حلال کھانا۔

پانی کی حفاظت

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ برتنوں کو ڈھک دیا کرو اور مشکیزہ کا منہ باندھ دیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ رات کو کوئی تکلیف دہ چیز برتن میں گر جائے۔ اور برتن میں آجائے۔ اور برتن ڈھکا ہوا نہ ہو۔

یہ وہ ہدایات ہیں کہ علوم اطباء میں موجود نہیں ہیں۔ ان کے فوائد عقلاء ہی تجربے سے جانتے ہیں۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ برتن کو ڈھک دیا کرو اگرچہ لکڑی ہی سے کیوں نہ ہو۔ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ برتن کو بسم اللہ کہہ کر ڈھک دیا کرو اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اور بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے سقایہ سے پانی پینے کو منع فرمایا ہے۔ اور اس میں چند فائدے ہیں۔ مثلاً اگر پانی میں کوئی چیز ہے تو وہ غلطی سے پیٹ میں داخل ہو جائے گی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ترمذی میں مروی ہے کہ آپؐ نے احد کے دن پانی مانگا، آپؐ کی خدمت میں برتن پیش کیا گیا۔ تو آپؐ نے اس سے منہ لگا کر

پیا ہو۔ اس کے بارے میں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ترمذی نے فرمایا ہے۔ کہ اس حدیث کے اسناد صحیح نہیں ہیں۔ اور اس کا راوی عبداللہ بن عمر، العمری حافظہ میں کمزور ہے۔ معلوم نہیں کہ اس نے عیسیٰ سے سنا ہے یا نہیں سنا ہے اور عیسیٰ سے مراد عیسیٰ بن عبداللہ ہیں۔

ابو داؤد میں حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن کی ٹوٹی ہوئی جانب سے پانی پینے کو اور پانی میں پھونک مارنے کو منع فرمایا ہے۔ یہ وہ آداب ہیں جن میں بہت سے فائدے ہیں اور ٹوٹی ہوئی جانب سے پانی پینے میں چند خرابیاں ہیں۔ کیوں کہ پانی کی سطح پر اگر کوئی چیز ہے تو وہ عام طور سے ٹوٹی پر آجاتی ہے۔ بخلاف دوسری جانب کے ایسا بھی ہوتا ہے کہ نہ دھلنے کی وجہ سے وہاں کا میل دور نہیں ہو پاتا۔ اور یہ بھی ہے کہ ٹوٹی ہوئی جانب، ردی جانب ہے۔ اور ردی چیز کے استعمال کرنے میں برکت نہیں ہے۔ ایک دفعہ ایک آدمی گھٹیا چیز خرید رہا تھا۔ آپؐ نے منع فرمایا: اور ارشاد فرمایا:

ان اللہ نزع البرکۃ من کل ردیٔ۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ردی چیز سے برکت نکال لی ہے۔

اور پھونک مارنے کا معاملہ یہ ہے کہ پانی میں منہ کی بدبو داخل ہوتی ہے وغیرہ ذلک۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حدیث صحیح میں موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں تین سانس لیا کرتے تھے۔ لیکن اس میں کوئی معارضہ نہیں ہے کیوں کہ پہلی حدیث میں "ظرف" کا ذکر ہے اور اس میں نہیں ہے اور غرض اس سے برتن ہی ہے۔ کیوں کہ ایسا استعمال بکثرت ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم صاحبزادہ محترم کی وفات کے بارے میں ہے۔ مات فی الثدی۔ اس سے مراد مدت رضاعت ہے۔

دودھ پینا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ آپؐ نے دودھ خالص بھی پیا ہے۔ اور پانی ملا کر بھی پیا ہے۔ اور اس طرح پینے میں گرم شہروں میں بہت منافع ہیں۔ کیوں کہ ایسے ملکوں کے جانور گرم گھاس کھاتے ہیں۔ جس کی گرمی دودھ میں آجاتی ہے اور پانی ملانے سے اسکی اصلاح ہو جاتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کھانا کھاؤ تو یہ دعا پڑھو:۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ أَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ۔ — اے اللہ اس میں ہمارے لئے برکت دے اور اس سے بہتر کھلا۔

اور جب کوئی دودھ پیئے تو یہ دعا پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ۔ — اے اللہ اس میں ہمارے لیے برکت دے اور اس کو زیادہ کر۔

کیوں کہ دودھ ایک ایسی غذا ہے جو کھانا اور پینا، دونوں میں کفایت کرتی ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حسن ہے۔

نبیذ نبیذ کے بارے میں آپؐ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ شروع رات میں اگر نبیذ بنایا گیا تو آپ اسی رات کی صبح کو نوش فرماتے۔ اور پھر اس کے بعد دن میں اور پھر آنے والے دن میں۔ اور پھر اس کے بعد آنے والے دن کی عصر تک۔ اگر اس کے بعد بھی باقی رہ جاتا، تو کسی خادم کو پلا دیتے یا پھر پھنکوا دیتے[1] پانی میں تمر، ڈال دینے کی وجہ سے اس میں مٹھاس پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ پینے اور غذا دونوں کا کام دیتا ہے۔ اور اس میں بہت منافع ہیں۔ تیسرے دن کے بعد آپؐ اس کو استعمال نہیں فرماتے تھے۔ کیوں کہ اس میں نشہ پیدا ہونے کا

[1] عرب میں پانی کو میٹھا بنانے کے لیے یہ طریقہ تھا کہ اس میں چھوہارے یا کشمش ڈال دیتے تھے اسکو نبیذ کہتے ہیں۔

احتمال ہو جاتا ہے۔

لباس آپؐ کی سیرت کاملہ لباس کے بارے میں یہ تھی کہ جو لباس جسم کے لئے زیادہ مفید اور جسم پر زیادہ ہلکا اور پہننے اور اتارنے میں آسان ہو وہ استعمال فرماتے چنانچہ چادر اور تہبند کا بکثرت استعمال فرماتے کیوں کہ وہ بہت آسان ہے۔ اور آپؐ قمیص بھی پہنتے اور یہ آپؐ کو بہت پسند تھی۔ آپ کی قمیص کی آستین زیادہ وسیع اور طویل نہ ہوتیں بلکہ پہونچے تک ہوتیں اور ہاتھ سے تجاوز نہ کرتیں۔ اور اس سے چھوٹی بھی نہ رکھتے کہ جسم کو ٹھنڈ یا گرمی محسوس ہو۔ اور آپؐ کی قمیص کا دامن اور تہبند نصف ساق تک ہوتا تھا۔ اور ٹخنوں سے تجاوز نہ کرتا تھا۔ تاکہ گندگی نہ لگ جائے۔ اور نصف ساق سے اوپر بھی نہ رکھتے۔ آپؐ کا عمامہ بہت بڑا نہ ہوتا کہ سر بوجھل ہو جائے۔ اور اتنا چھوٹا بھی نہیں کہ سر کی حفاظت بھی نہ کر سکے۔ اور صافہ کے کچھ حصہ کو ٹھوڑی کے نیچے کو لاکر گردن کو لپیٹ لیتے تھے۔ اور اس میں چند فائدے ہیں۔ خصوصاً گردن کی حفاظت اور سفر میں اکثر آپؐ خُفَّیْن استعمال فرماتے تھے کیوں کہ اس سے پیروں کی گرمی سردی سے حفاظت ہوتی ہے اور حالات حضر میں کبھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ کپڑوں کی رنگت میں سفید رنگ آپؐ کو پسند تھا۔ سرخ اور سیاہ رنگ آپؐ کو پسند نہیں تھا۔ رہی یہ بات کہ آپؐ نے سرخ رنگ کا حُلّہ پہنا ہے۔ تو وہ یمنی چادر تھی۔ اس میں سرخ سیاہ، سفید دھاریاں تھیں اس کا مفصل بیان گذر چکا ہے۔

مسکن یہ ظاہر ہے کہ دنیا مسافر کیلئے گذرگاہ ہے اور یہاں صرف مدت عمر تک قیام کا موقعہ ہے۔ اس کے بعد یہاں سے منتقل ہو جانا ہے۔ لہذا آپؐ کی اور آپؐ کے اصحاب اور ان کے متبعین کی عادت شریفہ یہ تھی کہ وہ مکانات کو زیادہ مضبوط بلند، منقش، بھڑک دار نہ بناتے تھے بلکہ یہ پسند تھا کہ مسافر کو گرمی سردی سے بچاؤ

ہو۔ اور لوگوں کی نظروں اور جانوروں کے داخلے سے بچاؤ ہو صاف ستھرا کہ موذی جانور نہ رہنے لگیں۔ سرد اور گرم ہواؤں سے حفاظت ہو جائے۔ ان گھروں میں پاخانے نہ ہوتے تھے کہ جس کی بدبو سے اذیت ہو۔ بلکہ آپؐ خوشبو کو پسند فرماتے تھے۔

نیند اور بیداری

آپؐ کی نیند متوسط اور جسم کے لئے نفع بخش ہوتی تھی۔ لہذا آپؐ رات کے ابتدائی حصہ میں سو جاتے۔ اور نصف ثانی کے اول حصہ میں بیدار ہو جاتے۔ اور اٹھ کر مسواک فرماتے اور پھر وضو کرتے اور نماز پڑھتے۔ اس طرح بدن کو راحت کا پورا حصہ دیتے۔ اور ریاضت کا بھی پورا حصہ دیتے۔ اس میں اجر کی زیادتی بھی ہے اور قلب اور بدن دونوں کو راحت ملتی ہے۔ نہ ضرورت سے زیادہ بیدار رہتے نہ ضرورت سے زیادہ سوتے۔ جب سونے کی ضرورت ہوتی تو داہنی کروٹ سو جاتے۔ اور جب تک نیند آتی اللہ کا ذکر کرتے رہتے۔ کھانے پینے سے پیٹ پر نہ ہوتا تھا۔ نہ ننگی زمین ہوتی نہ بلند قسم کا فرش ہوتا بلکہ کھجوروں کے ریشوں سے بھرا ہوا گدا ہوتا تھا۔ آپؐ کا ایک تکیہ تھا جس کو آپؐ رخسار کے نیچے رکھ لیا کرتے تھے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی کو مسجد میں اوندھے لیٹے دیکھا۔ اس کو پیر سے اشارہ کیا اور فرمایا: "اٹھ یہ دوزخیوں کی طرح کا لیٹنا ہے۔ بقراط نے اپنی کتاب "تقدمہ" میں کہا ہے کہ مریض کا پیٹ کے بل لیٹنا اگر اس کی عادت حالت صحت میں یہ نہیں تھی تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو دماغی کمزوری ہے اور وہ پیٹ کا مریض ہے۔

سب سے خراب نیند دن کے شروع حصہ میں اور بعد عصر کے سونا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے بیٹے کو صبح کے وقت سوتے دیکھا تو فرمایا: ایسے وقت سوتے ہو کہ

جس وقت رزق تقسیم ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ دن کی نیند تین قسم کی ہے خلق، حرق، احمق، نوم خلق دوپہر کے وقت سونا ہے چنانچہ یہی حضورؐ کی عادت تھی۔ اور نوم حرق، چاشت کے وقت سونا ہے کہ اس وقت آدمی دنیا اور آخرت کے اعمال سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور نوم حمق، عصر کے بعد سونا ہے بعض اسلاف نے کہا ہے، وہ آدمی بیوقوف ہے اس کو چاہیے کہ اپنے نفس پر ملامت کرے۔ اور صبح کی نیند رزق کو منع کرتی ہے۔ کیوں کہ یہ وقت تلاش رزق کا ہے اور جسم کے لئے بھی مضر ہے اور دھوپ میں سونے سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ آدھا دھوپ میں اور آدھا سایہ میں سونا بھی مضر ہے ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی آدمی دھوپ میں سو رہا ہو کہ اس پر سایہ آگیا کہ بعض حصہ دھوپ میں اور بعض سایہ میں ہو گیا تو اس کو اٹھ جانا چاہیے۔ اور سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آپؐ نے دھوپ اور سایہ میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور بخاری شریف میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم بستر پر آؤ تو اس سے پہلے وضو کر لیا کرو۔ اور داہنی کروٹ سویا کرو اور یہ دعا پڑھا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِیْ اِلَیْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا اِلَّا اِلَیْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ۔

اور ان کلمات کو آخری کلام قرار دو۔ اگر اس حالت میں انتقال ہو گیا تو فطرت پر موت ہوگی۔ اور بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی دو سنت پڑھنے کے بعد داہنی کروٹ

پر لیٹ جاتے تھے ؎

داہنی کروٹ پر لیٹنے میں یہ حکمت ہے کہ نیند کا غلبہ نہیں ہو پاتا۔ بخلاف بائیں جانب کے کہ اس میں نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس سے دین اور دنیا دونوں کے مصالح فوت ہو جاتے ہیں۔ اور سونے والا چونکہ میت کی طرح ہوتا ہے۔ اور نیند موت کے مماثل ہے لہٰذا یہ موت ابدی زندگی والے پر طاری نہ ہو گی۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ جنتیوں کو جنت میں نیند نہ آئے گی۔ اس کے بعد علامہ نے اس دعا کے اسرار بیان فرمائے ہیں۔

جب مرغ بولنے لگتا تو آپ بیدار ہو جاتے اور یہی آپ کی سنتِ شریفہ ہے۔ اور خدا کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے بیدار ہوتے۔ اور مسواک کے بعد وضو فرماتے اور پھر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

؎ یہ ذہن میں رہنا چاہیئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طویل شب بیداری اور قیام لیل کے بعد صبح کی سنتیں ادا فرما کر لیٹتے تھے۔ اور آج کل کے جہلا کا طریقہ ہے کہ اسی وقت بیدار ہوتے ہیں اور پھر سنت پڑھ کر مسجدوں میں مردوں کی طرح چاروں طرف پڑے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اتباع سنت ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

۵۵واں باب

جماع اور نکاح کا بیان

جماع اس بارے میں بھی آپؐ کی سنتِ شریفہ اکمل درجہ کی ہے۔ جماع کے تین مقصد ہیں حفاظت نسل انسانی اور اخراج مادہ (منی کا خارج ہونا) کہ جسکا احتباس تمام بدن کے لیے مضر ہے[1] اور خواہش کو پورا کرنا اور لذّت حاصل کرنا یہ آخری فائدہ وہ ہے جو جنت میں بھی حاصل ہوگا۔ کیونکہ وہاں توالد اور تناسل نہ ہوگا یعنی پیدائش نسل۔

فاضل اطباء نے کہا ہے کہ جماع حفاظت صحت کے لیے نہایت ضروری ہے جالینوس نے کہا ہے کہ جوہر منی میں نار اور ہوا موجود ہے۔ اس وجہ سے اس کا مزاج گرم تر ہے۔ اور یہ خون صافی سے پیدا ہوتی ہے جو کہ غذائے بدن ہے۔ لہٰذا اس کا اخراج طلب نسل کے لیے ہونا چاہیے۔ اگر مادہ کبھی نہ نکلے تو بہت سے برے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے کثرتِ وساوس۔ جنون۔ مرگی وغیرہ اور کبھی طویل احتباس کی وجہ سے جسم میں سمیت بھی پیدا ہو جاتی ہے جس سے اور بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

انسانی طبیعت اس کو اس وقت خارج کر دیتی ہے جب اس کی مقدار زیادہ

---

[1] غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ نے اصول صحت کے بعد اس باب کو بیان کیا ہے۔

ہوجائے اور محتبس ہوجائے (رک جائے) اطباء نے کہا ہے کہ جماع کو بالکل ترک نہ کرنا چاہیے کیوں کہ اگر کنویں سے پانی نہ نکالا جائے تو اس کا پانی ختم ہوجاتا ہے محمد بن زکریا نے کہا ہے کہ جس نے طویل مدت تک جماع ترک کر دیا اس کے قوئی اور اعصاب کمزور ہوجاتے ہیں۔ میں نے ایسے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جنھوں نے جماع کو ترک کر دیا تھا ان کے قوئی کمزور ہوگئے۔ اور جسم حرکت کرنے سے عاجز ہوگیا۔

جماع کے منافع میں سے یہ بھی ہے کہ حرام سے عافیت اور نظر کی حفاظت ہوجاتی ہے اور اس میں دنیا اور آخرت، دونوں کا نفع ہے۔ اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

عورتوں کے بارے میں

حُبِّبَ الیّ من دنیاکُمُ النِّساءُ والطِّیبُ۔ — تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے دو چیزیں مجھے محبوب ہیں۔ عورت اور خوشبو۔

امام احمد نے زہد کے بیان میں اس پر ایک لطیفہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ کھانے پینے پر زیادہ صبر کیا جا سکتا ہے بمقابلہ نساء کے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس کی طرف رغبت دلاتی ہے ارشاد فرمایا ہے۔

نکاح کرو! میں تمہاری کثرت سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

خیر ھٰذہ الامۃ اکثرھا نساءً۔ — جس کے زیادہ عورتیں ہوں وہ اس امت کا افضل آدمی ہے۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا: میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ گوشت کھاتا ہوں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں۔ لہٰذا جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اور آپؐ نے ارشاد فرمایا: جوانو! نکاح کرو! اس سے نظر

اور فرج کی حفاظت ہو جاتی ہے اور جو اس لائق نہ ہو اس کو روزہ رکھنا چاہیئے کیوں کہ روزہ ڈھال ہے۔ حضرت جابرؓ نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی تو آپؐ نے فرمایا: جوان سے کیوں نہ کی تاکہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔ اور انس بن مالکؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی طاہر اور مطہر ہو کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا چاہے اس کو چاہیئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے اور حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: رشتۂ نکاح کے ذریعہ جو محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال نہیں ہے۔ اور ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے۔

الدنیا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ۔ — دنیا ایک متاع ہے اور اس کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو شریف النفس۔ دیندار باکرہ عورتوں سے نکاح کے لیے فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسی عورت بہتر ہے، آپؐ نے فرمایا:

"اس کی طرف دیکھنے سے مسرت ہو اور جب اس کو امر کیا جائے تو وہ اطاعت کرے اور اپنے نفس اور مال کے بارے میں خاوند سے مخالفت نہ کرے۔

اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

عورت سے اس کے مال، خاندان۔ جمال۔ دین کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے تم دیندار کو ترجیح دو۔"

اور ہمیشہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کی ترغیب دیتے۔ بانجھ عورت سے نکاح کو منع فرمایا کرتے تھے۔ ایک آدمی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے ایک حسین، خاندانی والی عورت سے نکاح کا ارادہ کر لیا لیکن اس کے

بچہ نہیں ہوتا کیا میں نکاح کر لوں۔ آپؐ نے منع فرمایا: پھر آیا۔ پھر منع فرمایا: پھر آیا تو فرمایا: بچہ دار عورت سے نکاح کرو۔! اور ترمذی میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں۔ نکاح، مسواک، خوشبو، اور ختنہ کرانا۔

مقدمات جماع

جماع سے پیشتر، عورت سے کھیل کرنا۔ بوسہ لینا۔ اس کی زبان کو چوسنا مناسب ہے۔ ابو داؤد نے ۔۔روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کا بوسہ لیتے اور ان کی زبان کو چوسا کرتے تھے حضرت جابرؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ابتدائی امور سے پہلے جماع کرنے سے منع فرمایا:

احکام جماع

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج سے جماع فرمایا: اور صرف ایک غسل کیا، اور ہر جماع کے بعد بھی غسل کیا ہے (اور اس کے بارے میں چند روایات ہیں) آپؐ نے فرمایا: یہ طریقہ زیادہ پاکیزگی کا ہے۔ اور مشروع یہ بھی ہے کہ دو جماع کے درمیان وضو کر لیا جائے جیساکہ امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور ایسا کرنے میں زیادہ نشاط حاصل ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ نفع بخش جماع وہ ہے جو ہضم طعام کے بعد کیا جائے اور جسم میں اعتدال ہو۔ اور جب شہوت زیادہ اور انتشار تام ہو اس وقت جماع کرنا چاہیے اور تکلف نہ ہو کہ دوسرے طریقہ اختیار کرنا پڑیں۔ اور بہت بوڑھی اور صغیرہ سے جماع کرنے میں گریز کیا جائے۔ اور مریضہ اور بد شکل سے بھی گریز کیا جائے۔

اور جماع کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس سے کمزوری بڑھتی ہے جن اطباء نے یہ کہا ہے کہ باکرہ کی بہ نسبت ثیبہ سے وطی کرنا نافع ہے۔ انھوں نے غلط کہا ہے۔ اور محبوبہ سے وطی کرنے میں کمزوری نہیں ہوتی۔ البتہ مبغوضہ سے وطی کرنے میں نقصان ہوتا ہے۔ اور حائضہ سے وطی کرنا شرعاً اور طبعاً ہر طرح حرام اور مضر ہے اور

جماع کی سب سے بہتر شکل عورت کو فراش بنانا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

حرمتِ لواطت کسی وقت بھی اور کسی نبی مرسل نے بھی لواطت کو مباح قرار نہیں دیا۔ اور بعض اسلاف کی طرف جو منسوب ہے کہ زوجہ سے لواطت مباح ہے وہ غلط ہے۔ اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی زوجہ سے لواطت کی وہ ملعون ہے۔ احمد و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے اپنی زوجہ کے ساتھ لواطت کی اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ کرے گا۔

اور ترمذی میں ہے کہ جس آدمی نے قصداً حائضہ سے وطی کی یا اپنی عورت سے قصداً لواطت کی اس نے کفر کیا۔

اور بیہقی نے مردوں کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ حق بات سے شرم نہیں کرتا۔ تم اپنی عورتوں سے لواطت نہ کرو۔

اور ایسے ہی ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اپنی عورت کے ساتھ لواطت کیسی ہے؟ فرمایا یہ لواطت صغریٰ ہے[1]۔ اور ابن عازبؓ نے روایت کیا ہے کہ اس امت کے دس آدمی کو قتل کر دیا جائے۔ جادوگر، دیوث۔ اپنی عورت سے لواطت کرنے والا۔ زکوٰۃ کا انکار کرنے والا۔ اور جس نے وسعت کے باوجود حج نہیں کیا۔ شراب خور۔ فتنہ پرور۔ دشمنوں کو ہتھیار فروخت کرنے والا۔ محرم سے نکاح کرنے والا۔ اور مرتد۔ اور ابن عباسؓ اور

---

[1] لواطت کبریٰ۔ مذکر کے ساتھ بد فعلی کرنا ہے۔ لواطت کبریٰ کی حد کے بارے میں اختلاف ہے اگر کسی نے یہ حرکت پہلی مرتبہ کی ہے تو تعزیر کی جائے گی۔ یہاں تک کہ ...... تو کیسے اور اگر پھر دوبارہ ارتکاب کیا تو عدالت کو حق ہے کہ اس کو قتل کرا دے درمختار ص ۱۶۰، ج ۳۔

ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا:

جس نے اپنی عورت سے لواطت کی یا کسی مرد یا لڑکے سے لواطت کی وہ قیامت میں ایسا آئے گا کہ اس کی بدبو مردار سے زیادہ ہوگی۔ جس سے لوگوں کو اذیت ہوگی۔ آخر کار اس کو دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے سب اعمال حبط فرمائے گا۔ اور اس کی کوئی چیز قبول نہ ہوگی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: یہ حکم اس کے لئے ہے کہ جس نے توبہ نہ کی، اس کے بعد علامہ نے چند آیات کی تفسیر کرتے ہوئے حرمتِ لواطت پر مکمل بحث کی ہے، محض تکرار کی وجہ سے ترجمہ نہیں کیا گیا۔)

اقسامِ جماع

نقصان دہ جماع کی دو قسمیں ہیں شرعاً اور طبعاً۔ شرعاً کے چند مراتب ہیں مثلاً حرام، مکروہ، مباح اور حرام کے بھی مراتب ہیں: ایک وہ حرمت جو لازم ہے اور دوسرے وہ حرمت جو عارضی ہے۔ جیسے احرام، اعتکاف، اور روزہ کی حالت میں۔ حرمت اور اظہار کرنے والے کے لیے حرمت بھی اسی قبیل سے ہے کہ جب تک وہ کفارہ ادا نہ کرے۔ اور حالت حیض میں وطی۔ یہ حرمت چونکہ عارضی ہے اس وجہ سے اس میں حد نہیں ہے۔

دوسری قسم حرمت لازم کی ہے۔ اس کی حلت کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے جیسے محرمات سے وطی کرنا اور یہ سب سے زیادہ غلیظ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس کا مرتکب واجب القتل ہے۔ اور امام احمدؒ وغیرہ کا بھی مسلک ہے اور ان کی دلیل ایک حدیث مرفوع ہے۔

اس کے علاوہ محللات ہیں مثلاً: اجنبیہ سے وطی کرنا۔ اگر وہ عورت شوہر دار ہے تو اس سے متعلق دو حق ہیں۔ حق اللہ اور حق زوجہ۔ اس میں بھی اگر

اس عورت سے جبراً جماع کیا گیا تو ایک تیسرا حق اور قائم ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ عورت ایسے قبیلے سے ہے کہ وہ بے عزتی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو چار حق قائم ہو جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اگر وہ عورت مُحرِم تھی تو پانچ حق قائم ہو جاتے ہیں بہر حال اس کے بہت سے درجات ہیں۔

لیکن وہ جماع جو طبعاً مضر ہے۔ ایک وہ جو کیفیت کے اعتبار سے مضر ہے اور دوسرے وہ ہے جو کمیت کے اعتبار سے مضر ہے مثلاً کثرت سے جماع کرنا اس سے کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ فالج۔ تشنج رعشہ وغیرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

علاجِ عشق

عشق امراض قلبی میں سے ہے اور تمام امراض کے خلاف ہے۔ اس کا علاج بھی مختلف ہے۔ اور اس کے اسباب بھی مختلف کتاب اللہ سے اس کی دو قسمیں ثابت ہیں۔ عورت سے اور دوسری قسم لڑکوں سے عشق، پہلی کی مثال۔ امراۃ عزیز کا حضرت یوسفؑ سے عشق اور دوسری کی مثال قوم لوط کا لڑکوں سے عشق، بعض حضرات نے انبیاء کے عشق کے بارے میں کتابیں بھی تصنیف کر دی ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زینب کے واقعہ کو بیان کر دیا ہے۔ لیکن اس کتاب کا مصنف بہت بڑا جاہل ہے کہ وہ عشق اور محبت میں فرق نہیں کر پاتا۔ (اور ساتھ ہی ایک موضوع واقعہ بھی بیان کر دیا۔ یعنی حضرت زینب بنت جحش کا واقعہ) اس جگہ علامہ نے تفصیلی قصہ بیان کر دیا ہے کہ زینب بنت جحش زوجہ زید بن حارثہ متبنیٰ جناب سرور کائنات کا اصل واقعہ یہ ہے جس سے لوگوں نے غلط استنباط کیا ہے۔) البتہ حضرت عائشہؓ سے آپؐ کو محبت تھی لیکن وہ محبت درجۂ عشق کو نہیں پہونچی تھی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپؐ کو یہی تعلق تھا اسی وجہ سے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

صاحبکم خلیل الرحمٰن۔ تمہارا صاحب رحمٰن کا خلیل ہے۔

عشقِ صورت میں وہی آدمی مبتلا ہو جاتے ہیں جن کے قلوب اللہ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر اللہ کی محبت سے دل بھرا ہوا ہوتا ہے تو اس کو عشقِ صورت نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے:۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔	اسی وجہ سے ہم نے ان سے اس برائی کو بے حیائی کو پھیر دیا وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔

اور اخلاص سے ازالۂ عشق ہوتا ہے[1] بعض اسلاف نے کہا ہے کہ عشق ایک حرکتِ قلبی کا نام ہے۔ کہ جب دل خدا کی یاد سے خالی ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے بارے میں فرمایا ہے:۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فَارِغًا۔	اور ہو گیا دل بالکل خالی حضرت موسیٰؑ کی ماں کا۔ (یعنی ہر چیز سے بجز موسیٰ علیہ السلام کی محبت کے)

یاد رہے کہ عشق دو چیزوں سے مرکب ہے یعنی معشوق کو اچھا جاننا اور اسکے ملنے کی طمع۔ ان دونوں میں سے اگر ایک چیز بھی نہ ہوگی تو عشق نہ ہوگا۔ دنیا کے بہت سے عقلمندوں کو یہ مرض لگا ہے۔ اور بہت سے لوگوں نے اس پر کلام کیا ہے۔ ہم اس سے ہٹ کر صحیح بات کی طرف آتے ہیں۔

اسرارِ عشق

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے کہ اس نے اپنی تمام مخلوق میں تناسب اور تآلف رکھا ہے۔ ہر شئے اپنی موافق شئے کی طرف کشش کرتی ہے

[1] اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص کامل کا نام عشق نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ شرعاً اس کا نام احسان ہے۔ اس جگہ تعبیر میں علامہ سے غلطی ہوئی کیوں کہ احسان محمود ہے اور عشق ہر ایک کے لیے مذموم ہے۔

اور مخالف شے سے نفرت کرتی ہے۔ اس طرح عالم علوی اور سفلی میں اتصال پیدا ہوتا ہے۔ اور انفصال اور تباین عدم شکالت اور مناسبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی فطرت پر خدا کی تمام مخلوق ہے پس ہر مثل اپنے مثل کی طرف مائل ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ	خدا نے تم کو نفسِ واحد سے پیدا کیا ہے
وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا	اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس
لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا۔	سے اسکو سکون حاصل ہو۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مرد کا سکون عورت سے رکھا ہے کیوں کہ وہ اس کی جنس اور جوہر سے ہے۔ اور اس سکون سے مراد محبت ہے۔ لہٰذا علت حسنِ صورت نہ ہوئی اور نہ قصد اور ارادہ ہوا۔ صحیح حدیث ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ارواح ہیں سے جس میں آپس میں الفت ہوئی اس میں دنیا میں بھی الفت ہوئی اور جو وہاں سنگر رہیں ان میں یہاں بھی اختلاف رہا۔

امام احمد نے اس حدیث کا سبب بیان کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت تھی جو لوگوں پر ہنستی تھی۔ وہ مدینہ منورہ آ گئی۔ اور ایسی عورت کے پاس آ کر ٹھہری جو لوگوں پر ہنستی تھی۔ تب آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ بہر حال۔ دو مثل کا حکم ایک ہی ہوتا ہے اور دو متضاد جمع نہیں ہو سکتے یہی حکم دنیا کا ہے۔ اور یہی حکم آخرت کا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

أُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا	جمع کیا جائے گا ان لوگوں کو کہ جنھوں
وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا	نے ظلم کیا ہے۔ اور ان کے جوڑے
يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ	کو اور ان کو کہ جن کی وہ عبادت
فَاهْدُوهُمْ إِلَى	کرتے تھے۔ اللہ کے سوا۔ پس چلا دیا

صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ۔ جائے گا۔ ان کو دوزخ کے راستہ کی جانب۔

حضرت عمرؓ اور ان کے بعد امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں ازواج سے مراد اشباہ اور نظائر ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۔ اور جب نفوس کو جوڑ دیا جائے گا۔

یعنی ہر عمل والا اپنے جیسے عمل والے کے ساتھ ملا ہو گا۔ اسی طرح جو لوگ اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں وہ جنت میں ایک جگہ ہوں گے۔ اور ایسے ہی دوزخ میں ہونگے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو آدمی جس قوم سے محبت رکھتا ہے وہ ان کے ساتھ اٹھے گا۔

اقسامِ محبت

محبت کی بھی متعدد قسمیں ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ۔ حب فی اللہ ہے۔ اس کے بعد دین کے اعتبار سے محبت۔ مذہب کے اعتبار سے۔ قرابت اور پیشہ کے اعتبار سے۔ غرض حاصل کرنے کے لیے۔ یہ سب محبت عارضی ہیں جب یہ ذرائع ختم ہو جاتے ہیں محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور مناسبت اور مشاکلت والی محبت جو محب اور محبوب کے درمیان ہوتی ہے۔ وہ زائل نہیں ہوتی اِلّا یہ کہ کوئی عارض ہی ایسا پیدا ہو جائے۔ اور محبتِ عشق اسی قبیل سے ہے لیکن اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عشق کبھی یکطرفہ ہوتا ہے۔ اور صرف عاشق ہی کو تعلق ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اسباب کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثلاً محبت غرضی ہو یا محبوب کے لیے محب میں کوئی مانع ہو جب یہ مانع ختم ہو جاتا ہے تو محبت ذاتیہ ہو جاتی ہے ایسے ہی اگر کفار میں حسد اور کبر جیسے موانع نہ ہوتے تو وہ بھی رسولوں سے محبت کرنے والے ہوتے جب یہ چیز ان میں سے دور ہو جاتی ہے تو وہ بھی محبت کرنے لگتے ہیں۔

بہر حال مقصود یہ ہے کہ عشق ایک مرض ہے اور اس کا علاج چند طرح پر ہے اور اس کی ایک صورت یہ ہے کہ شرعاً اور قدرۃً محبوب کو حاصل کیا جائے جیسا کہ حدیث صحیحین میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے جوانو! اگر قدرت ہو تو نکاح کر لیا کرو..! اور اگر نکاح پر قادر نہ ہو تو روزہ رکھو!۔ اس طرح علاج اصل اور علاج بدل دونوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ وغیرہ ذلک۔

اور اگر محبوب کے حاصل ہونے سے مایوسی ہے تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پھر جان لینا چاہیے کہ جنون پیدا ہو گیا ہے۔ اس صورت میں علاج عقلی ہونا چاہیے۔ اور صبر اور عفت سے کام لینا چاہیے کہ جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من عشق فعفّ فمات فھو شھیدٌ۔ وفی روایۃ من عشق وکتم وعفّ وصبر غفر اللہ لہ وادخلہ الجنۃ۔	جو عاشق ہوا اور پاک دامن رہا پھر مر گیا وہ شہید ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جو عاشق ہوا اور اس نے چھپایا اور پاک دامن رہا اور صبر کیا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ اور اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور شہادت ایک بہت بڑا مرتبہ ہے۔ جو صدیق کے مرتبہ سے قریب ہے اور اس کے لئے کچھ اعمال اور احوال ہوتے ہیں۔ جو شرط کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عام اور دوسرے خاص ہیں۔ شہادت فی سبیل اللہ ہے اور عام میں پانچ چیزیں ہیں۔ اور ان میں عشق کو شمار نہیں کرایا ہے۔ اور عشق سے یہ درجہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ وہ تو ایک قسم کا

شرک ہے اور اللہ تعالیٰ سے اعراض ہے۔ اور قلب و روح اور محبت کا غیر کو مالک بنا دیتا ہے لہٰذا اس سے درجۂ شہادت حاصل ہونا محالات میں سے ہے کیوں کہ عشق سے قلب بالکل ہی بگڑ جاتا ہے یعنی عاشق کا قلب معشوق کا مقید ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے اسناد اگر سورج کی طرح بھی روشن ہوں تب بھی غلط ہی ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حدیث صحیح میں لفظ "عشق" مروی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں عشق حرام بھی ہوتا ہے اور حلال بھی۔ پھر کس طرح آپؐ سے مروی ہو سکتا ہے کہ:-

کل عاشق یکتم و یعف یا نہ شہید

بہرحال عشق ایک مرض ہے۔ اور اس کا علاج ہے۔ اور تم جب ان امراض اور آفات میں غور کرو گے کہ جن کے مریضوں کو شہادت کا درجہ ملتا ہے جیسے طاعون زدہ۔ مبطون۔ مجنون۔ حریق۔ غریق۔ اور ولادت میں موت۔ یہ امراض منجانب اللہ ہیں اور ان کے اسباب بھی حرام نہیں ہیں۔ اور ان سے قلب بھی نہیں بگڑتا ہے۔ ائمہ حدیث میں سے کسی نے بھی اس کی صحت کا اقرار نہیں کیا بلکہ بعض نے اسکے راویوں پر سخت تنقید کی ہے۔

خوشبو سے رغبت صحیح بخاری میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو رد نہیں فرماتے تھے۔ اور مسلم شریف میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مَن عرض علیہ ریحان لا یردہٗ — جس پر خوشبو پیش کی جائے اس کو چاہیے کہ واپس نہ کرے۔

اور اسی طرح نسائی میں ہے اور مسند بزار میں ہے:

ان اللہ طیب یحب الطیب — اللہ طیب ہے اور طیب کو پسند کرتا ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ڈبیہ تھی جس میں خوشبو رکھا کرتے تھے۔ اور آپؐ نے ارشاد فرمایا: کہ ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ ہر ہفتہ غسل کرے اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو اس کو لگائے، یاد رہے کہ خوشبو میں ایک خاصیت ہے کہ فرشتے محبت کرتے ہیں۔ اور جنات بھاگتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہر روح اپنے مثل کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور قرآن شریف میں بھی مذکور ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ — خبیثات خبیثوں کے لیے اور طیبات

وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ — طیبوں کے لیے۔

یہ آیت اگرچہ مرد اور عورتوں کے بارے میں ہے مگر اعمال اور اقوال۔ کھانا۔ پینا۔ پہننا۔ خوشبو وغیرہ۔ سب چیزوں کو مشتمل ہے۔

آنکھوں کی حفاظت

ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو سوتے وقت پسا ہوا سرمہ لگانے کا امر فرمایا ہے۔ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی۔ اس سے آپؐ ہر آنکھ میں تین سلائی لگایا کرتے تھے۔ اور ترمذی میں ہے کہ آپؐ داہنی آنکھ میں تین سلائی اور بائیں آنکھ میں دو سلائی لگایا کرتے تھے۔ ابتدا داہنی آنکھ سے فرماتے اور اسی پر ختم فرماتے اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے:

مَنِ اکْتَحَلَ فَلْیُوْتِرْ — جو سرمہ لگائے وہ طاق سلائی لگائے (بتعداد وتر سرمہ لگاؤ)۔

اور وتر دونوں آنکھوں کے اعتبار سے ہے۔ لہذا ایک میں تین اور ایک میں دو سلائی ہونا چاہیے۔ بہرحال یہ دو قول ہیں۔ اور رات کو سرمہ لگانے کے بہت فوائد ہیں۔ اسی طرح اثمد میں بہت فوائد ہیں۔

۵۶ واں باب

ادویۂ مفردہ کا بیان

اس جگہ حروف کی ترتیب سے ان ادویہ اور اغذیہ کا ذکر ہے۔ جن کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا ہے۔

۱۔ اِثمد۔ وہ سرمہ کا سیاہ پتھر ہوتا ہے۔ اصفہان سے آتا ہے اور یہی اعلیٰ ہے اندر کی طرف سے خوب چکنا ہوتا ہے۔ جس میں میل نہیں ہوتا مزاج کے اعتبار سے بارد، یابس ہوتا ہے۔ آنکھ کو قوت دیتا ہے۔ اور اس کے پٹھے مضبوط کرتا ہے۔ نظر کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر شہد ملا کر لگایا جائے تو درد سر کو بھی مفید ہے۔

۲۔ اُترُوج۔ اس کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مثل المؤمن الذی یقرأ القرآن	قرآن پڑھنے والا مومن مثل اترج
کمثل الاترجۃ طعمہا طیب	کے ہے کہ اس کا ذائقہ بھی اچھا اور
وریحہا طیب۔	اس کی خوشبو بھی اچھی۔

اترج میں بہت سے فائدے ہیں۔ اس میں چار چیزیں ہیں چھلکا گودا۔ مغز اور بیج۔ ہر ایک کی خاصیت علیحدہ علیحدہ ہے۔ بعض اسلاف سے منقول ہے کہ وہ اترج کو دیکھا کرتے تھے۔ اس سے نظر کو قوت ملتی ہے۔

۳۔ اُرز : اس کے بارے میں دو موضوع حدیثیں ہیں : آپ نے ارشاد فرمایا: اُرز اگر آدمی ہوتا تو حلیم ہوتا۔ اور ارشاد فرمایا: زمین سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اس میں شفا بھی ہے۔ اور مرض بھی ہے۔ مگر ارز میں صرف شفا ہی ہے مرض نہیں ہے[1]

مزاج کے اعتبار سے گرم خشک ہے۔ گیہوں کے بعد سب سے زیادہ غذائیت ہے۔ معدہ کو قوت دیتا ہے۔ اور زیادہ دیر رہتا ہے۔ اطباء ہند اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اگر گائے کے دودھ میں پکا لیا جائے تو بہت مفید ہے۔ مغلظ منی ہے رنگ صاف کرتا ہے۔

۴۔ اُرزۃ : صنوبر کو کہتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ منافق کی مثال ارزہ کی طرح ہے جو اپنی جڑ پر قایم نہیں رہتا۔ اور ایک دم خشک ہو جاتا ہے، بہت دیر میں ہضم ہوتا ہے۔ کھانسی کے لئے مفید ہے۔

۵۔ اِذخر : حدیث صحیح ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مکہ معظمہ کی کوئی چیز نہ اکھاڑی جائے۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا "مگر اذخر"۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "مگر اذخر" یہ گھاس گرم خشک ہوتی ہے۔ مُدِر ہے اور ورام کو تحلیل کرتی ہے۔

۶۔ بِطّیخ : ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطیخ (تربوز) کو رطب کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے۔ اور بطیخ کے بارے میں چند احادیث ہیں۔ بعض اطباء نے کہا ہے کھانے سے پہلے۔ تربوز کھانا۔ معدہ کو دھوتا ہے۔

---

[1] موضوعات کبیر اور تذکرۃ الموضوعات میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔

۷۔ **بلح** : حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : بلح کو تمر کے ساتھ کھایا کرو کیونکہ جب شیطان آدمی کو بلح کے ساتھ کھاتے دیکھتا ہے تو کہتا ہے : ابن آدم جب تک یہ کھاتا رہے گا ، باقی رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ شیطان رنجیدہ ہوتا ہے۔ بعض اطباء اسلام نے کہا ہے۔ بلح (کھجور کی ایک قسم ہے۔) کو تمر کے ساتھ اس وجہ سے کھانے کو فرمایا ہے کہ بلح ٹھنڈی اور خشک ہے۔ اور تمر گرم ، تر ہے۔

۸۔ **بُسر** : حدیث صحیح ہے کہ ابو الہیثم بن تیہان نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ ، حضرت عمرؓ کی خدمت میں بُسر کا خوشہ پیش کیا۔

۹۔ **بیضہ** : بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی نے کمزوری کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیضہ کھانے کا امر فرمایا۔ اور اس حدیث کے ثبوت میں نظر ہے۔ اور بیضہ سے مراد مرغی کا بیضہ ہے کیوں کہ وہ زیادہ معتدل ہوتا ہے۔

۱۰۔ **بصل** : حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری کھانا تھا۔ جو آپؐ نے اس دنیا سے رخصت ہونے سے قبل تناول فرمایا تھا۔ یعنی اس کھانے میں "بصل" یعنی پیاز پڑا ہوا تھا۔ اور حدیث صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔

۱۱۔ **باذنجان** : بینگن۔ اور اس کے بارے میں ایک حدیث موضوع ہے اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ سیاہ اور سفید۔

۱۲۔ **تمر** : اور اس کے بارے میں متعدد احادیث گذر چکی ہیں ، تکرار کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔

۱۳۔ **تلبینہ** : جو کہ پانی کو کہتے ہیں۔ اور یہ اہل حجاز کے لئے بہت مفید ہے

۱۴۔ **ثلج** : برف کو کہتے ہیں۔ ادعیہ کے بیان میں ثلج کا ذکر بکثرت ہے۔

۱۵۔ **ثوم** : لہسن کو کہتے ہیں۔ پیاز کی طرح بدبودار ہے۔ اور آپؐ نے ارشاد فرمایا جو ان دونوں کو کھائے تو جلا کر کھائے۔ اور اس کے بارے میں متعدد احادیث گذر چکی ہیں۔

۱۶۔ **ثرید** : آپؐ نے ارشاد فرمایا جیسی عائشہ کو عورتوں پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ثرید کو تمام کھانوں پر اور یہ کھانا گوشت اور روٹی سے بنایا جاتا ہے۔

۱۷۔ **جمار** : کھجور کو کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک دن ہم آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؐ کے پاس کھجور کا پودا لایا گیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا درختوں میں سے ایک درخت ہے جو مثل مومن کے ہے کہ وہ پت جھڑ نہیں ہوتا۔

۱۸۔ **جبن** : غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آپؐ کی خدمت میں جبن پیش کیا گیا۔ آپؐ نے چھری طلب فرمائی اور اس کو کاٹ کر تناول فرمایا۔ اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرات صحابہؓ نے اسکو ملک شام میں کھایا ہے۔

جبن : گوشت میں زیادتی کرتا ہے۔

۱۹۔ حنا : اس کی فضیلت اور منافع میں احادیث گذر چکی ہیں۔

۲۰۔ حبۃ السودا : کالا دانا۔ اس کی فضیلت میں بھی حدیث گذر چکی ہے۔ (کلونجی یا کالا زیرہ کو کہتے ہیں) ٹھنڈے امراض میں مفید ہے۔

۲۱۔ حرف : ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ یہ ایک قسم کا دانا ہے جس کو دواء استعمال کرتے ہیں

۲۲۔ حلبہ : (میتھی) مکہ معظمہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی عیادت کی تو انھوں نے عرض کیا حضورؐ کسی طبیب کو بلا دیجئے۔ چنانچہ طبیب کو بلایا گیا تو اس نے بتلایا کہ میتھی اور عجوہ کھجور کھلائی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو حضرت سعدؓ کو آرام ہو گیا۔

۲۳۔ خُبز: (روٹی) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت میں اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت سے زمین کی روٹی بنائے گا۔ جس کو جنتیوں کو کھلایا جائے گا۔ اور ابن عباس رضؓ نے روایت کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبز (روٹی) کا ثرید بہت پسند تھا۔ اور حضرت عائشہ رضؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا: روٹی کا اکرام کرو۔ اور وہ حدیث جس میں روٹی کو چھری سے کاٹنے کو منع فرمایا ہے وہ باطل ہے۔ بلکہ گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانے کی ممانعت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاتقطعوا اللحم بالسکّین فانّ ذٰلک من فعل الاعاجم۔	گوشت کو چھری سے نہ کاٹو یہ عجمیوں کا فعل ہے۔

امام احمدؒ نے فرمایا ہے یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف حضرت مغیرہؓ کی حدیث ہے کہ آپ ؐ کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا۔ آپ ؐ نے چھری طلب فرمائی اور اس کو کاٹ کر کھایا۔

۲۴۔ خل: (سرکہ) آپ ؐ نے سرکہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے "یہ اچھا سالن ہے" اور سنن ابن ماجہ میں اتنا اضافہ اور ہے کہ "جس گھر میں سرکہ ہے" وہ گھر سالن سے خالی نہیں ہے"

۲۵۔ خِلال: اس میں دو حدیثیں غیر ثابت ہیں۔ ایک حدیث حضرت ابو ایوب رضؓ نے روایت کی ہے:

حبذا المتخللون من الطعام	کھانے کے بعد خلال کرنے والے بہت
انہ لیس شیئ اشد علی الملک	خوب ہیں کیوں کہ فرشتہ کے لیے
من بقیۃٍ تبقی فی الفم	منہ میں بچے ہوئے کھانے سے زیادہ

من الطعام ۔ کوئی چیز ناگوار نہیں ہے ۔

اور دوسری حدیث واصل بن صائب کی ہے ۔ بخاری نے کہا ہے کہ ازدی منکر ہے اور نسائی نے کہا ہے ازدی متروک الحدیث ہے ۔ اور دوسری حدیث ابن عباس رضؓ سے مروی ہے جس کا ایک راوی عبد الملک واضع حدیث ہے ۔ بہر حال ۔ خلال جباڑے کو مفید ہے ۔ دانتوں کی حفاظت کرتا ہے ۔

۲۶۔ دُہن : شمائل ترمذی میں حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کو بہت زیادہ تیل لگایا کرتے تھے ۔ اس سے آپ کا رومال ایسا ہو گیا تھا جیسا کہ روغنگر کا کپڑا ہوتا ہے ۔ اور ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے ۔

کلوا الزیت وادھنوا بہ ۔ روغن زیت کھاؤ اور اس کی مالش کرو ۔

گرم ملکوں میں تیل کا استعمال بہت مفید ہے اور روغن بنفشہ کے بارے میں دو حدیثیں موضوع ہیں ۔

۱۔ فضلُ دُھن البنفسیج علیٰ سائر الادھان کفضلی علی سائر الناس ۔ روغن بنفشہ کو سب تیلوں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی مجھے سارے انسانوں پر ۔

۲۔ فضل دھن البنفسج علی سائر الادھان کفضل الاسلام علی سائر الادیان روغن بنفشہ کو سب تیلوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی اسلام کو سب دینوں پر ۔

۲۷۔ ذریرہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں مجھ سے ذریرہ لیکر بطور خوشبو لگایا ۔ اور اس پہ کلام گذر چکا ہے ۔

۲۸۔ ذباب : مکھی اس کے بارے میں گذر چکا ہے ۔

۲۹۔ ذھب : سونا ۔ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ یوم الکلاب میں جب

عرفجہ بن سعد کی ناک کٹ گئی تو حضور صلعم نے ان کو چاندی کی ناک لگانے کا حکم فرمایا لیکن جب اس سے بدبو آنے لگی تو آپؐ نے اس کو اتروا دیا اور سونے کی ناک لگوانے کا امر فرمایا۔ بہر حال سونا زینت دنیا ہے۔ اور اس کے اندر ایک خاصیت یہ ہے کہ اگر اس کو زمین میں دفن کر دیا جائے تو زمین اس کو کھاتی نہیں ہے۔ غم۔ خوف۔ وساوس کے لیے مفید ہے۔ منہ میں رکھنے سے گندہ دہنی دور ہو جاتی ہے۔ اور قرآن پاک میں متعدد جگہ اس کا ذکر آیا ہے۔ اور متعدد احادیث اس کے بارے میں مروی ہیں۔

۳۰۔ رطب: کھجور اس کے بارے میں متعدد احادیث گذر چکی ہیں۔

۳۱۔ ریحان: ہر خوشبودار گھاس کو کہتے ہیں۔ اور ہر ملک کے اعتبار سے اسکی اقسام علیحدہ علیحدہ ہیں۔

۳۲۔ رمّان: انار۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

فِيهَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ۔ اور جنت میں پھل، کھجور اور انار ہیں۔

قلب اور دماغ کے لئے بہت مفید ہے۔

۳۳۔ زیت: اللہ تعالیٰ نے اس کو شجرۂ مبارکہ فرمایا ہے۔ اور اس کے بارے میں حدیث گذر چکی ہے۔ مزاج کے اعتبار سے گرم تر ہے۔

۳۴۔ زبد: ابوداؤد نے ابن بشیرؓ سے روایت کیا ہے کہ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لائے تو ہم نے آپؐ کی خدمت میں زبد اور تمر پیش کئے۔ زبد گرم تر ہوتا ہے اور اس کے بہت فوائد ہیں۔

۳۵۔ زبیب: اس میں دو حدیثیں غیر صحیح ہیں۔ ایک یہ ہے۔

نعم الطعام الزبيب ۔ زبیب اچھا کھانا ہے۔

اور دوسری حدیث بھی ان ہی الفاظ میں ہے۔ لیکن یہ دونوں حدیثیں ثابت نہیں

ہیں زبیب انگور سے بنائی جاتی ہے۔

۳۶۔ زنجبیل: سونٹھ۔ قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے۔ روم کے بادشاہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل کا ایک تھیلا بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ مزاج کے اعتبار سے گرم تر ہے۔

۳۷۔ سنا: اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

۳۸۔ سفرجل: نسائی نے طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کیا ہے کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپؐ کے ہاتھ میں سفرجل تھا آپؐ اس کو لوٹ پلٹ کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر آپؐ نے اسے میری طرف پھینک دیا اور فرمایا یہ دل کو مضبوط کرتا ہے اور جی خوش ہوتا ہے۔ اور سفرجل کے بارے میں چند احادیث اور ہیں جو ثابت نہیں ہیں۔

۳۹۔ مسواک: مسواک کی فضیلت میں بہت احادیث ہیں۔

۴۰۔ سمن: (گھی) محمد بن جریر طبری نے روایت کیا ہے:۔

علیکم بالبان البقر فانہا شفاء	گائے کا دودھ پیو! وہ شفا ہے اسکا
وسمنہا دواء ولحومہا داءٌ	گھی دوا ہے اور اس کا گوشت بیماری ہے۔

لیکن یہ حدیث اس سند سے ثابت نہیں ہے۔ زہر کے لیے مفید ہے اگر کوئی سم قاتل پی لے یا کسی کے سانپ بچھو کاٹ لے تو اس کے لئے مفید ہے۔

۴۱۔ سمک: مچھلی کی بہت قسمیں ہیں اور اس کی اقسام کے اعتبار سے ہی تاثیرات ہیں عنبر مچھلی کا ذکر ایک غزوہ کے تحت گذر چکا ہے۔

۴۲۔ شونیز: (سیاہ منقی) اس کے بارے میں گذر چکا ہے۔

۴۳۔ شبرم: ترمذی اور ابن ماجہ نے اسماء بنت عمیس کی روایت ذکر کی ہے۔ اور یہ حدیث بھی گذر چکی ہے۔

۴۴۔ شعیر : یعنی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔ جو غم زدہ دل اور بیمار کے دل کو قوت دیتا ہے۔ اور یہ گذر چکا ہے کہ بار الشعیر میں غذائیت بہت ہے۔

۴۵۔ شوی : بھنا ہوا گوشت۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کے مہمانوں کے ذکر کے تحت مذکور ہے۔

جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ بھنا ہوا بچھڑا لائے۔

اور ترمذی نے حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ "میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا۔ اور آپؐ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ اور پھر نماز پڑھی اور آپؐ نے وضو نہیں کیا۔ اور اس بارے میں عبداللہ بن حارث مغیرہ بن شعبہؓ کی بھی حدیث ہے۔

۴۶۔ شحم : چربی : حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، اور جو کی روٹی اور چربی پیش کی۔ اور عبداللہ بن مغفل کی حدیث ہے کہ ان کے ہاتھ یوم خیبر میں ایک مشکیزہ چربی ہاتھ آئی تو انھوں نے کہا میں اس میں سے کسی کو نہیں دوں گا۔

۴۷۔ صلوٰۃ : اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو۔

اور سنن میں ہے کہ ــ جب کبھی جناب رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہم کام در پیش ہوتا یا کوئی خوفناک معاملہ پیش آتا تو آپؐ نماز کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور نماز کے بارے میں کافی بیان گذر چکا ہے۔ نماز میں شرور دنیا اور آخرت کے دور کرنے میں عجیب تاثیرات ہیں۔

۴۸۔ صبر : صبر کے بارے میں فرمایا کہ وہ نصف ایمان ہے۔ بعض اسلاف نے کہا ہے

کہ ایمان کے دو جز ہیں۔ نصف صبر اور نصف شکر۔ اور صبر ہندی بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔ مسہل ہے اور صبر فارسی عقل کو تیز کرتا ہے۔

۴۹۔ صوم: روزہ کو کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں فرمایا ہے۔ روزہ ڈھال ہے۔ روزہ کے منافع بھی مذکور ہو چکے ہیں۔

۵۰۔ ضب: صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ آپؐ کی موجودگی میں آپؐ کے دستر خوان پر ضب (گو) کو کھایا گیا لیکن آپؐ نے منع نہیں فرمایا۔ اور حدیث ابن عمرؓ میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

لا احرمہ ولا احلہ۔ میں نہ اسکو حرام قرار دیتا ہوں اور نہ حلال قرار دیتا ہوں۔

گرم خشک ہے اور مقوی باہ ہے۔

۵۱۔ ضفدع: (مینڈک) امام احمدؒ نے فرمایا ہے یہ حلال نہیں ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اور عثمان بن عبدالرحمٰن نے روایت کیا ہے کہ ایک طبیب نے دوا کے لیے مینڈک بتلایا تھا۔ آپؐ نے اس کے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اور صاحب قانون نے کہا: اس کے کھانے سے ورم ہو جاتا ہے۔ اور رنگ نیلا پڑ جاتا ہے۔ اور سیلان منی کا عارضہ ہو جاتا ہے۔

۵۲۔ طیب: خوشبو اور اس کے بارے میں گذر چکا ہے۔

۵۳۔ طین: مٹی اور اس کے بارے میں احادیث موضوع ہیں۔ مثلاً جس نے مٹی کھائی اس نے اپنے قتل پر اعانت کی، مزاج کے اعتبار سے بارد۔ یابس ہے۔

۵۴۔ طلح: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا۔ طلح منضود۔ بعض مفسرین نے کہا ہے، کانٹے دار درخت کو کہتے ہیں۔ جس کے کانٹوں کے بیچ میں پھل ہو۔

۵۵۔ عنب : انگور۔ اس کا بیان بھی گذر چکا ہے۔ اور قرآن پاک میں چھ جگہ اس کا ذکر ہے۔

۵۶۔ عسل : شہد اس کا ذکر بھی گذر چکا ہے۔

۵۷۔ عجوۃ : کھجور اس کا ذکر بھی گذر چکا ہے۔

۵۸۔ عدس : (مسور) اس کے بارے میں جس قدر احادیث ہیں سب باطل ہیں۔ مثلاً: ستر انبیاء نے اس کو مقدس قرار دیا ہے۔ اور یہ کہ مسور نیکوں کا کھانا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس کو یہود نے من و سلویٰ کے بدلہ طلب کیا تھا۔ بہت ریاح پیدا کرتا ہے۔ بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے مہمانوں کے لیے اس کو دیا کرتے تھے۔ یہ باطل ہے۔

۵۹۔ غیث : قرآن پاک میں چند جگہ اس کا ذکر ہے۔ بارش کا پانی سب پانیوں میں بہتر ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ کہ بارش آگئی۔ آپؐ نے کپڑے اتار لیئے اور فرمایا: یہ ہمارے رب کے پاس سے ابھی آئی ہے۔

۶۰۔ فاتحۃ الکتاب اس کو ام القرآن بھی کہتے ہیں: یہ سورت فوز و فلاح کا خزانہ ہے۔ قوت کی حفاظت کرتی ہے غم کو دور کرتی ہے۔

۶۱۔ فاغیہ : (ایک خوشبو ہے۔) بیہقی نے اس کو سید الریاحین روایت کیا ہے۔ اور حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاغیہ بہت پسند تھا واللہ اعلم۔ ان دونوں حدیثوں کی صحت کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

۶۲۔ فضہ : یہ ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی۔ اور آپؐ کی تلوار کا دستہ بھی چاندی کا تھا۔ لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ

آپ نے چاندی کے برتنوں میں پینے، کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور برتنوں کا معاملہ لباس سے زیادہ تنگ ہے یہ عورتوں کے لیے مباح ہے لہٰذا برتنوں کی حرمت سے لباس کی حرمت ثابت نہیں ہو سکتی۔

۶۳۔ قرآن: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے بارے میں ارشاد فرمایا:

نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ ہم نے قرآن کو مومنین کے لیے شفا اور رحمت بنا کر اتارا ہے۔

۶۴۔ قثا: ککڑی۔ اس کا بیان بھی گذر چکا ہے۔

۶۵۔ قسط بحری: حدیث ام قیس میں ہے کہ عود ہندی کا استعمال کرو۔ اس میں سات فائدے ہیں" اور یہ ذات الجنب کو مفید ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سفید جس کو بحری کہتے ہیں اور دوسری ہندی۔

۶۶۔ قصب السکر: اس کے بارے میں ایک حدیث ہے:

"حوض میں پانی جو شکر سے زیادہ میٹھا ہے"۔ اور اس حدیث کے علاوہ کسی حدیث میں شکر کا لفظ مجھے معلوم نہیں ہے۔ اور متقدمین اطباء اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

۶۷۔ کتاب بخار کے لیے "کتاب التعویذ" مروزی نے کہا ہے کہ عبد اللہ نے کہا کہ مجھے بخار آیا۔ تو میرے لیے ایک پرچہ پر لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ وبِاللّٰهِ محمد رسول اللّٰه قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ اِشْفِ صَاحِبَ هٰذَا الْكِتَابِ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ وَجَبَرُوْتِكَ اِلٰهَ الْحَقِّ۔ آمین

میں نے ابو جعفر محمد بن علی سے روایت کیا۔ کیا میں تعویذ ٹانگ سکتا ہوں۔ فرمایا اگر کتاب اللہ یا کلام نبی سے ہو اور فرمایا۔ چوتھے دن کے بخار کے لیے یہ تعویذ

ہے

"باسم اللہ، وباللہ و محمد رسول اللہ"۔

اور امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اس قسم کے تعویذات کے بہت خلاف تھے اور ان کو برا مانتے تھے۔ امام احمد سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کوئی حرج نہیں ہے اگر تکلیف ہونے کے بعد ڈالا جائے۔ خلال نے کہا ہے کہ عبداللہ بن احمد نے بیان کیا کہ میرے والد بخار اور دہشت کے لئے تعویذ لکھ دیا کرتے تھے۔

ولادت۔ کیلئے امام احمد تنگی ولادت کو دور کرنے کے لیے۔ حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث پاک کسی چیز پر لکھ کر دیا کرتے تھے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ الحلیم الکریم سبحان اللہ العرش العظیم، الحمد للہ رب العالمین کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰھا۔ اور مروزی نے کہا ہے کہ ابو عبداللہ کو میں نے اکثر دیکھا ہے کہ وہ یہی لکھ کر دیا کرتے تھے۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گائے کے پاس سے ہو کر گذرے کہ اس کے بچہ پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ اس گائے نے کہا۔ آپ میرے لئے دعا فرمائیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

یا خالقَ النفس من النفسِ یا مُخلِصَ النفس من النفس و یا مخرج النفسِ من النفس خَلِّصْھا۔

چنانچہ فوراً ہی بچہ پیدا ہو گیا۔ اور فرمایا۔ جب عورت کو بچہ پیدا ہونے میں دشواری ہو تو یہ لکھ کر دینا چاہیے۔ اور بعض اسلاف نے قرآن پاک کی آیت کتابت کر کے پلانے کی اجازت دی ہے۔

دیگر۔ اگر پاک برتن میں لکھ کر یہ آیت پلائی جائے تو مفید ہے:۔

وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَحُقَّتْ ۔ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ

وَ اَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَ تَخَلَّتْ۔

اور اس کو اس کے پیٹ پر بھی چھڑکا جائے۔

نکسیر کیلئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ نکسیر والے کی پیشانی پر یہ لکھ دیا کرتے تھے۔

یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیَا سَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ

اور فرمایا۔ بہت سے آدمیوں کو یہ لکھ کر دیا تو آرام ہو گیا۔ بعض لوگ نکسیر کے خون سے لکھتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ خون ناپاک ہے اس سے کتابت جائز نہیں ہے۔

دیگر: حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعلیم فرمایا تھا۔

یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ۔

جاڑہ لرزہ: فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ بِحَوْلِ اللّٰهِ وَقُوَّتِهٖ

دیگر۔ سورج ڈھلے عصر کے وقت یہ لکھ دیا جائے۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

بخار کے لئے۔ تین پرچوں پر یہ لکھا جائے۔ بسم اللہ فرت۔ بسم اللہ مرت۔ بسم اللہ قلت اور اس کی گولی بنا کر روزانہ ایک کھالی جائے۔

عرق النساء۔ کیلئے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَیْءٍ وَمَلِیْكَ كُلِّ شَیْءٍ وَخَالِقَ كُلِّ شَیْءٍ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنْتَ خَلَقْتَ النِّسَاءَ فَلَا تُسَلِّطْهُ عَلَیَّ بِاَذًی وَلَا تُسَلِّطْنِیْ عَلَیْهِ بِقَطْعٍ وَاَشْفِنِیْ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سُقْمًا لَا شَافِیَ اِلَّا اَنْتَ۔

عرق الضارب: ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخار اور دیگر امراض کیلئے یہ سکھایا کرتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِیْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ مِنْ شَرِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔

دانتوں کا درد۔ جس طرف کے دانت میں درد ہو ادھر کے رخسار پر لکھ دیا جائے۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، قُلْ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔
دیگر: لَهٗ مَا سَكَنَ فِی الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔
دانت نکلنا: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا۔

۶۸۔ کماۃ۔ ایک گھاس ہے۔ آنکھوں کے لئے مفید ہے۔ صحیحین میں اس کے بارے میں حدیث موجود ہے۔ اور اس کا یہ نام اس وجہ سے ہوا ہے کہ زمین کو چھپا لیتی ہے عام طور سے ایسی زمین میں پیدا ہوتی ہے جس میں کچھ پیدا نہ ہوتا ہو۔ اور اس کا نام زمین کی چیچک بھی ہے اہلِ بادیہ کی خوراک ہے۔ اس کو پکا کر بھی کھاتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کماۃ مَن ہے" یعنی یہ بھی خودرو ہے اس کی کاشت نہیں کی جاتی۔

۶۹۔ کتم: بخاری نے عثمان بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ام سلمہؓ کے پاس گئے انھوں نے ہمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال دکھلائے وہ حناء اور کتم سے رنگے ہوئے تھے۔ اور سنن اربعہ میں ہے۔ کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جس چیز کا تم خضاب لگاؤ اس میں حناء اور کتم سب سے بہتر ہے۔

۷۰۔ کرم: انگور کے درخت کو کہتے ہیں۔ آپ نے انگور کے درخت کا نام کرم بولنے کو منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: کرم۔ رجل مومن ہوتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے مومن کا قلب ہوتا ہے۔

۷۱۔ کرفس: اس کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ ڈاڑھ کے درد کو مفید ہے۔

۷۲۔ کہ دث: اس میں بھی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

۷۳۔ لحم: گوشت متعدد جگہ اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے بارے میں علامہ نے بہت طویل بیان کیا ہے۔

۷۴۔ لبن: دودھ۔ چند جگہ قرآن پاک میں اس کا ذکر ہے۔ اور سنن میں چند احادیث مروی ہیں۔ (بہت تفصیلی بیان ہے۔)

۷۵۔ ماءٌ۔ پانی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ (بہت تفصیلی بیان ہے۔)

۷۶۔ مسک۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مشک سب سے زیادہ اچھی خوشبو ہے (تفصیلی بیان ہے۔)

۷۷۔ ملح: نمک۔ ارشاد فرمایا نمک تمہارے کھانوں کا سردار ہے۔

۷۸۔ نخل: قرآن پاک اور احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے اس کے بارے میں گذر چکا ہے۔

۷۹۔ نورہ: اس کے بارے میں چند احادیث ہیں۔ بیان کیا گیا ہے: حمام اور نورہ کی ایجاد حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی ہے۔

۸۰۔ نبق: (بیر) آدم علیہ السلام جب زمین پر آئے تو ان کی سب سے پہلی غذا بیر تھی۔ اور حدیث اسریٰ سدرۃ المنتہیٰ کے ذکر میں بیان فرمایا ہے کہ اس کے بیر مثل مٹکوں کے تھے۔

۸۱۔ ھندبا: اس کے بارے میں تین حدیثیں مروی ہیں۔

۸۲۔ یقطین: کدو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھا۔

٭ ٭ ٭

۷۵واں باب

حفظانِ صحت کے لئے اقوالِ زرّیں

میرے نزدیک یہی مناسب معلوم ہوا کہ میں اس عنوان پر اس باب کو ختم کردوں کیوں کہ اس میں بہت سے فائدے، اور نصائح اور اصول کلیہ ہیں۔ اس کو میں نے ابن ماسویہ کی کتاب المحاذیر سے بلفظہ نقل کیا ہے۔

اقوالِ زرّیں

۱۔ جس نے چالیس دن مسلسل پیاز کھائی اگر وہ بیمار ہوجائے تو اپنے اوپر ہی ملامت کرے۔

۲۔ جس نے فصد کرائی اور نمک کا استعمال کیا اگر اس کو تکلیف ہوجائے یعنی اگر اس کو خارش یا ہرکلاپن ہوجائے تو وہ اپنے اوپر ملامت کرے۔

۳۔ اگر کسی نے مچھلی اور انڈا کھایا اور اس کو فالج یا لقوہ ہوجائے تو وہ اپنے ہی نفس پر ملامت کرے۔

۴۔ جو پیٹ بھرے پر حمام میں داخل ہوا اور فالج زدہ ہوگیا وہ اپنے اوپر ہی ملامت کرے۔

۵۔ جس نے دودھ اور مچھلی کھائی اور اس کو جذام یا برص یا نقرس ہوجائے تو وہ اپنے اوپر ہی ملامت کرے۔

۶۔ اگر کسی نے دودھ اور نبیذ کھایا اور اس کو برص یا نقرس ہوجائے تو

اس کو اپنے اوپر ملامت کرنا چاہیے۔

۷۔ جس کو احتلام ہوا اور اس نے بلا غسل کئے اپنی اہلیہ سے وطی کر لی تو اس کے مجنون بچہ ہوگا۔

۸۔ جس نے ادھورا جماع کیا اس کے پتھری ہو جائے گی۔

۹۔ رات کو آئینہ دیکھنے سے لقوہ یا کوئی دوسری بیماری ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ ابن بختیشوع نے کہا ہے، انڈا اور مچھلی ایک ساتھ نہ کھاؤ۔ اس سے قولنج، بواسیر، دانتوں کا درد ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ انڈا کھانے سے چہرے پر داغ پڑ جاتے ہیں اور ہمیشہ مچھلی کھانے سے بھی ایسا ہو جاتا ہے۔

۱۱۔ حمام کے بعد فصد کرانے سے خارش ہو جاتی ہے۔

۱۲۔ بکری کی کلیجی ہمیشہ کھانے سے بانجھ پن ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ مچھلی کھانے کے بعد ٹھنڈے پانی سے نہانے میں فالج ہو جاتا ہے۔

۱۴۔ حائضہ عورت سے وطی کرنے سے جذام ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ ناقص جماع کرنے سے پتھری ہو جاتی ہے۔

۱۶۔ بقراط نے کہا ہے کہ مضر چیز کو کم استعمال کرنا چاہیے۔ صبح کو سویرے اٹھنے اور کم کھانے سے سستی دور ہوتی ہے اور تھکن نہیں ہوتی۔

۱۷۔ بعض حکماء نے کہا ہے کہ صحت کے لئے خالص غذا ہو۔ بھوک پر کھائے اور جب پیاس لگے تب پیئے۔ کم پانی پینا چاہیے۔ دوپہر کو کھانے کے بعد لیٹ جانا چاہیئے اور شام کے کھانے کے بعد کچھ چلنا چاہیئے۔ سونے سے پہلے بیت الخلاء جانا چاہیئے اور پیٹ بھر کر حمام میں نہ جانا چاہیئے۔ بوڑھی عورتوں سے جماع نہ کرے۔ یہ عمر کو کم کرتا ہے۔ اور جسم کو بیمار کرتا ہے۔

۱۸۔ یہی بات حضرت علیؓ سے مروی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ حارث بن کلدہ

طبیب عرب کا کلام ہے۔ حارث بن کلدہ نے کہا ہے جو آدمی زیادہ عمر اور صحت چاہے اس کو چاہیے کہ صبح کو سویرے اور شام کو پہلے غذا کھائے عورتوں سے صحبت کم کرے۔ اور حارث بن کلدہ نے کہا ہے کہ چار چیزیں بدن کو بوڑھا کرتی ہیں۔ بوڑھی سے جماع، دخول حمام پیٹ بھرے، خشک گوشت کھانا۔ اور پیچھے سے جماع کرنا۔ کہتے ہیں کہ جب حارث بن کلدہ کی موت کا وقت قریب ہوا تو لوگ اس کے پاس آئے اور بولے کہ کچھ نصیحت فرما دیجیے۔ جو آپ کے بعد کام آئے۔ جواب دیا۔ ہمیشہ جوان عورتوں سے نکاح کرنا۔ ہمیشہ پکا پھل کھانا۔ ہر مہینہ معدہ کو صاف کرنا چاہیے۔ دن کے کھانے کے بعد آرام کرنا چاہیے۔ رات کے کھانے کے بعد کچھ چلنا چاہیے اگرچہ چالیس قدم ہی کیوں نہ ہو۔

۱۹- کسی بادشاہ نے اپنے طبیب سے دریافت کیا کوئی بات بتلائیے! جواب دیا۔ ہمیشہ جوان عورت سے نکاح کرنا۔ لگاتار گوشت نہ کھانا۔ بیمار ہونے پر ہی دوا کرنا۔ ہمیشہ پکا پھل کھانا۔ کھانا خوب چبا کر کھانا دن کے کھانے کے بعد سونا۔ اور رات کے کھانے کے بعد ٹہلنا اگرچہ پچاس قدم ہی کیوں نہ ہو۔ بھوک لگے پر کھانا۔ پیشاب نہ روکنا۔ نیم مستی جماع نہ کرنا۔ جب تک پہلا کھانا ہضم نہ ہو جائے دوسرا نہ کھانا۔ ہر ہفتہ پیٹ کا تنقیہ کرنا۔ اور یاد رکھو۔ بہترین خزانہ تیرے بدن میں خون ہے۔ اس لئے ضرورۃً ہی اس کو نکالنا۔ حمام میں داخل ہونے سے پرہیز کرنا۔

۲۰- امام شافعیؒ نے فرمایا ہے چار چیزیں بدن کو قوت دیتی ہیں۔ گوشت کھانا۔ خوشبو سونگھنا۔ بغیر جماع کے کثرت سے غسل کرنا۔ اور سوتی کپڑا پہننا۔ اور چار چیزیں بدن کو کمزور کرتی ہیں۔ کثرتِ جماع۔ کثرتِ غم۔ کثرتِ شربِ آب

اور ترشی کثرت سے کھانا۔ اور چار چیزیں آنکھ کو قوت دیتی ہیں۔ کعبہ کی سمت کو منہ کر کے بیٹھنا۔ سونے کے وقت سرمہ لگانا۔ سبزہ زار کو دیکھنا۔ پاکیزہ مجلس میں بیٹھنا۔ اور چار چیزوں سے نظر کمزور ہوتی ہے۔ گندگی کو دیکھنے سے۔ سولی زدہ کو دیکھنے سے۔ عورت کی فرج کو دیکھنے سے اور قبلہ سے پشت کر کے بیٹھنے سے۔ اور چار چیزوں سے جماع میں زیادتی کی قوت آتی ہے۔ چڑیوں کا گوشت کھانا۔ اطریفل۔ فستق۔ خرنوب کھانے سے اور چار چیزوں سے عقل زیادہ ہوتی ہے۔ ترکِ فضولِ کلام۔ مسواک۔ مجالس علماء مجالس صلحاء۔

۲۱۔ افلاطون نے کہا پانچ چیزوں سے صحت کمزور ہو جاتی ہے۔ دوستوں کی جدائی غصہ پینے سے نصیحت نہ ماننا۔ جاہل کا عقلمندوں پر ہنسنا۔ مالداری کے بعد غربت۔

۲۲۔ مامون کے طبیب نے اس سے کہا۔ پیٹ میں جب کھانا ہو کھانا نہ کھاؤ۔ ایسا کھانا نہ ہو جس سے دانت زیادہ تھک جائیں۔ کثرت جماع سے پرہیز۔ بڑھیوں سے صحبت۔ بلاضرورت فصد۔ گرمیوں میں قے کرنا۔ ان چیزوں سے گریز کرنا چاہیئے۔

۲۳۔ کسی نے جالینوس سے کہا آپ کبھی بیمار نہیں ہوتے؟ جواب دیا۔ میں کھانے پر کھانا نہیں کھاتا۔ اور ایسا کھانا نہیں کھاتا جو ایذا دے۔

۲۴۔ چار چیزیں مریض بنا دیتی ہیں۔ کلام کثیر۔ نوم کثیر۔ طعام کثیر۔ جماع کثیر۔

۲۵۔ جالینوس نے اپنے شاگردوں سے کہا۔ تین چیزوں سے پرہیز کرو اور چار چیزوں پر عمل کرو تو تمہیں کسی طبیب کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ غبار، دھواں، بدبو سے بچو۔ روغن، خوشبو، میٹھی چیز اور حمام ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ پیٹ بھرے پر نہ کھاؤ۔ سبزہ زار پر پاخانہ نہ کرو۔ رات

کو آخروٹ نہ کھاؤ۔ کھٹاس نہ کھاؤ گرمیوں میں زیادہ گوشت نہ کھاؤ جاڑے والا دھوپ میں نہ لیٹے، بینگن نہ کھاؤ، جاڑے میں روزانہ گرم پانی نہ پیئو! سوس ۵ عدد تھوڑی مصطگی عود خام کے استعمال سے معدہ قوی ہوتا ہے۔ مغز تربوز شکر کے ساتھ کھانے سے پتھری نہیں رہتی اور پیشاب کی جلن دور ہو جاتی ہے۔

۲۶- چار چیزیں انسان کو کمزور کر دیتی ہیں۔ فکر، غم۔ بھوک۔ بیداری۔ اور چار چیزوں سے فرحت حاصل ہوتی ہے۔ سبزہ زار کو دیکھنے سے، نہر جاری کو دیکھنے سے محبوب اور پھل کو دیکھنے سے اور چار چیزوں سے بصارت کمزور ہوتی ہے: ننگے پیر چلنے سے۔ صبح و شام بغض رکھنے والے اور دشمن کو دیکھنے سے زیادہ رونے سے اور باریک تحریر پڑھنے سے اور چار چیزیں جسم کو قوت دیتی ہیں: نرم کپڑا پہننا۔ معتدل حمام میں داخل ہونا۔ طعام شیریں۔ خوشبو سونگھنا۔ اور چار چیزوں سے چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے: جھوٹ بولنا۔ گالی بکنا۔ کثرتِ سوال۔ کثرت فجور۔ اور چار چیزوں سے چہرے کی رونق بڑھتی ہے۔ مروت۔ وفا۔ کرم۔ تقویٰ۔ چار چیزوں سے بغض پیدا ہوتا ہے۔ کبر۔ حسد۔ کذب۔ چغل خوری۔ چار چیزوں سے رزق بڑھتا ہے۔ قیام لیل۔ کثرت استغفار سحر کو۔ صدقہ کرنا۔ صبح و شام ذکر کرنے سے چار چیزوں سے رزق گھٹتا ہے۔ صبح کو سونے سے کم نماز پڑھنے سے سستی سے خیانت سے۔ چار چیزوں سے عقل گھٹتی ہے۔ ترشی کھانے سے۔ اوندھا لیٹنے سے۔ اندیشہ کرنے اور غم کرنے سے۔ چار چیزوں سے عقل بڑھتی ہے، قلب کی فراغت (بے فکری) کم کھانے اور کم پینے سے۔ اچھی غذا سے۔ اخراج فضلات سے۔ اور وہ چیزیں جو عقل کو مضر ہیں۔ پیاز کھانا۔ اور بینگن کھانا۔ کثرت سے باقلا اور زیتون کا استعمال۔ کثرتِ جماع۔ کثرت سے ہنسنا۔ اور بعض اہل نظر

نے کہا ہے میرے نزدیک تین چیزوں کی کثرت عقل کے لئے مضر ہے۔ بینگن،

باقلا، زیتون۔

خاتمۃ الباب

یہ تمام چیزیں جن ہم نے طب علمی کی بیان کی ہیں۔ جو بہت نافع ہیں لیکن طب علمی طب انبیاء کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا

کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ اور ہم نے طب کے تین اصول قرآن پاک سے بیان کر دیئے ہیں، وہ اہل بصیرت کے لئے کافی ہیں۔ اور ان میں دنیا اور آخرت کی صلاح ہے۔ صلاح ابدان بھی ہے اور صلاح قلوب بھی ہے۔ اور وہ حفظ صحت کے لئے مرشد ہیں۔ یہ فرق ان ہی لوگوں کو معلوم ہو سکے گا جو انسانی طب اور طب نبوی پر نظر رکھتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت۔ علم۔ عقل۔ فطرت میں سب سے افضل ہے۔ حق سے زیادہ قریب ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام امتوں پر اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ ان کے رسول کو سب رسولوں پر فوقیت دی ہے۔ امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

تم ستر امتوں کے بعد ہوئے اور تم ان سب میں بہتر ہو اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہو۔

اس کرامت کا حال اس امت کے علوم اور عقول سے ہوتا ہے۔ یہی امت ہے کہ جس پر تمام امتوں کے علوم کھول دیئے گئے ہیں۔ اس امت کے اعمال اور درجات سب سے بڑے ہیں۔ اسی وجہ سے اس امت کا مزاج دموی ہے اور یہود کا صفراوی۔ اور نصاریٰ کا بلغمی ہے۔ اسی وجہ سے نصاریٰ میں فطانت کم اور بلادت زیادہ ہے۔ یہود پر غموم اور ھموم کا غلبہ ہے اور مسلمانوں پر عقل اور شجاعت کا غلبہ ہے۔ اور یہ اسرار حقائق وہی جان سکتا ہے

جس کا ذہن لطیف ہے اور علم زیادہ۔

وباللہ التوفیق

٭ ٭ ٭

۵۸واں باب

قضایا اور احکامات

اس باب سے عام شرائع کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ احکام. جرم میں آپ کی سیرت مبارکہ. بیان کرنا مقصود ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ آپؐ لوگوں میں کس طرح فیصلہ کیا کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ ہم قضایا اور احکامات کلیہ بیان کریں گے۔

اپنے غلام کو قتل کرنا

اوزاعی نے روایت کیا کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو قتل کر دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سو کوڑے لگوائے۔ اور ایک سال کے لئے اس کو شہر بدر کر دیا۔ اور اس کو امر فرمایا کہ ایک غلام آزاد کرے۔ اور اس سے قصاص نہیں لیا۔ اور امام احمدؒ نے روایت کیا ہے:-

من قتل عبده	جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اسے
قتلناه ؎	قتل کریں گے۔

یہ حدیث محفوظ ہے اس کو حسن نے حضرت سمرہ سے سنا ہے۔ اور یہ قتل

؎ امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے النفس بالنفس آلایۃ یعنی جان کے بدلے جان۔ اس میں آزاد اور غلام کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

تعزیر آ ہے۔ جو رائے امام پر موقوف ہے۔[1]

مقروض کو پکڑنا اور آپؐ نے ایک آدمی کو امر فرمایا کہ وہ اپنے مقروض کو پکڑے رہے۔ جیسا کہ ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور اسی روایت میں فرمایا ہے:۔

یا اخا بنی سھم ماترید ان تفعل باسیرک۔ — اے بھائی اپنے قیدی کے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔

اور ابو عبیدہ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے قاتل کے قتل کرنے اور روکنے والے کے گرفتار کرنے کا امر فرمایا۔ ابو عبیدہؓ نے روایت کیا ہے یعنی یحبسہ "گرفتار کر لینے کے لئے حتیٰ کہ اس کو موت آجائے۔ اور عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں حضرت علیؓ سے بھی یہی روایت کیا۔

قاتل اور ولی مقتول صحیح مسلم میں ہے کہ ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ فلاں آدمی نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ قاتل نے اعتراف بھی کر لیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: تم اس کو پکڑ لو! جب وہ پکڑ کر لے جانے لگا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: اگر اس نے قاتل کو قتل کر دیا تو یہ بھی قاتل ہو جائے گا۔ وہ آدمی واپس ہوا اور عرض کیا۔ میں نے تو صرف آپؐ کے فرمانے کی وجہ سے پکڑا تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: کیا تیرا ارادہ یہ تھا کہ اس کا اور اس کے صاحب کا دونوں کا گناہ سمیٹے۔ فرمایا۔ ہاں! اس کے بعد اس کو آزاد کر دیا۔[2]

امام احمد نے اپنی سند میں حدیث روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدمی کو قتل کر دیا یہ معاملہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے قاتل کو ولی مقتول کے سپرد کر دیا۔ قاتل نے

---

[1] بذل المجہود میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ص ۱۶۷، ج ۵، [2] رواہ ابو داؤد۔

عرض کیا۔ حضورؐ میں نے جان بوجھ کر قتل نہیں کیا۔ تب آپؐ نے ولی سے فرمایا: اگر یہ سچا ہے اور پھر تو نے قتل کر دیا تو تو دوزخ میں جائے گا۔ چنانچہ اس نے اسکو چھوڑ دیا۔[1]

باندی کا قاتل

صحیحین میں ہے کہ ایک یہودی نے ایک باندی کا سر اس کے زیور کے لالچ میں دو پتھروں سے کچل دیا اور پکڑا گیا۔ اور اس کے بعد اس نے اعتراف بھی کر لیا۔ جناب رسول اللہؐ نے حکم فرمایا: اس کا سر بھی دو پتھروں سے کچل دیا جائے۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے۔ اور یہ بھی ہے کہ جیسا مجرم نے کیا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ اور یہ بھی ہے کہ قتل ایک قانونی جرم ہے اسکے لیے اولیائے مقتول کی اجازت کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے سپرد کرنے کی ضرورت ہے۔ (کہ وہ ہی انتقام لے) اور آپ نے یہ فرمایا کہ چاہو اس قاتل کو قتل کر دو اور چاہو معاف کر دو۔ بلکہ اس کو قتل ہی کرا دیا۔ اور یہی مذہب امام مالکؒ کا ہے۔ اور یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے۔ اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ اس یہودی کو نقض عہد کی وجہ سے قتل کرایا تھا یہ غلط ہے۔ کیونکہ نقض عہد کی وجہ سے سر نہیں کچلا جاتا بلکہ تلوار سے قتل کیا جاتا ہے۔[2]

---

[1] رواہ ابوداؤد۔ [2] یہ واقعہ ابوداؤد میں متعدد طرق سے کمی اور زیادتی کے ساتھ مذکور ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ قتل کا بدلہ قتل کس طرح کیا جائے۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ جیسا کیا ہے ویسا ہی قاتل کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ اور ان حضرات کی دلیل یہی واقعہ ہے جس کو ابوداؤد اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے لیکن امام طحاوی اور ابوداؤد الطیالسی نے روایت کیا ہے "لاقود الا بالسیف"۔ قتل کی سزا باقی صفحہ ۱۳۹ پر

حاملہ عورت کو مارنا صحیحین میں ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں میں سے ایک نے دوسری حاملہ عورت کو پتھر مارا اور وہ مرگئی۔ اور اس کا بچہ بھی پیٹ میں مرگیا اور باہر نکل آیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کے بدلہ تو غلام لڑکا یا غلام لڑکی دلائی اور عورت کے بدلہ قاتلہ کے وارثوں سے دیت دلائی۔ اور نسائی میں ہے کہ اس کو قتل کر دیا۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس کو قتل نہیں کرایا تھا[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے۔

قسامت اگر قاتل کا پتہ نہ چلے۔ صحیحین میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اور انصار کے درمیان ایک فیصلہ کیا؟ آپؐ نے حویصہ، محیصہ، عبد الرحمٰن۔ ان تینوں سے فرمایا کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تم اپنے مقتول کے خون کے مستحق ہو، انھوں نے جواب دیا۔ ہم نے نہ قاتل کو دیکھا اور نہ اس کا مشاہدہ کیا۔ تب آپؐ نے فرمایا۔ تو یہودیوں سے پچاس قسم لے کر ان کو چھوڑ دو۔ عرض کیا۔ ہم قوم کفار سے قسم نہیں لے سکتے۔ پس جناب رسول اللہؐ نے اس کی دیت اپنے پاس سے ادا کی۔ احادیث کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ بعض میں ہے اپنے پاس سے دیت دی۔ اور بعض میں ہے کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ادا کی۔ اور ابو داؤد میں ہے کہ اس کی دیت یہود پر ڈالی گئی کیوں کہ مقتول ان کے محلہ ہی میں پایا گیا تھا۔ اور مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ آپؐ نے قسم لینے

(بقیہ صفحہ ۱۳۸) کا صرف تلوار ہی کے ذریعہ دی جا سکتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام جرم وسزا کے معاملہ میں درندگی کی حمایت میں نہیں ہے۔ ابو داؤد کی مذکورہ روایت سنہ ھ کے بعد منسوخ قرار دیدی گئی ہے بذل ص ۳، ج ۵ [1] ابو داؤد میں یہ واقعہ چند اسنادسے ذکر ہے۔ علامہ نے صرف ایک سند سے ذکر کیا ہے۔ اس بارے میں علمائے احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

کی ابتدا یہود سے کی تو انھوں نے انکار کر دیا۔ پھر انصار سے فرمایا تو انھوں نے بھی انکار کر دیا۔ تو اس کی دیت یہود پر رکھ دی گئی اور اس میں آپؐ نے کچھ ان کی اعانت فرمائی۔[1]

اس فیصلہ سے چند امور ثابت ہیں۔ قسامت کا حکم، شرعی حکم ہے اور دین ہے۔ اور دونوں فریق سے قسم لینا، یہی مسلک اہل مدینہ کا ہے۔ اہل عراق کہتے ہیں دونوں فریق میں سے کسی کو قتل نہ کیا جائے گا۔ امام احمدؒ کہتے ہیں: قسامت میں قتل کیا جائے گا، لعان میں نہیں۔ اور امام شافعی صاحبؒ کا مسلک اسکے خلاف ہے۔

۳۔ اہل ذمہ جب کسی حق کا انکار کر دیں تو عہد ذمہ ٹوٹ جاتا ہے۔

۴۔ اہل ذمہ کا فیصلہ بھی اسلام کے مطابق کیا جائے گا۔

کنویں میں ڈوبنے والے

چار آدمی کنویں میں گر گئے تھے۔ اور وہ ایک دوسرے کو پکڑنے کی وجہ سے سب ہلاک ہو گئے۔ امام احمد نے ذکر کیا ہے۔ ان لوگوں نے یمن میں ایک کنواں کھودا تھا۔ اس میں سے ایک آدمی کنویں میں رپٹ گیا تو دوسرے نے اس کو پکڑا۔ پھر تیسرے نے اور پھر چوتھے نے۔ غرضکہ چاروں ہلاک ہو گئے ان چاروں کے اولیائے نے حضرت علیؓ کی عدالت میں دعویٰ کیا حضرتؓ نے حکم دیا جس نے کنواں کھودا وہ چوتھائی دیت دے گا۔ اور اس کے بعد دوسرا آدمی ایک تہائی دے گا۔ اس کے بعد دوسرا اور تیسرا آدھی آدھی دے گا کیونکہ اس کے بعد ایک مرا۔ اور چوتھے کی پوری دیت ہوگی۔ آئندہ سال جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا آپؐ نے فرمایا: وہ فیصلہ درست ہوا ہے۔ بزار نے ایسے ہی بیان کیا ہے لیکن مسند امام احمدؒ میں اتنا اضافہ ہے کہ ان کے وارثوں نے پہلے حضرت علیؓ

[1] اوجز ص ۵۲۵ ج ۵۔

کے فیصلہ سے انکار کر دیا تھا۔ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اس وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں مقام ابراہیم پر تھے۔

سوتیلی ماں سے نکاح

احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ براءؓ بن عازب نے فرمایا: میں نے اپنے ماموں سے ملاقات کی ان کے پاس ایک جھنڈا تھا۔ انھوں نے کہا: مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ آپ اس آدمی کو تلاش کریں جس نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا ہے۔ میں اس کو قتل کر دوں گا اور اس کا مال ضبط کر وں گا۔ اور تاریخ ابن ابی خیثمہ میں ہے کہ اس آدمی کو قتل کر دیا گیا۔ اور اس کے مال پر قبضہ کر کے اس میں سے خمس لیا گیا[1] اور ابن ماجہ میں ہے:۔

من وقع ذات محرم فاقتلوه۔	جس نے محرم عورت سے زنا کیا اس کو قتل کر دو۔

اور جوزجانی نے ذکر کیا ہے: حجاج کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا اس نے اپنی بہن سے نکاح کر لیا تھا۔ اس نے کہا اس کو بند کر دو اور جو صحابہؓ موجود ہوں ان سے دریافت کرو، چنانچہ عبد اللہ بن مطرفؓ تھے۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:۔

جو مومنین کے محرمات پر گذرا اس کے بیچ سے تلوار نکال دو۔

امام شافعیؒ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ ایسے مجرم پر حد زنا جاری

---

[1] وجہ اس کی دراصل یہ ہے کہ یہ آدمی اس کو حلال جانتا تھا۔ اور جو آدمی حلال کو حرام جانے وہ مرتد ہو جاتا ہے تو اس آدمی کو ارتداد کی وجہ سے قتل کیا تھا ص ۱۵۰۔ ج ۱۔

کی جائے گی۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا۔ اگر اس نے عقد کر کے وطی کی تھی تو صرف تعزیر ہوگی اور اس پر حد نہیں ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ احق اور اولیٰ ہے۔[1]

ام ولد پر تہمت ابن سکن وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ماریہؓ کے چچازاد بھائی پر یہ تہمت تھی کہ اس کا تعلق حضرت ماریہ سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: جاؤ۔ اگر اس کو ماریہ کے پاس دیکھو تو قتل کر دو۔ حضرت علیؓ گئے اور اس کو نکالا۔ اتفاق سے اس کا تہبند گر گیا۔ دیکھا تو وہ مجبوب تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ باغ میں تھا اور کھجوریں جمع کر رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے جو تلوار دکھائی وہ ڈر گیا اور اس کا تہبند گر گیا دیکھا تو وہ مجبوب تھا۔

اس حدیث میں چند طرح سے اشکال کیا گیا ہے۔ بعض نے اسناد پر کلام کیا ہے لیکن بات یہ ہے کہ اس حدیث کی تاویل کی جائے گی۔ یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد قتل نہ تھا۔ اس کو تلوار سے ڈرانا تھا جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دو عورتوں کو بچہ کے معاملہ میں صرف قتل کی دھمکی دی تھی۔ اور اس سے حضرت ماریہؓ کی برأت ظاہر کرنی مقصود تھی۔

دو گاؤں کے بیچ میں امام احمد نے روایت کیا ہے کہ ایک مقتول دو گاؤں کے درمیان پایا گیا۔ حضورؐ نے اس کی پیمائش کا حکم صادر فرمایا اور جس گاؤں سے قریب تھا اس پر فیصلہ کر دیا گیا۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے۔ اس میں پہلے مدعی علیہم پر قسم دی جائے گی۔ اور اگر وہ انکار کریں تو

---

[1] یہ مشہور حدیث ہے کہ شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ حنفیہ نے اس جیسے موقعہ پر شبہ فی المحل قرار دے کر حد کو ساقط قرار دیا ہے اور تعزیر کو مقرر فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں یہ رائے امام پر موقوف ہے۔ بذل ص ۱۵۰ ج ۵۔

مدعیین کو قسم دی جائے گی اور اگر دونوں انکار کریں تو نصف دیت مدعی علیہم پر ہوگی۔

زخم آرام ہونے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بارے میں فیصلہ فرمایا: اس کے دوسرے آدمی نے پیر میں سینگ مار دیا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ علی اللہ علیہ وسلم میرا قصاص لیجئے۔ فرمایا: جب تیرا زخم آرام ہو جائے گا۔ دوسرے آدمی نے انکار کر دیا۔ وہ کہتا تھا کہ فوراً دلایا جائے جب پہلا آدمی صحیح ہو گیا تو آپؐ نے قصاص دلایا۔ تو دوسرا آدمی لنگڑا ہو گیا۔ اس نے کہا میں لنگڑا ہو گیا۔ اور میرے ساتھی کو آرام ہو گیا تب آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا جب تک آرام نہ ہو جائے اس وقت تک قصاص نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تجھ سے دور رکھا۔

دانت کا قصاص حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے کہ بنت نضر نے ایک باندی کے چپت مار دیا اس کے دانت گر گئے۔ اور معاملہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا آپؐ نے قصاص کا حکم فرمایا۔ اس کی ماں نے عرض کیا۔ حضورؐ! آپ اس کا قصاص نہ لیں۔ آپؐ نے فرمایا: کتاب اللہ کا حکم یہی ہے۔ اس کی ماں نے عرض کیا حضورؐ! قصاص نہ لیں، اس اصرار پر اس باندی کی قوم نے اس قصاص کو معاف کر دیا اور دیت پر راضی ہو گئے۔ تب حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ مَنْ لَوْ اَقْسَمُوْا عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔	اللہ کے بندوں میں سے ایسے بھی ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو وہ پورا کرے گا۔

کاٹ لینا ایک آدمی نے دوسرے کے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ جب اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے نکالا تو اس کے سامنے کے دانت گر گئے۔ یہ معاملہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا آپؐ نے فرمایا: اس پر کوئی دیت نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی آدمی ظالم کے ہاتھ سے اپنا مال یا جان چھڑائے اور اس میں ظالم کا نقصان ہو جائے تو وہ معاف ہے۔

بغیر اجازت جھانکنا حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی آدمی دوسرے کے گھر میں بلا اجازت جھانک لے۔ اور اس کی آنکھ کوئی پتھر مار کر پھوڑ دے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ فقہاء حدیث نے یہی کہا ہے۔ امام احمد، امام شافعی کا یہی مسلک ہے امام ابو حنیفہ، امام مالک اس کے خلاف ہیں۔

قاتل اگر حاملہ ہو اگر کسی حاملہ عورت نے کسی کو عمداً قتل کر دیا تو وضع حمل تک اس کو قصاصاً قتل نہ کیا جائے گا۔ ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

لا یقتل الوالدۃ بالولد۔	والدہ کو بچہ کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے گا۔

اور آپؐ نے فیصلہ فرمایا: کسی مومن کو کافر کے بدلہ قتل نہ کیا جائے گا۔ اور آپؐ نے ہاتھ اور پیروں کی انگلیوں کی دیت دس دس اونٹ مقرر فرمائی اور ہر ہر دانت کی دیت پانچ اونٹ مقرر فرمائی۔ اور دانتوں میں سب میں برابری ہے۔ اور اگر آنکھ پھوٹ جائے تو ایک تہائی دیت اور اگر ہاتھ کاٹا جائے تو ثلث دیت اور ناک کاٹنے پر پوری دیت ہے۔

حد زنا صحیح بخاری میں ہے کہ بنی اسلم کا ایک آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور زنا کا اعتراف کیا آپؐ نے اس سے اعراض فرمایا اور اس نے چار مرتبہ آکر یہی اعتراف کیا تب آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تجھے جنون ہے عرض کیا نہیں، فرمایا کیا تو محصن ہے؟ عرض کیا ہاں۔ اس کو عیدگاہ میں لایا گیا اور وہاں اس پر رجم کیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ آپؐ نے اس کے بارے میں کلمات خیر فرمائے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی (اختلاف روایات کے بعد) اور بخاری نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ شاید تو نے بوسہ لیا ہو۔! شاید تو نے بھینچ لیا ہو۔ یا دیکھ لیا ہو۔ اس نے عرض کیا نہیں بلکہ میں نے زنا کیا ہے۔ اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے: میں نے ایسا کیا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے۔ اور رسی کنویں میں جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تو جانتا بھی ہے۔ زنا کیا ہے۔ عرض کیا میں نے اس کے ساتھ فعل حرام کیا ہے جیسا کہ فعل حلال آدمی اپنی عورت کے ساتھ کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: پھر کیا چاہتا ہے۔ عرض کیا۔ آپ مجھے پاک کر دیجئے۔! اور سنن میں یہ ہے کہ جب اس پر پہلا پتھر پڑا تو بولا۔ لوگو! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو میری قوم نے مجھے قتل کر دیا۔ اور دھوکہ دیا۔ انھوں نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھے قتل نہیں کریں گے۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ "غامدیہ" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے آکر عرض کیا۔ آپؐ مجھے پاک کر دیجئے۔ آپؐ نے اس کو بھگا دیا۔ اس نے اگلے دن آکر پھر یہی کہا۔ اور ماعز کی طرح اس کے ساتھ بھی معاملہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ جب تیرے بچہ پیدا ہوجائے تب آنا۔ جب بچہ پیدا ہوگیا تو وہ بچہ کو لیکر آئی۔ آپؐ نے فرمایا۔ جا جب تک یہ بچہ دودھ پیئے! اس کے بعد آنا۔ جب بچہ روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لینے لگا تو آکر بولی حضورؐ! میں نے اسکا

دودھ چھڑا دیا ہے۔ آپؐ نے اس بچہ کو ایک آدمی کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد اس کے رجم کے لئے فرمایا۔ ایک گڑھا کھودا گیا کہ اس کے سینہ کے برابر گہرا تھا اس کے بعد رجم کا حکم دیا۔ ایک پتھر حضرت خالد بن ولید کی جانب سے اس کے سر پر پڑا۔ اور اس کے سر سے خون نکل کر حضرت خالدؓ پر پڑا۔ انھوں نے اسکو برا کہنا شروع کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کہو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل زمین پر تقسیم کر دی جائے تو مغفرت ہو جائے۔ اور آپؐ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

بخاری نے روایت کیا ہے کہ جس آدمی نے زنا کیا اور وہ محصن تھا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حد قائم کرنے کا اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

صحیحین میں ہے کہ ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا میں آپؐ کو خدا کی قسم دیتا ہوں آپؐ ہمارے درمیان کتاب اللہ کی کے مطابق فیصلہ فرمائیے۔ مدعی علیہ نے عرض کیا: یہ سچ کہتا ہے آپؐ ہمارے درمیان کتاب اللہ کی رو سے فیصلہ فرمائیے اور مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہو عرض کیا میرا بیٹا کنوارا تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا۔ اور اس کا فدیہ ایک سو بکریاں اور ایک خادم دیدیا گیا میں نے جب اہل علم سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ تیرے لڑکے کے سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائیگا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: میں کتاب اللہ کے مطابق ہی فیصلہ کروں گا۔ بکریاں اور خادم تو تجھے واپس ملنا چاہیے۔ اور تیرے لڑکے کے سو کوڑے لگیں گے۔ اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا۔ اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ اور اے انس صبح کو اس کی بیوی کے

پاس جاؤ۔ جب اس سے دریافت کیا تو اس نے اعتراف کرلیا، اور اس کو رجم کر دیا گیا۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

الثیب بالثیب جلد مائة والرجم والبکر بالبکر جلد مائة و تغریب عام۔	ثیبہ کو ثیبة ہونے کی وجہ سے سو کوڑے اور رجم اور باکرہ کو کنوارے پن کی وجہ سے سو کوڑے اور ایک سال کے لئے شہر بدر۔

یہ فیصلے ثابت کر رہے ہیں کہ ثیبہ کو رجم کیا جائے گا۔ اور اس وقت رجم کیا جائیگا جب وہ چار مرتبہ اقرار کرلے اور جب تک چار مرتبہ اقرار نہ کرے امام اس سے اعراض ہی کرے گا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ مصلی (عیدگاہ) میں اقامت حد جائز ہے الخ۔ اور حدیث الثیب بالثیب الخ منسوخ ہے یہ حکم ابتدار میں تھا۔ اور اگر مجرم عقوبت سے جاہل ہو تو اس پر سے حد ساقط نہ ہوگی۔

اہل کتاب پر حدود صحیحین میں ہے کہ یہودی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان کا ایک مرد اور ایک عورت زنا کے مرتکب ہوگئے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اس کے بارے میں توریت میں کیا حکم ہے بولے تذلیل اور کوڑے مارنا۔ عبد اللہ بن سلام نے عرض کیا یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ توریت میں ان کی سزا رجم ہے۔ چنانچہ توریت لائی گئی تو انھوں نے آیت رجم پر انگلی رکھ لی۔ اور اس کے پہلے اور بعد کی عبارت پڑھ لی۔ حضرت عبد اللہ بن سلام نے وہاں سے انگلی علیحدہ کرائی تو وہی حکم رجم تھا تب وہ بولے آپ نے سچ فرمایا تھا۔ تب آپ نے رجم کا حکم صادر فرمایا۔ اس فیصلہ سے یہ ثابت ہوا کہ احصان کیلئے اسلام شرط نہیں ہے۔ اور یہی مسلک

اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ اہل ذمہ کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کیا جائے گا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ اہل ذمہ کی شہادت ان کے حق میں مقبول ہے۔ چنانچہ سنن میں ایسا ہی مروی ہے کہ آپ نے ان سے شہادت طلب فرمائی۔

عورت کی باندی

قتادہ نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی جس کا نام عبدالرحمٰن تھا اس نے اپنی بیوی کی باندی سے زنا کر لیا تو یہ واقعہ نعمان بن بشیرؓ امیر کوفہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ انھوں نے فرمایا۔ میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔ اور اس کے سو کوڑے لگوائے ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے اسناد میں اضطراب ہے۔ میں نے امام بخاری سے سنا ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ قتادہ نے حبیب سے نہیں سنا۔ اور امام نسائی نے بھی اس کو مضطرب قرار دیا ہے۔ ابو حاتم رازی نے کہا ہے۔ اس کی سند میں خالد بن عرفطہ ایک مجہول راوی ہے۔ اور سنن میں ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کی باندی سے وطی کر لی۔ تو آپؐ نے فرمایا اگر اس آدمی نے زبردستی ایسا کیا ہے تو وہ باندی آزاد اور اس کی مالک کے لئے اس کی قیمت ہے اور اگر رضامندی سے ایسا کیا ہے تو وہ باندی زانی کی ہے اور اس کی مالک کیلئے اس کی قیمت ہے۔

اس پر علماء کا اختلاف ہے۔ امام احمدؒ نے ظاہر حدیث کو اختیار کیا ہے۔ اور قواعد شریعت کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے تو تعزیر ساقط نہیں ہو سکتی اور تعزیراً اس کے سو کوڑے لگیں گے اور دوسری حدیث کو امام نسائی نے غیر صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ اس کا ایک راوی معروف نہیں ہے۔ اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں کہا

ہے کہ اس حدیث میں نظر ہے۔ اور ابن منذر نے کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے اس حکم کو منسوخ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حکم قبل نزول حد زنا تھا۔

حدِ قذف حضرت عائشہؓ کی براءت کے بارے میں جب اللہ تعالیٰ نے حکم نازل فرمایا تو آپؐ نے دو آدمیوں اور ایک عورت پر حد قذف جاری فرمائی۔ وہ دو آدمی حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ ہیں اور عورت حمنہ بنت جحش ہے۔ ان پر آپؐ نے حد قذف جاری کی۔ اور جس آدمی نے اپنا دین بدل دیا اس کے قتل کا حکم فرمایا۔ اس بارے میں عورت یا مرد کی تخصیص نہیں ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ام قرفہ کو قتل کرایا وہ اسلام کے بعد مرتد ہو گئی تھی۔

حدِ خمر اور شراب پینے والے کے لئے آپؐ نے ڈنڈے اور جوتے سے مارنے کا حکم فرمایا۔ اس کے چالیس کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی ایسا ہی کیا اور مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ آپؐ نے اسی کوڑے لگوائے اور حضرت علیؓ نے چالیس کوڑوں کو روایت کیا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے پورے اسی کوڑے لگوائے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ آپؐ نے چوتھی یا پانچویں دفعہ قتل کر دینے کا حکم فرمایا۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور اس کا ناسخ یہ حدیث ہے:

لا یحل دم امرئٍ مسلمٍ الا باحدیٰ ثلاث	تین چیزوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ یہ محکم ہے۔ اس میں تعارض نہیں ہے۔ اور کہا گیا ہے اس کا ناسخ عبد اللہ بن حمار کی حدیث ہے کہ وہ چند مرتبہ حاضر کیے گئے۔ اور آپ نے قتل

نہیں کرایا بلکہ کوڑے لگوا دیے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قتل سیاسۃً ہے اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اس آدمی کو میرے پاس لاؤ۔ جس نے چوتھی مرتبہ یہی ارتکاب کیا ہے۔ میں اس کو قتل کر دوں گا۔ اور قتل کی روایت کرنے والے معاویہؓ۔ ابو ہریرہؓ۔ ابن عمرؓ۔ عبداللہ بن عمروؓ۔ قبیصہ ہیں اور حدیث قبیصہ میں ہے کہ قتل حداً نہیں تھا۔ اور اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ حدیث متفق علیہ کا کیا جواب ہے؟۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کوئی تعداد خاص مقرر نہیں کی ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہؓ سے مشورہ کے بعد اس کی تعداد اسّی مقرر فرما دی۔ اور پھر حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں چالیس کوڑے لگوائے۔ اور فرمایا یہ میرے نزدیک اچھا ہے [1] اس سے یہ ثابت ہوا کہ چالیس کوڑے تو حد کے طور پر تھے اور اسّی تعزیراً تھے اور قتل کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے۔

حد سرقہ

آپ نے بقدر تین درہم کی قیمت کی چیز کے چور کا ہاتھ کاٹا اور ارشاد فرمایا۔ کہ چوتھائی دینار سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور اس کو امام احمدؒ نے ذکر کیا ہے اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ نے ڈھال کی قیمت سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا۔ اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی اس چور پر لعنت ہو جس نے رسی چرائی اور ہاتھ کاٹا گیا اور بیضہ چرایا اور ہاتھ کاٹا گیا۔

---

[1] اس واقعہ میں اضطراب ہے۔ ایک سند سے چالیس کوڑے مروی ہیں۔ اور دوسری سند سے اسّی کوڑے مروی ہیں اسّی کی روایت کو امام بخاری نے اختیار کیا ہے اور یہی مشورہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو دیا تھا۔ بذل ص ۱۵۰ ج ۵۔

کہا گیا ہے کہ اس جگہ رسّی سے مراد کشتی کی رسّی اور بیضہ سے مراد لوہے کا بیضہ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسی سے مراد ہر رسی اور بیضہ سے مراد ہر بیضہ ہے۔ اعمش نے کہا ہے۔ محدثین نے اس سے بیضۂ حدید مراد لیا ہے۔ اور رسی سے مراد وہ ہے جو چند درہم کے مساوی ہو[1]

اور حکم اس عورت کا جو دوسروں کی چیزیں مانگ لاتی تھی اور پھر انکار کر دیتی تھی۔ ہاتھ کاٹنا ہے[2] اور امام احمد نے فرمایا ہے کہ اس حکم کا کوئی معارض نہیں ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچکے۔ اور خائن کا قطعِ ید نہیں فرمایا اور عاریت کا منکر چور کے حکم میں داخل ہے کیوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے قطع ید کو فرمایا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

قسم خدا کی اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چرائیگی تو اسکا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

اس جگہ عاریت کے منکر کو آپ نے چور کے حکم میں داخل فرمایا ہے جیسا کہ ہر نشہ کو شراب کے حکم میں داخل فرمایا۔ (قابل غور ہے)

---

[1] نصاب سرقہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس میں بیس سے زیادہ قول ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے ایک دینار یا دس درہم۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دینار برابر دس درہم کے ہوتا تھا اور اس وقت ایک ڈھال کی قیمت دس درہم تھی یہی روایت زیادہ قوی ہے۔ اور جز مص‍ ج ۶۔

[2] علامہ نے اس جگہ صرف امام احمد کا مسلک نقل کیا ہے اور اس کی تائید میں ایک واقعہ پیش کر دیا۔ لیکن یہ واقعہ مجمل بیان کیا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ یہ ایک عورت قریشیہ تھی۔ یہ لوگوں کی چیزیں مانگ کر واپس نہیں کرتی تھی۔ ایک مرتبہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے ایک چادر چرا لائی۔ جب اس سے دریافت کیا گیا تو انکار کر دیا۔ تب لوگوں کو پریشانی ہوئی اور حضرت اسامہؓ کے پاس آئے کہ حضور سے شفاعت کی جائے کہ وہ اس عورت کا ہاتھ نہ کاٹیں (باقی صفحہ ۱۵۲ پر)

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمر کے چور سے حد ساقط فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ جس نے (باغ میں) کچھ کھایا اور وہ ضرورت مند تھا اس پر کچھ نہیں اور جو باہر نکال لایا اس پر مثلی جرمانہ ہے۔ اور اگر اس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر قطع ید ہے۔

اور وہ بکری جو چراگاہ سے چرائی گئی اس کی قیمت دوچند اور چند کوڑے ہے۔ اور اگر تھان پر سے چرائی گئی تو قطع ید ہے اگر اس کی قیمت ڈھال کے برابر ہے اور آپؐ نے صفوانؓ بن امیہؓ کی چادر کے چور کا قطع ید کیا۔ حضرت صفوانؓ نے چاہا بھی کہ اس کو ہبہ کر دیں تو آپؐ نے فرمایا نہیں۔ میرے پاس لانے سے پہلے ایسا کیوں نہیں کیا تھا۔

مسلمان کو گالی دینا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی کا خون معاف کر دیا۔ اس کے نابینا آقا نے اس کو گالی دینے کی بنا پر قتل کر دیا تھا۔ اور آپؐ نے یہودیوں کی ایک جماعت کو محض گالیاں دینے کی وجہ سے قتل کرایا تھا۔ اور فتح مکہ کے موقعہ پر چند لوگوں کے علاوہ سب کو معاف کر دیا تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ایذا دیا کرتے تھے اور ان کو گالیاں دیا کرتے تھے۔ یہ چار مرد تھے اور دو عورتیں تھیں۔ اور آپؐ نے کعب بن اشرف یہودی کے بارے میں فرمایا تھا: اس کو کون قتل کرے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے۔ اسی طرح ابو رافع کا خون معاف کر دیا تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ابو برزہ اسلمی سے فرمایا انہوں نے اس آدمی کے قتل کا ارادہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۱ کا) تب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کریگی تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ الخ لیکن علامہ نے بات کو بالکل بدل دیا حقیقت یہ ہے کہ یہ قطع، چوری کی وجہ سے تھا نہ کہ عاریۃ سے انکار کی بنا پر۔ اوجز ص ۸۳ ج ۶۔

کہا جو حضرت ابو بکرؓ صدیق کو برا کہا کرتا تھا۔ فرمایا: نہیں! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب یہ کسی کا حق نہیں ہے۔ اور حضرت علیؓ نے روایت کیا کہ ایک یہودیہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا کرتی تھی۔ ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا۔ آپؐ نے اس کے خون کو معاف کر دیا۔ اور اصحاب سیر اور مغازی نے ذکر کیا ہے کہ ایک عورت حضورؐ کی ہجو کیا کرتی تھی۔ ایک آدمی نے اس کو قتل کر دیا۔ اور آپؐ کو خبر دی۔ آپؐ نے اس کا خون معاف کر دیا۔ اسی طرح دس سے زیادہ حدیثیں جو صحیح اور حسن اور مشہور ہیں اس بارے میں مروی ہیں۔ اور اس پر اجماع صحابہ بھی ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے فرمایا:

جس نے اللہ یا اس کے رسول کو برا کہا یا کسی نبی کو برا کہا اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ اگر اس نے توبہ کر لی تو بہتر ورنہ اسکو قتل کر دیا جائے گا۔ اور جس معاہد نے ایسا کیا۔ تو اس کا عہد ٹوٹ گیا۔ اسکو قتل کر دو۔

اور اس بارے میں حضرات صحابہ سے بہت سے آثار مروی ہیں۔ اور ائمہ نے اس کے قتل پر اجماع بھی نقل کیا ہے اور ہمارے شیخ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد اجماع صحابہؓ و اجماع تابعین ہے۔ اور جس آدمی نے آپؐ کے فیصلہ پر اعتراض کیا آپؐ نے اسکو قتل نہیں کرایا۔ مثلاً: ایک آدمی نے کہہ دیا:

انصاف فرمایئے آپؐ نے انصاف نہیں کیا ہے۔

بہر حال یہ ترکِ قتل آپؐ کا حق تھا۔ آپؐ کو اختیار تھا۔ چاہے وصول فرمائیں یا معاف کر دیں لیکن امت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کو وصول کرنے سے گریز کرے۔

ساحر کا حکم

ترمذی نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔

حد الساحر ضربہ بالسیف۔ ساحر کی حد اس کو تلوار سے قتل کرنا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ساحر کے لیے قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا۔ اور حضرت حفصہؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک مدبرہ جادو کیا کرتی تھی آپؐ نے اس کو قتل کرایا۔ اور ایسے ہی حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ جس یہودی نے آپؐ پر سحر کیا تھا آپؐ نے اس کو قتل نہیں کرایا۔ اسی کو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے اختیار کیا ہے۔ اور امام احمد اور مالک نے کہا ہے کہ قتل کیا جائے گا۔ لیکن امام احمد سے ثابت ہے کہ اہل ذمہ کے ساحر کو قتل نہیں کیا جائے گا کیوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید یہودی کو قتل نہیں کرایا تھا اور اسی نے آپؐ پر سحر کیا تھا اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لبید نے اقرار نہیں کیا تھا اور اس کے خلاف شہادت بھی موجود نہیں تھی۔

جاسوسی کا حکم یہ ثابت ہے کہ جب حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جاسوسی کی تو حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ آپؐ نے منع فرمادیا۔

اور ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ تم جو چاہے کرو میں نے تم کو معاف کر دیا ہے۔

اس مسئلہ کے بارے میں پوری تفصیل گذر چکی ہے فقہاء نے اختلاف کیا ہے کہ اگر کوئی مسلم اہلِ حرب کو لکھ کر مطلع کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا مال اس کے وارثوں کا ہو گا۔ اور امام مالک نے فرمایا ہے کہ اس کے

کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور(۱) امام ابو حنیفہ اور شافعی نے فرمایا ہے قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ان کی دلیل یہی واقعہ ہے۔ اور ابن عقیل نے امام مالک کے قول کی موافقت کی ہے۔

قیدیوں کے بارے میں

یہ آپؐ سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض قیدیوں کو قتل کیا ہے بعض سے فدیہ لیا اور بعض کو ویسے ہی چھوڑ دیا اور بعض کو مسلمان قیدیوں کے بدلے میں چھوڑا اور بعض کو غلام بنالیا لیکن یہ معروف نہیں ہے چنانچہ یوم بدر کے قیدیوں میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کیا تھا اور یہودیوں کی ایک جماعت کثیر کو قتل کیا تھا اور بدر کے قیدیوں کو چار ہزار درہم سے لیکر چار سو درہم تک فدیہ لیکر چھوڑا اور بعض سے یہ فدیہ لیا کہ مسلمانوں کو کتابت سکھائی جائے اور ابو عزہ شاعر پر احسان کیا اور چھوڑ دیا۔ اور دو قیدیوں کو مسلمانوں کے بدلے چھوڑا۔ اور ثمامہ بن اثال کو بھی ویسے ہی چھوڑ دیا۔ اور فتح مکہ میں بہت سے قریش کو ویسے ہی چھوڑ دیا۔ یہ وہ احکام ہیں جن میں سے کوئی چیز منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ رائے امام پر موقوف ہے۔ اور آپؐ نے اہل کتاب اور دوسروں کو غلام بنایا۔ چنانچہ اوطاس اور بنی مصطلق کے قیدیوں کو غلام بنایا اور وہ اہل کتاب نہیں تھے بلکہ بت پرست تھے۔ اور صحابہ نے بنی حنیفہ کے قیدیوں کو غلام بنایا۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کا اختیار دیا ہے۔

مدینہ منورہ کے ابتدائی زمانہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ معاہدہ کیا۔ جب انھوں نے خلاف ورزی کی اور معاہدہ توڑ دیا تو آپؐ نے اول بنی قینقاع کے ساتھ جنگ کی اور ان پر فتح پائی پھر بنو نضیر نے ایسا کیا تو ان پر فتح پائی پھر بنی قریظہ نے ایسا ہی کیا تو ان پر فتح پائی۔ اور بنی قریظہ کو

(۱) اور ابن قاسم نے کہا اگر وہ زندیق ہے اس کو قتل کیا جائے گا۔

قتل کیا گیا۔ اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا گیا اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو سات آسمان کے اوپر ہوا ہے۔

اس سے یہ ثابت ہے کہ جو مسلمانوں کے ساتھ عہد کو توڑے ان کے ساتھ جنگ کی جائے گی۔

ہدیہ کا حکم آپ کے صحابہؓ آپؐ کی خدمت میں کھانا وغیرہ ہدیہ بھیجا کرتے تھے آپ اس کو قبول فرماتے اور اس کا دگنا بدلہ دیتے۔ اور بہت سے بادشاہ بھی ہدایا بھیجتے آپؐ اس کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرمادیتے تھے اور کوئی پسندیدہ چیز اپنے لیے رکھ لیتے تھے۔ وہ چیز مال غنیمت کے فے کی طرح ہوتی۔ بخاری شریف میں ہے کہ آپؐ کے پاس دیباج آیا اس پر سنہرا کام تھا۔ آپؐ نے اس کو اپنے صحابہ میں تقسیم فرمایا۔

اور شاہ مقوقس نے آپؐ کو حضرت ماریہ جو آپ کی ام ولد تھیں اور ان کی بہن سیرین کو بطور ہدیہ بھیجا۔ اس کو آپؐ نے حسان کو ہبہ کر دیا تھا۔ اور ایک بغلہ اور ایک حمار بھی ہدیہ بھیجا۔ شاہ نجاشی نے بھی ہدیہ بھیجا آپؐ نے اس کو قبول فرمایا۔ اور اس کے عوض آپؐ نے بھی اس کے پاس تحفہ بھیجا اور آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اس کے پاس یہ تحفہ پہونچنے سے پہلے اس کا انتقال ہو گا۔ اور ایسا ہی ہوا اور فروہ جذامی نے ایک بغلہ بھیجا اس پر یوم حنین میں سوار ہوئے تھے۔ اور بخاری نے ذکر کیا ہے کہ ایلہ کے بادشاہ نے آپؐ کو ایک سفید بغلہ بھیجا تھا اس کو آپؐ نے چادر اڑھائی تھی۔ اور ابوسفیانؓ نے بھی ہدیہ بھیجا۔ اس کو آپؐ نے قبول فرمایا تھا۔ اور عامر بن مالک نے بھی آپؐ کو ایک گھوڑا بھیجا تھا۔ اس کو آپؐ نے رد فرمادیا تھا۔ اور ارشاد فرمایا:

لہ ارباب سیر کو غلط فہمی ہوئی کہ انھوں نے یہ تحریر کر دیا کہ تمام بنی قریظہ کو ... باقی حاشیہ صفحہ پر

انا لا نقبل ھدیۃ مشرک ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔

ایسے ہی آپ نے عیاض مجاشعی کے ہدیہ کے بارے میں فرمایا تھا۔ اور آپؐ نے ابوسفیان کا ہدیہ معاہدہ کی مدت کے ـــ درمیان میں قبول فرمایا تھا۔ اور ایسے ہی مقوقس کا ہدیہ اس وجہ سے قبول کیا گیا کہ اس نے آپؐ کے قاصد حاطب بن ابی بلتعہؓ کا اکرام کیا تھا۔ اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا تھا۔ ان کے علاوہ حربی کا ہدیہ آپؐ نے کبھی قبول نہیں کیا۔

سحنون امام مالکؒ کے شاگرد ہیں انھوں نے فرمایا۔ روم کے بادشاہ نے امام کے پاس ہدیہ بھیجا۔ انھوں نے اس کو قبول کر لیا۔ اوزاعی نے کہا ہے کہ اگر ایسا اتفاق ہو جائے تو بیت المال میں سے اس کا بدلہ دینا چاہیے۔ امام احمد نے کہا ہے کہ ایسے ہدیہ کا حکم مال غنیمت کا حکم ہے۔

تقسیم اموال

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین قسم کے اموال تقسیم فرمائے ہیں۔ زکوٰۃ غنیمت اور مال فے پہلے دونوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ فے کے بارے میں یہ ہے کہ آپؐ نے یوم حنین اس کو مؤلفۃ قلوب پر تقسیم فرمایا۔ اور اس کو انصار پر تقسیم نہیں کیا۔ اور یہ حکم صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے۔

امان کا حکم

یہ ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو امان دی اور ام ہانی نے بھی امان دی اور آپؐ نے اس کو باقی رکھا۔ اور آپؐ کی صاحبزادی زینب نے ابوالعاص کو امان دی اور آپؐ

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۶) کا قتل کر دیا تھا۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ باقی یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کیا گیا تھا۔ اور ایک بڑی تعداد کو ملک شام لے جا کر فروخت کر دیا تھا۔ روضۃ الاحباب سیرت رسالت مآب۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اور مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے

نے اس کو جائز رکھا۔ اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

مسلمانوں میں سے ادنیٰ ترین آدمی بھی اگر امن دیگا تو وہ اس کے بڑے لوگوں کے لئے بھی لازم ہوگا۔

بہرحال یہ ثابت ہے کہ عورت، غلام کا امان دینا جائز ہے لیکن ابن ماجشون نے کہا ہے کہ امان دینے کا حق صرف امیر لشکر کا ہے۔ ابن شعبان نے کہا ہے کہ یہ قول علماء کے خلاف ہے۔

جزیہ اور اس کی مقدار

یہ گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعوت حق کے لئے مبعوث فرمایا۔ شروع میں اس میں نہ قتال تھا اور نہ جزیہ تھا۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں دس سے زیادہ سال اسی پر عمل رہا۔ اس کے بعد آپؐ کو قتال کا اذن دیا گیا۔ جب آپؐ پر ہجرت فرض کی گئی۔ اس کے بعد صرف ان لوگوں سے قتال کا حکم ہوا جو آپؐ سے قتال کرے اور پھر ۹ھ میں سورہ براۃ نازل ہوئی تو ان تمام لوگوں سے قتال کا حکم ہوا جو اسلام قبول نہ کریں صرف معاہدین کو مستثنیٰ کیا گیا اس کے بعد مشرکین عرب سے اور یہود سے جزیہ قبول کرنے کا حکم ہوا چنانچہ یہود سے متعدد لڑائیاں ہوئیں اور آپؐ نے جزیہ قبول نہیں کیا پھر تمام اہل کتاب سے قتال کا حکم ہوا کہ یا تو مسلمان ہوجائیں یا جزیہ ادا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بعض نے اسلام قبول کیا اور بعض نے جزیہ ادا کیا۔ چنانچہ آپؐ نے اہل نجران اور اہل ایلہ سے جو نصاریٰ تھے جزیہ وصول کیا۔ اور اہل دومہ سے بھی جزیہ لیا۔ ان میں اکثر عرب تھے۔ اور مجوسی اور یمن کے اہل کتاب سے بھی جزیہ لیا۔ اور مشرکین عرب سے جزیہ نہیں لیا اسی وجہ سے امام احمد اور شافعی نے کہا ہے کہ ان تین کے علاوہ اور کسی سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ ان کے علاوہ لوگوں سے صرف اسلام ہی قبول کیا جائے گا یا قتل کیا جائے گا اور دیگر ائمہ نے کہا ہے کہ تمام امتوں سے جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے

کیوں کہ اہل کتاب کے علاوہ سب مجوسی کی طرح مشرک ہیں۔ اور مشرکین عرب سے جزیہ اس وجہ سے نہیں لیا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے اس وقت سب مسلمان ہو چکے تھے کوئی مشرک تھا ہی نہیں۔ اس آیت کے نزول ہونے کے بعد مجوس اور نصاریٰ سے جزیہ لیا گیا۔ یہود سے جنگ ختم ہو چکی تھی۔ اگر اس وقت کوئی مشرک باقی ہوتا تو اس سے ضرور جزیہ لیا جاتا۔ جیسا کہ دوسروں سے لیا گیا تھا۔ رہا مجوس کا معاملہ وہ مشرک تھے۔ ان کی نہ کوئی کتاب تھی اور نہ ان کا کوئی نبی تھا اور نہ ان کا کوئی دین تھا۔ نہ شریعت تھی۔ اور اگر کوئی شریعت تھی تو وہ باطل تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اہل عرب دین ابراہیم پر تھے۔ ان کے صحیفے اور شریعت تھی۔ لیکن انھوں نے دین ابراہیم کو بدل دیا تھا۔ اس لئے مجوس دین کے اعتبار سے مشرکین عرب سے بھی زیادہ بدتر تھے اور یہ قول دلیل کے اعتبار سے سب سے زیادہ بہتر اور قوی ہے[1]

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ مشرکین عرب کے علاوہ سب سے جزیہ قبول کیا جا سکتا ہے اس کے کوئی معنی نہیں ہیں کیوں کہ قریش میں کوئی ایسا باقی نہیں رہا تھا جس سے قتال کیا جائے۔ اور جزیہ لیا جائے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ

[1] اس سے یہ ثابت ہے کہ کفار مکہ کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائیاں اور اختلاف صرف مذہب کے لیے تھا۔ اگرچہ وہ باطل تھا۔ قرآن شریف میں موجود ہے ما وجدنا علیہ آباءنا۔ وہ باپ دادوں کے غلط طور طریقہ کو یا تحریف شدہ شریعت ابراہیمی کو دین حق سمجھتے تھے۔ علامہ نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ بالکل درست ہے۔ اور جارج کونسٹان نے اس کو معاشی جنگ قرار دیا ہے۔ اور مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح نے مکتوبات جلد دوم میں اس کو قبائلی چپقلش قرار دیا ہے۔

(صلی اللہ علیہ وسلم) نے منذر بن ساویٰ اور بہت سے بادشاہوں کو خطوط لکھے اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ اس میں عربی اور غیر عربی میں فرق نہیں ہے۔

جزیہ کی مقدار کا معاملہ یہ ہے کہ آپؐ نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا اور فرمایا: ہر بالغ سے ایک دینار یا معافر کی قیمت۔ یہ ایک یمنی کپڑا ہوتا ہے پھر حضرت عمرؓ نے اس پر اضافہ کیا اور چار دینار یا چالیس درہم مقرر فرما دیئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی غربت کا خیال رکھتے ہوئے یہ فرمایا تھا اور حضرت عمرؓ نے اہل شام کے تمول کے اعتبار سے مقرر کیا تھا۔

اہل مکہ کی صلح

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے جنگ بندی معاہدہ کیا اور یہ دس سال کے لئے ہوا تھا۔ اس معاہدے میں ہر ایک کے حلیف ہوئے یعنی بنو بکر اور بنو خزاعہ لیکن قریش نے غدر کیا اس وجہ سے ان کی جانب سے نقض عہد ہوا اور وہ حربی قرار پائے۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ جب مدینہ منورہ آئے تو آپؐ نے یہود سے معاہدہ کیا۔ اور انھوں نے بھی چند مرتبہ نقضِ عہد کیا اور ہر نقضِ عہد کے بعد ان سے جنگ کی گئی۔

اہل مکہ سے صلح میں یہ شرط تھی کہ جو چاہے قریش کے شریک ہو جائے اور جو چاہے مسلمانوں کے شریک ہو جائے۔ جو قریش کے پاس سے مسلمانوں کے پاس آئے گا اس کو واپس کیا جائے گا۔ اور قریش واپس نہ کریں گے۔ اور مسلمان آئندہ سال مکہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

۵۹واں باب

نکاح اور اس کے متعلقات

نکاح بلا اجازت

صحیحین میں ہے کہ خنساء بنت خدام رضی اللہ عنہا کے باپ نے زبردستی ان کا نکاح کر دیا حالاں کہ وہ ثیبہ تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کیا۔ آپ نے وہ نکاح توڑ دیا۔ اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک باکرہ لڑکی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ اور بولی کہ اس کا نکاح اس کے باپ نے زبردستی کر دیا ہے۔ تو آپ نے اس کو اختیار دے دیا اور یہ لڑکی خنساء کے علاوہ ہے۔

یہ دو واقعے ہیں۔ ایک واقعہ میں ثیبہ کو اختیار دیا ہے اور دوسرے واقعہ میں باکرہ کو اختیار دیا ہے۔ اور یہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

لا تنکح البکر حتی تستأذن ۔	جب تک باکرہ سے اجازت نہ لی جائے اس وقت تک اس کا نکاح نہ کیا جائے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: اس کی اجازت کس طرح ہو۔؟ فرمایا: اس کا سکوت

اس کی اجازت ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے:

البکر تستاذن فی نفسہا واذنہا صماتہا — باکرہ سے اجازت لی جائے۔ اس کے معاملہ میں اور اس کا اذن اس کا سکوت ہے۔

نتیجہ اس کا یہ ہے کہ باکرہ بالغہ کا نکاح جبراً جائز نہیں ہے۔ اور یہی قول جمہور اسلاف کا ہے۔ اور یہی امام ابوحنیفہ اور احمد کا مذہب ہے۔ اور یہی قول حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مواقف ہے اور قواعد شریعت بھی یہی ہیں۔ اور اس حدیث میں کوئی علت بھی نہیں ہے۔ یہ حدیث مرسلاً اور مسنداً مروی ہے اگر یہ کہا جائے کہ اتصال کو مرسل پر فوقیت ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ مرسل قوی ہے۔ جسکی تائید آثار صحیحہ، قو یہ اور قواعد شرع سے ہو رہی ہے۔ جیساکہ ہم ذکر کریں گے لہذا یہی قول متعین ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں فرمایا ہے:-

اتقوا اللہ فی النساء فانہن عوان عندکم — عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو وہ تمہارے پاس قیدی ہیں۔

اور عورت کے لیے اس کے کل مال میں تصرف کرنا زیادہ آسان ہے اس سے کہ اس کے نفس کے بارے میں تصرف کیا جائے اور یہ مصالح نکاح کے بھی خلاف ہے اور عورت کے اذن میں فرق ہے ثیبہ کا اذن بولنا اور باکرہ کا اذن سکوت ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ ا باپ کی موجودگی میں اس کو حق نہیں ہے میں کہتا ہوں اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عدم بلوغ اور رشد اور عقل کی صورت میں بلا اجازت کے جائز ہے اور یہ حق بھی باپ کو ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کر دیا ہے کہ باکرہ کا اذن خاموشی اور ثیبہ کا اذن

گویائی ہے۔ اور اگر باکرہ بھی بول دے تو یہ اور پختہ بات ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ نابالغہ سے بھی اجازت طلب کی جائے گی۔ اور بعد احتلام کے وہ بالغ ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بچی کا نکاح جائز ہے۔ اور یہی حضرت عائشہؓ کا مذہب ہے اور قرآن اور سنت اس پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں موجود ہے

ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلی علیکم فی یتامی النساء الاتی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن	اور آپ سے عورتوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ فرما دیجئے۔ اللہ ان کے بارے میں حکم دیتا اور وہ جو تلاوت ہوا تم پر یتیم عورتوں کے بارے میں جن کا حق ابھی تم نے ادا نہیں کیا اور تم ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا اس میں وہ عورتیں مراد ہیں جو نابالغ ہیں اور کسی کی زیر پرورش ہیں اور سنن اربعہ میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

الیتیمۃ تستامر فی نفسھا فان صمتت فھو اذنھا	بچی سے اس کے بارے میں اجازت لی جائے اگر وہ خاموش رہے تو یہی اس کی اجازت ہے۔

نکاح بلا ولی حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:۔

ایما امرءۃ نکحت نفسھا بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل (۳ مرتبہ)	جو عورت بلا ولی کی اجازت کے اپنا نکاح کرے وہ نکاح باطل۔ تین مرتبہ کہا۔

اور جس کا کوئی ولی نہیں اس کا ولی سلطان ہے۔ ترمذی نے کہا ہے: یہ

حدیث حسن ہے اور سنن اربعہ میں ہے "کہ بلا ولی کے نکاح نہیں" اور ایک روایت یہ ہے کہ جو بلا ولی کے نکاح کرے وہ زانیہ ہے۔

اور اگر کسی عورت کے دو ولی ہیں اور دونوں نے نکاح کر دیا تو پہلے ولی کا نکاح مانا جائے گا جیسا کہ اگر کسی آدمی نے دو آدمیوں کو بیچ دیا تو بیع پہلے آدمی کے لئے مانی جائے گی۔

نکاحِ تفویض آپؐ سے ثابت ہے آپؐ نے ایک فیصلہ ایسا کیا کہ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا اور اس کا کوئی مہر مقرر نہیں کیا تھا اور صحبت نہیں کر سکا تھا کہ مر گیا۔ تو اس عورت کے لئے مہر مثل کا حکم فرمایا۔ نہ کم نہ زیادہ اور عورت کے لئے میراث میں حصہ اور عدت مقرر فرمائی چار مہینہ دس دن کی۔ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ایک آدمی سے فرمایا کیا میں تیرا نکاح کسی عورت سے کر دوں؟ عرض کیا ہاں پھر ایک عورت سے فرمایا: کیا میں تیرا نکاح کر دوں؟ عرض کیا ہاں پس دونوں کا نکاح کر دیا۔ اور مرد نے اس سے صحبت بھی کر لی حالاں کہ مہر مقرر نہیں ہوا تھا۔ اور اس آدمی نے کچھ دیا بھی نہیں تھا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس کے پاس غنیمت خیبر میں سے کچھ رکھا ہوا تھا۔ وہی عورت کو مل گیا۔ اس سے چند چیزیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ بلا مہر کے نکاح جائز ہے۔ ۲۔ اس عورت سے صحبت بھی جائز ہے۔ ۳۔ مرنے کے بعد ایسی عورت کا مہر مہر مثل ہوگا۔ ۴۔ عدت وفات واجب ہے اگرچہ شوہر نے صحبت نہ کی ہو۔ اسی کو ابن مسعودؓ اور فقہاء عراق نے اختیار کیا ہے۔ اور یہی قول امام احمد اور شافعی کا ہے۔ اور حضرت علیؓ زید بن ثابت نے فرمایا ہے "اس عورت کے لئے کوئی مہر نہیں۔ اور اسی کو اہل مدینہ نے اختیار کیا ہے۔ اور امام شافعی کا دوسرا قول بھی ہے ۵۔ ایک ہی آدمی دونوں

کسی عورت سے کر دوں؟ عرض کیا ہاں پھر ایک عورت سے فرمایا کیا میں تیرا نکاح

طرف کا وکیل ہو سکتا ہے۔ اور یہی امام احمد کا مذہب ہے۔

حاملہ عورت سے نکاح

بصرہ بن اکثم رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک باکرہ لڑکی سے نکاح کیا جب میں اس کے پاس پہنچا تو میں نے اس کو حاملہ پایا۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لها الصداق بما	اس عورت کی فرج کو حلال کرنے کی
استحللت من فرجها	وجہ سے اس کا مہر ہے اور بچہ تیرا عبد
والولد عبد لك واذا	ہے اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو اس
ولدت فاجلدوها و	عورت کے کوڑے مارو اور دونوں
فرق بينهما	میں تفریق کر دی۔

اس سے ثابت ہوا کہ حاملہ سے نکاح باطل ہے۔ اور یہی اہل مدینہ کا قول ہے اور یہی امام احمد اور جمہور فقہاء کا مسلک ہے، اور نکاح فاسد میں مہر واجب ہو جاتا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مہر مثل واجب ہوتا ہے اور یہی قول امام شافعی کا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ مہر اور مہر مثل میں جو کم ہو وہ واجب ہوگا اور حمل کی وجہ سے حد واجب ہو جائیگی۔ اگرچہ گواہ نہ ہو اور اعتراف بھی نہ کرے کیوں کہ حمل کا پایا جانا سب سے زیادہ قوی دلیل ہے۔ اور یہی مذہب حضرت عمرؓ۔ اور اہل مدینہ اور امام احمد کا ہے۔ اور رہی یہ بات کہ بچہ اس کا غلام ہوگا۔ کیوں کہ اس بچہ کا باپ معروف نہیں ہے اور اس کی ماں کو مہر دیا گیا ہے۔ گویا بچہ تاوان کے بدلے آیا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس کی ماں کی عقوبت اسی میں ہے کہ بچہ کو غلام بنایا جائے۔ اور یہ بھی ہے کہ یہ حکم صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھا۔ اور اسی بچہ کے لئے تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

نکاح میں شرائط

صحیحین میں ہے کہ شرائط نکاح میں یہ ہے کہ عورت کو اس کا مہر ادا کر دو۔ اور یہ عورت اپنی سوکن کی طلاق کے لیے مطالبہ نہ کرے۔ اور اس کے بارے میں نہی بھی وارد ہے۔ اور مہر مؤجل اور معجل دونوں کی ادائیگی پر اتفاق ہے۔ اور عدم ادائیگی کی صورت میں ترک وطی پر شرط لگائی جا سکتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ شوہر کے گھر یا زوجہ کے گھر رہنے کی شرط لگائی جا سکتی ہے یا نہیں۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط لگائی جا سکتی ہے یا نہیں۔ امام احمد نے ان شروط کو پورا کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے۔ اگر شوہر پورا نہ کرے تو نکاح فسخ کرایا جا سکتا ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ بکارت کی شرط اور حمل اور عیوب سے سلامتی کی شرط سے نکاح فسخ ہو جائے گا یا نہیں اور اس میں تین قول ہیں۔

متفرق اقسام نکاح

۱۔ نکاح شغار سے ممانعت مروی ہے چنانچہ اس بارے میں حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ معاویہؓ کی روایات موجود ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔

لا شغار فی الاسلام — اسلام میں شغار نہیں۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے: شغار یہ ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح دوسرے سے اور اس کی بیٹی کا خود اپنے سے اس شرط پر کرے کہ یہ تبادلہ ہی ہو اور مہر نہ ہو۔

اس شغار کے بارے میں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام احمد نے فرمایا ہے: شغار باطل ہے اور اگر اس میں مہر ذکر کر دیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اور عدرقی نے کہا ہے کہ نکاح

صحیح نہ ہوگا۔ اور ابن تیمیہ وغیرہ نے کہا ہے کہ نکاح صحیح ہو جائے گا۔ اگر مہر ذکر کر دیا جائے۔

نکاح حلالہ ترمذی اور مسند میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے:۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہٗ — رسول اللہ صلعم نے محلل اور محلل لہ دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے اور ایسے ہی حضرت علیؓ کی روایت ہے۔ اور ابن ماجہ میں عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں منگے ہوئے سانڈ کے بارے میں نہ خبر دوں؟ عرض کیا ہاں بتلایئے ارشاد فرمایا وہ محلل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محلل (حلال کرنے والا) اور محلل لہ (جس کے لئے حلال کیا گیا ہے) دونوں پر لعنت ہو۔ غرضکہ ان چاروں بڑے صحابہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت پر شہادت دی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ فعل کبائر میں سے ہے۔ اس بارے میں اہل مدینہ اور فقہاء اہل حدیث متفق ہیں کہ ایسے فعل کا قصد کرنا۔ عمل کرنا دونوں حرام ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک عقود میں قصد کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اگرچہ الفاظ خلاف ہوں۔

نکاح متعہ آپؐ سے ثابت ہے کہ فتح مکہ پر آپؐ نے اس کو حلال قرار دیا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ اسی موقع پر آپؐ نے اس سے منع بھی فرمایا۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ نہی خیبر کے موقع پر فرمائی تھی یا نہیں البتہ یہ ثابت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر منع فرمایا۔ خیبر کے موقعہ پر تو حمار کے گوشت سے منع فرمایا تھا اور اس کے بارے میں مفصلاً گذر چکا ہے۔ صحیحین میں حضرت علیؓ کی روایت ہے:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم متعۃ النساء
آپ نے عورتوں سے متعہ کرنے کو حرام قرار دیا۔

یہ حرمت اباحت کے بعد تھی ورنہ دو مرتبہ نسخ لازم آئے گا۔

نکاح محرم صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے محرم کو نکاح کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے حضرت میمونہؓ سے عقد حالت احرام میں کیا یا حالت حلال میں کیا۔ (اور اس کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔)

نکاح زانیہ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: جو زانیہ سے نکاح کرے وہ زانی ہے یا مشرک ہے۔ کیوں کہ جو آدمی اس کے وجوب پر اعتقاد رکھتا ہوگا۔ یا اعتقاد نہ رکھے گا۔ اور جو اعتقاد نہ رکھے گا وہ مشرک ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے۔

حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
یہ مومنین پر حرام ہے۔

اور اس کے بارے میں نسخ کا دعویٰ کرنا اور یہ آیت دلیل میں پیش کرنا ضعیف ہے

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ
اور اپنی باندیوں سے نکاح کرو۔

اور یہ بھی غلط ہے کہ نکاح کو زنا پر محمول کیا جائے۔ کیوں کہ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ زانی، زانیہ یا مشرکہ ہی سے زنا کرتا ہے۔ الخ اور کلام اللہ ایسی تاویل سے پاک ہے۔ اور ایسے ہی مشرکہ زانیہ بھی مراد نہیں ہو سکتی یہ بھی انتہائی بعید ہے۔ اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آزاد اور باندیوں دونوں سے نکاح کو مباح قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ محصنہ ہوں۔ ارشاد ہے:

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ
سو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	اجازت سے اور دو ان کے مہر دستور
مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا	کے موافق قید میں آنیوالیاں ہوں نہ مستی نکالنے
مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۔	والیاں، اور نہ چھپی یاری کرنیوالیاں

اور اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمادی ہے کہ خبیث کے لیئے خبیثہ اور اس سے مراد زانیہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو زانیہ سے نکاح کرے وہ خبیث ہے۔ اور یہ قباحت انسانوں کی نظر میں بھی ثابت ہے۔ اور یہ یاد رہے کہ تحریم نکاح اس خباثت کے بغیر بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حاملہ کے نکاح کو توڑ دیا تھا۔ اور حضرت مرثد بن ابی مرثد نے ایک زانیہ سے نکاح کی اجازت طلب کی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آیت نور پڑھ کر سنادی اور اس نکاح سے منع فرمادیا۔

جو آدمی مسلمان ہوا کہ اس کے نکاح میں چار عورتیں تھیں۔ یا دو بہنیں تھیں۔ اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ غیلان مسلمان ہوا اور اس کے دس بیویاں تھیں آپؐ نے ارشاد فرمایا: اس میں سے چار کو منتخب کر لو۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ آپؐ نے سب میں تفریق کر دی اور فیروز دیلمی مسلمان ہوئے، ان کے نکاح میں دو بہنیں تھیں۔ آپؐ نے فرمایا ان دو میں سے جس کو چاہو منتخب کر لو۔

اس سے ثابت ہوا کہ کافروں کا نکاح صحیح ہوتا ہے اور تجدید کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اختیار دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر کسی نے ایک ہی عقد میں یہ سب عقد کیئے تھے تو سب کے ساتھ نکاح فاسد۔ اور اگر ترتیب وار کیئے تھے تو پہلے چار درست اور آخر والے فاسد۔

اگر غلام بغیر مولیٰ کی اجازت کے نکاح کرے تو وہ زانی ہے اسکو ترمذی نے

روایت کیا ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔

ہاشم بن مغیرہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ ابو جہل کی بیٹی سے حضرت علیؓ کا عقد کر دیں آپؐ نے اجازت نہ دی اور فرمایا۔" فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا بلکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے رسول کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی جمع ہو جائیں۔

اس حکم میں چند امور ہیں۔ یہ کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے یہ شرط کرے کہ وہ اس پر نکاح نہ کرے گا تو اس شرط کو پورا کرنا لازم ہے۔ اور اگر کرے گا تو دوسری بیوی کو اختیار فسخ ہوگا۔ اور یہ چیز اس سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمادیا تھا کہ وہ فاطمہ کو اذیت نہ دیں گے۔ اگرچہ یہ بات صلب عقد میں داخل نہیں تھی مگر پھر بھی ظاہر ہے اور حضرت علیؓ نے اس وعدہ کو پورا کیا۔

اور یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مشروط عرفی، مشروط لفظی کی طرح ہے۔ اور یہ بات قواعد اہل مدینہ اور قواعد احمدؒ کے مطابق ہے۔ اسی بنا پر دھوبی کی اجرت باورچی کی اجرت اجرت مثلی ہوتی ہے۔ اگر زبان سے ذکر نہ کی ہو۔ اور یہی عادت مستمرہ ہے۔

علاوہ ازیں حضرت فاطمہؓ کے ساتھ بنت ابی جہل کو جمع نہ کرنے کی حکمت یہ ہے کہ عورت مرد کے تابع ہے۔ اگر عورت عالی درجہ کی ہے اور مرد بھی ایسا ہی ہے تو وہ اس کے ساتھ رہے گا۔ حضرت علیؓ کا مرتبہ وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ بنت ابی جہل کو وہ مرتبہ حاصل ہو کہ فاطمہؓ اور بنت ابی جہل ایک ہی درجہ میں ہوں اسی کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ

فرمایا ہے۔

محرمات وہ تمام عورتیں جو ماں ہونے کے سلسلہ میں ہیں۔ جیسے ماں۔ باپ کی ماں دادا کی ماں اسی طرح سے ماں کی طرف سے۔ بیٹیاں بہنیں۔ پھوپیاں وغیرہ خالائیں بھتیجی۔ بھانجی۔ رضاعی ماں اور رضاعی ماں کی طرف سے یہی رشتہ)، ربیبہ لڑکی۔

تحریم کے بارے میں دو قید ہیں۔ ایک تو یہ کہ ربیبہ حجور زوج میں ہو دوسرے یہ کہ اس کی ماں کے ساتھ صحبت کر لی ہو۔ اگر دخول نہ پایا گیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی چاہے تفریق سے ہو جائے یا موت سے ہو جائے۔ اور یہی نص کا مقتضٰی ہے۔ لیکن حضرت زید بن ثابتؓ اور امام احمدؒ کا مسلک ہے کہ موت بھی دخول کے حکم میں ہے کیوں کہ اسی سے مہر بھی پورا ہوتا ہے اور عدت بھی لازم آتی ہے۔ اور میراث میں بھی حصہ ملتا ہے۔ لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں موت سے حرمت واقع نہیں ہوتی۔ اور پہلی قید عرف کی وجہ سے ہے۔ اس قید سے اتنا فائدہ ہے کہ زوج کو حق نہیں ہے کہ ربیبہ کو ماں سے جدا کر دے۔ لیکن بعض اہل ظاہر پر یہ حکمت پوشیدہ رہی تو انھوں نے اس قید کو بھی تحریم میں داخل کر دیا۔ اور بعض علماء صحابہؓ نے اس قید کا اعتبار کر لیا اور فرما دیا کہ دخول چاہے ہوا ہو یا نہ ہو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن دوسرے علماء نے اس قید کا اعتبار کیا۔

اَللّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ — وہ عورتیں کہ جن کے ساتھ تم نے دخول کیا ہے۔

محرمات میں بیٹوں کی بیویاں بھی ہیں خواہ وہ صلبی بیٹے ہوں یا رضاعی بیٹے ہوں اور متبنیٰ اس قید سے خارج ہے۔ اور رضاعت کے بارے میں استدلال

اس حدیث سے کیا جاتا ہے۔

یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب — جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہی رضاعت سے حرام ہیں۔

اس کے علاوہ وہ عورتیں بھی حرام ہیں۔ جن سے باپ نے نکاح کر لیا ہے۔ دخول ہوا ہے یا نہیں ہوا ہے۔ اور دو بہنوں کو جمع کرنا بھی حرام ہے۔ خواہ یہ نکاح کے ذریعہ ہو یا ملک یمین کے ذریعہ ہو۔ اور یہی جمہور صحابہؓ کا مسلک ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت اور اس کی پھوپی، اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنے کی حالت میں تفریق کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ایسی دو عورتیں جن میں ایسی قرابت ہو کہ اگر ایک مذکر تسلیم کر لیا جائے تو دوسری اس کے لئے حلال نہ ہو۔ اور اس سے کوئی صورت مستثنیٰ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے ان سے وطی بھی حرام ہے۔ مگر اہل کتاب کی باندیاں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اکثر کے نزدیک ان سے نکاح کرنا حرام ہے اور ملک یمین کے ذریعہ ان سے وطی حلال ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ نے ان سے نکاح کو مباح قرار دیا ہے۔ جمہور علماء نے فرمایا ہے کہ باندیوں سے نکاح صرف ایمان کی وجہ سے جائز ہے یعنی مومنہ باندیوں سے جیسا کہ ارشاد ہے۔

فتیاتکم المومنات — اپنی مومنہ باندیوں سے۔

اور ارشاد فرمایا ہے۔

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن — مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو۔

اس میں سے اہل کتاب کی آزاد عورتوں کو خاص کر لیا گیا۔ لہٰذا باندیوں کے حق میں حرمت بدستور باقی رہی۔

اسلام قبول کرنا

وہ زوجین جو ایک ساتھ مسلمان نہیں ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضؓ کو ابوالعاص بن ربیع کی زوجیت میں بلا تجدید نکاح کے واپس کر دیا۔ اس کو ترمذی۔ ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور یہ واقعہ چھ سال گذرنے کے بعد پیش آیا کہ ابوالعاص رضؓ مسلمان ہوئے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے اسناد میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضؓ نے ایک دوسری روایت بھی ذکر کی ہے۔ فرمایا: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت مسلمان ہوئی اور آپؐ نے اس کا دوسرے سے عقد کر دیا۔ اس کے بعد اس کا پہلا شوہر مسلمان ہو گیا تو آپؐ نے اس عورت کو موجودہ خاوند کی زوجیت سے نکال کر پہلے شوہر کو سپرد کر دیا۔ اور اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک آدمی مسلمان ہو کر حاضر ہوا۔ پھر اس کے بعد اس کی عورت مسلمان ہو گئی۔ آپؐ نے اس عورت کو۔ اس کے خاوند کو دیدیا۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ ام حکیم بنت ہشام رضؓ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئی اور اس کا شوہر عکرمہ بن ابی جہل بھاگ گیا۔ ام حکیم رضؓ اس کے پاس یمن پہونچی اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اور وہ اسی سال مسلمان ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے ان دونوں کو اسی پہلے نکاح پر باقی رکھا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

ایک عورت نے اللہ اور رسول کے لئے ہجرت کی اور اس کا خاوند دار الکفر میں کافر ہی تھا۔ لیکن عدت گذرنے سے پہلے وہ بھی ہجرت کر کے آگیا تو فرقت نہ ہوگی

۱. اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر زوجین ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو وہ اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔ یہ ان سے دریافت نہ کیا جائے گا کہ ان کا نکاح کس طرح ہوا تھا۔

۲. اور اگر زوجین ایک ساتھ مسلمان نہ ہوئے ہوں بلکہ یکے بعد دیگرے اسلام قبول کیا ہو تب بھی نکاح نہ ٹوٹے گا۔ خواہ ہجرت کی وجہ سے تفریق ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ ثابت نہیں اور حضرات صحابہؓ کے ساتھ بھی ایسا ہوا کہ پہلے ایک مسلمان ہوا اور پھر ان کی بیوی اور وہ پہلے نکاح پر ہی قائم رہے۔ تجدید نکاح نہیں ہوا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینبؓ کو ان کے شوہر کے سپرد بلا تجدید نکاح کے کیا۔ حضرت ابوالعاصؓ زمانہ حدیبیہ میں مسلمان ہوئے تھے اور حضرت زینبؓ اول بعثت میں مسلمان ہوئیں تھی۔ جس میں ۱۸ سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ اور جن احادیث سے یہ ثابت ہے کہ دونوں کے اسلام کے درمیان چھ سال کا فاصلہ ہے۔ یہ صرف وہم ہے اور غلط ہے یہ فاصلہ حضرت زینبؓ کی ہجرت اور ابوالعاصؓ کے اسلام کے درمیان ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح تو عدت بھی پوری ہو چکی تھی۔ پھر آپؐ نے تجدید نکاح کیوں نہیں فرمائی۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ حکم صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوا تھا اس وجہ سے وہ نکاح فسخ نہیں ہوا۔ اور جب یہ تحریم نازل ہوئی تو ابوالعاصؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ اور عدت کی مدت کا فاصلہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے۔

کافر زوجین۔ اگر یکے بعد دیگر مسلمان ہوں اور عورت دار ہجرت میں ہو تو شوہر اس کا مالک ہے۔

اسی روایت کو شعبیؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔ اور زہری نے بھی روایت کیا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی۔ کسی عورت سے دریافت نہیں کیا کہ آیا اس کی عدت گذر چکی ہے یا نہیں۔ اور اگر اسلام کی وجہ سے تفریق ہوتی تو بلاشبہ یہ فرقت بائنہ ہوتی نہ کہ رجعیہ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

اگر عدت پوری ہونے سے قبل وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی بیوی۔ اگر عدت گذر چکی ہو تو عورت جس سے چاہے نکاح کرلے۔ اور اگر پہلے ہی شوہر کو پسند کرتی ہے تو اس کے اسلام کا انتظار کرے۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو بلا تجدید نکاح وہ اس کی بیوی ہے۔

البتہ اسلام کی وجہ سے فرقت فی الفور واقع ہو جائے گی۔ اس میں عدت کا اعتبار نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ — وہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ مرد ان عورتوں کے لئے حلال۔

۳۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ۔ اسلام سبب فرقت ہے جیسا کہ۔ رضاع۔ خلع۔ طلاق۔ اسی کو خلالؒ اور حضرت ابوبکرؓ نے اختیار کیا ہے۔ ابن حزم نے کہا ہے یہی قول حضرت عمرؓ کا ہے۔ اور مسلک جمہور تابعین کا ہے۔ اور آیت مبارکہ سے بھی فرقت فی الفور ثابت ہو رہی ہے۔ اور متعدد واقعات گذر چکے ہیں کسی میں بھی انقضاء عدت کا اعتبار نہیں ہے کہ تجدید نکاح کرائی گئی ہو۔ اور ابن شبرمہ نے کہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں۔ لوگ مسلمان ہوتے رہے ہیں کہ ان کی بیوی ان کے ساتھ مسلمان نہ ہوئی اگر انقضاء عدت سے قبل

مرد مسلمان ہوگیا تو وہ عورت اس کی بیوی اور اگر بعد عدت کے ہوا تو نکاح ختم۔ ابن حزم نے اس باب میں بہت سے مجمل آثار روایت کئے ہیں جن سے یہ ثابت نہیں کہ فرقت فی الفور ہو جاتی ہے۔ اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو ہم نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی روایات نقل کی ہیں۔

عزل کا حکم

حضرت ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم عزل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ہم نے حضورؐ سے دریافت کیا تو فرمایا۔ "کیا تم ایسا کرتے ہو؟ اور تین بار فرمایا اور اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

قیامت تک جس کو بھی پیدا ہونا ہے وہ ضرور ہوگا۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلعم) میرے ایک باندی ہے میں اس کے ساتھ عزل کرتا ہوں مجھے اس کا حاملہ ہونا ناپسند ہے۔ اور مرد جو چاہتے ہیں میں بھی وہی چاہتا ہوں اور یہود بیان کرتے ہیں۔

عزل موؤدۃ صغریٰ ہے

آپؐ نے ارشاد فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنا چاہے تو کسی میں طاقت نہیں کہ اس کو روک سکے اور حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عزل کیا کرتے تھے۔ اور قرآن پاک نازل ہوتا رہتا تھا۔ اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ ہم عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عزل کیا کرتے تھے۔ جب آپؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ہمیں روکا نہیں۔ اور ایک آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اپنی عورت کے ساتھ عزل کرتا ہوں آپؐ نے فرمایا۔ ایسا نہ کرو اس نے عرض کیا مجھے بچہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ یا زیادہ اولاد ہونے کا ڈر ہے آپ نے فرمایا۔

(زاد المعاد ج ۳-۱۱)

اگرچہ فارس اور روم کا ضرر کیوں نہ ہو۔

اور حضرت عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ حرہ عورت کے ساتھ بلا اس کی اجازت کے عزل نہ کرو۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی یہی روایت کیا ہے۔

یہ احادیث عزل کے جواز کو ثابت کر رہی ہیں۔ اور دس صحابہؓ نے اس بارے میں رخصت روایت کی ہے۔ اور ابن حزم نے کہا ہے کہ عزل مباح ہے۔ اور ایک جماعت نے عزل کو حرام قرار دیا ہے اور ایک جماعت نے فرق کیا ہے کہ اگر حرہ عورت اجازت دے تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔ اور یہی امام احمد نے فرمایا ہے۔ اور بعض اصحاب امام احمد نے فرمایا ہے کہ کسی حال میں حلال نہیں ہے۔ اور بعض نے ہر حال میں مباح قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ انزال عورت کا حق نہیں ہے بلکہ صحبت کرانا عورت کا حق ہے۔ اور جن حضرات نے حرام قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور چند آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے آپؐ سے عزل کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ یہ وأد خفی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اور جب موءدہ سے پوچھا جائے گا۔

کہا گیا ہے کہ یہ آیت وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ احادیثِ اباحت کی ناسخ ہے اور حضرت جابرؓ کی روایت کی ناسخ وہ روایت ہے۔ جس میں موءودۃ الصغریٰ مذکور ہے۔ اور حضرت ابو سعیدؓ کی روایت میں صراحۃً نہی مذکور ہے۔ کیوں کہ اس میں قطع نسل پایا جاتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ عزل نہیں کرتے تھے اور حضرت علیؓ نے اس کو ناپسند کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے اپنے بعض بیٹوں کو عزل کرنے کی وجہ سے مارا تھا لیکن اسکے

باوجود احادیث اباحت سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ عزل میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہی مسلک امام مالک اور اہل کوفہ کا ہے۔ اور قاضی ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس حضرت علیؓ، زبیرؓ، سعدؓ بیٹھے ہوئے عزل کے بارے میں مذاکرہ کر رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ایک آدمی نے کہا۔ یہ مؤودۃ صغریٰ ہے تو حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں۔ جب تک سات دور نہ گذر جائیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ نے صحیح فرمایا۔

دودھ پلانے والی صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا میں نے ارادہ کیا تھا کہ دودھ پلانے والی عورت سے وطی کرنے کو منع کر دوں جب مجھے یہ یاد آیا کہ فارس اور روم یہی کرتے ہیں اور ان کی اولاد کے لئے مضر نہیں ہے۔ اور اسماء بنت یزید نے روایت کیا کہ آپؐ نے فرمایا۔

تم اپنی اولاد کو اعلانیہ قتل نہ کرو آپؐ سے دریافت کیا گیا۔ آپ کی کیا مراد ہے فرمایا۔ مرضعہ سے وطی کرنا۔

پہلی حدیث جذامہ بنت وہب کی ہے، اور دوسری حدیث اسماء بنت یزید کی اس کے معارض ہے اس میں اولاد کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ حقیقۃً قتل نہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ مرضعہ سے وطی کرنے میں عموم بلوی ہے اور آدمی کے لئے صبر کرنا بھی دشوار ہے۔ اگر ان سے وطی کرنا حرام ہوتا تو بہت ظاہر اس کا حکم ہوتا۔ اور کسی نے بھی اس کی صراحت نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث اسماء میں احتیاطی حکم ہے۔ اسی وجہ سے عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی اولاد کو دوسری عورتوں سے دودھ پلوایا کرتے تھے۔

قسم کا بیان

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں "یہ سنت سے ثابت ہے کہ جب مرد کسی باکرہ سے ثیبہ پر نکاح کرے تو باکرہ کے ساتھ۔ سات دن رہے اور اس کے بعد برابری کا معاملہ کرے اور اگر ثیبہ سے باکرہ پر نکاح کرے تو اسی کے پاس تین دن رہے اور اس کے بعد برابری کا معاملہ کرے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

جعل للبکر سبعًا و للثیب ثلاثًا۔

باکرہ کے لئے سات دن اور ثیبہ کے لئے تین دن مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تین دن رہے۔ اور جب واپس آنے لگے تو فرمایا۔ اگر تو چاہے تو سات دن رہوں اور پھر یہی معاملہ دوسری ازواج کے ساتھ ہوگا۔ اور حضرت عائشہ رضؓ نے روایت کیا ہے آپ اس بارے میں عدل فرمایا کرتے تھے۔ اور صحیحین میں ہے کہ جب آپ سفر کا ارادہ فرماتے تو قرعہ اندازی کے ذریعہ انتخاب فرماتے۔ اور صحیحین میں ہے کہ حضرت سودہ رضؓ نے اپنی باری حضرت عائشہ رضؓ کے لئے ہبہ کر دی تھی۔ اور حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اس بارے میں آپ کسی کو بڑھوتری نہیں دیتے تھے۔ اور کبھی وہ ہم سب کے پاس بھی ہو جاتے تھے۔ اور ایسا بھی ہوا ہے کہ سب ازواج اس زوجہ کے یہاں بھی جمع ہو جاتیں جن کے یہاں باری ہوتی۔

اور خلیفۂ راشد حضرت علی رضؓ نے فیصلہ فرمایا تھا کہ اگر کسی آدمی نے حرہ عورت سے باندی پر نکاح کیا۔ تو باندی کے لئے ایک رات اور آزاد کے لئے دو راتیں اور یہی دیگر خلفاء کے فیصلے تھے۔ یہ فیصلے اگرچہ آنحضرت صلعم کے فیصلے نہیں ہیں مگر امت پر وجوب کے حکم میں برابر ہیں۔ اور امام احمد نے اس سے استدلال

کیا ہے، اور ابو محمد بن حزم نے اگرچہ ایک راوی کی وجہ سے اس کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن علماء نے ہمیشہ اس سے استدلال کیا ہے۔

نکاح موقوف حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک باکرہ لڑکی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے باپ نے زبردستی میرا نکاح کر دیا ہے۔ آپؐ نے اس کو اختیار دیدیا (چاہے اس نکاح پر باقی رہے یا اس کو توڑ دے) امام احمد نے اس مسئلہ میں بیان کیا ہے "اگر وہ لڑکی راضی ہو جائے تو نکاح جائز ورنہ نکاح ٹوٹ جائے گا۔ امام احمد کے بیٹے عبداللہ نے کہا ہے کہ اگر نا بالغ لڑکی کا نکاح کر دیا جائے تو بالغ ہونے پر اس کو اختیار ہے۔ اور سفیان نے تو یہ بھی بیان کیا ہے کہ دخول کے بعد بھی بالغ ہو کر لڑکی اپنے اختیار پر باقی رہتی ہے۔ اور اگر غلام بلا اجازت سید کے نکاح کر لے۔ اور پھر مولیٰ کو معلوم ہو تو مولیٰ کو طلاق کا اختیار ہے۔ اگر مولیٰ نے اجازت دیدی تھی تو طلاق کا اختیار غلام کو ہی ہے۔ اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ۔ امام مالک کا ہے۔ اور یہی قیاس بھی ہے۔

نکاح میں کفو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔	لوگو! ہم نے تم کو مذکر و مؤنث سے پیدا کیا اور تم کو قبیلے اور شاخیں بنایا تاکہ شناخت کرو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم تمہارے متقی ہیں۔

اور ارشاد فرمایا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔	مومنین آپس میں بھائی ہیں۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی۔ ولا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقوی الناس من آدم وآدم من تراب۔

عربی کو عجمی پر، اور نہ عجمی کو عربی پر، اور نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے مگر صرف تقوی سے تمام انسان آدمؑ سے ہیں اور آدمؑ مٹی سے ہے۔

اور ارشاد فرمایا:۔

ان آل بنی فلان لیسوا لی باولیاء ان اولیائی المتقون حیث کانوا واین کانوا۔

بایقین فلاں کی اولاد میرے ولی نہیں ہاں البتہ میرے اولیاء صرف متقی ہیں جیسے بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی ہوں۔

اور ترمذی نے روایت کیا ہے:۔

اذا جاء کم من ترضون دینہ وخلقہ فانکحوہ لا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر قالوا یا رسول اللہ وان کان فیہ فقال اذا جاء کم من ترضون دینہ وخلقہ فانکحوہ۔ ثلاث مرات۔

جب تمہارے پاس کوئی آئے جس کے دین اور خلقت اور طور طریق کو تم پسند کرتے ہو تو اس کا نکاح کر دو اور تفصیل میں نہ پڑو کہ یہ زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہے۔ لوگوں نے عرض کیا! یا رسول اللہؐ! اگرچہ اس میں دین ہو آپؐ نے پھر یہی فرمایا اور یہ تین مرتبہ فرمایا۔

اور آپؐ نے بنی بیاضہ سے ارشاد فرمایا (تم لوگ ابو ہند کا نکاح کر دو اور وہ حجام تھے۔) اور آپ نے زینب بنت جحش قرشیہ کا نکاح زید بن حارثہ غلام کے ساتھ کیا۔ اور فاطمہ بنت قیس فہریہ کا نکاح اسامہ بن زید کے ساتھ کیا۔ اور

بلال بن رباحؓ کا نکاح عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بہن سے کیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نکاح میں دین کا اعتبار کرنا اصل ہے۔ اور قرآن اور سنت میں اس کے علاوہ کفو کا اعتبار نہیں ہے۔ آپؐ نے نسب اور پیشہ کا اعتبار نہیں کیا اور نہ مالداری کا اعتبار کیا۔ لہٰذا غلام کا نکاح آزاد عورت کے ساتھ جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ پاکباز ہو مسلمان ہو۔ آپ نے غیر قرشیہ کا نکاح قریشی کے ساتھ جائز قرار دیا ہے۔ ایسے ہی ہاشمیہ کا نکاح غیر ہاشمی کے ساتھ جائز قرار دیا۔ لیکن فقہا میں کفو کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک کا ظاہر مذہب ہیں۔ دین کا اعتبار ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ تین چیزوں کا اعتبار ہے۔ دین۔ حریت۔ عیوب سے سلامتی۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے۔ نسب اور دین کا اعتبار ہے۔ اور ان سے دوسری روایت ہے کہ پانچ چیزوں کا اعتبار ہے۔ نسب۔ حریت۔ دین۔ پیشہ۔ مال۔ اور نسب کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ۱ یہ کہ عرب بعض کے کفو ہیں۔ اور یہ دوسرا یہ کہ قریش کا کفو قریش کے علاوہ کوئی نہیں اور بنو ہاشم کا کفو بنو ہاشم کے علاوہ کوئی نہیں اور امام شافعی کے نزدیک۔ دین۔ حریت۔ پیشہ۔ نسب۔ عیوب سے سلامتی۔

مال کے بارے میں امام شافعی سے تین وجہ منقول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا مطلقاً اعتبار ہے۔ ۲ اہل دیہات میں اعتبار نہیں ۳ اہل شہر کے لئے اعتبار ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عجمی، عربی کا کفو نہیں ہو سکتا ایسے ہی قریشی غیر قریشی کا کفو نہیں ہو سکتا اسی طرح ہاشمی غیر ہاشمی کا اور علماء، اور صلحاء اپنے خلاف کا اور غلام آزاد کا کفو نہیں ہو سکتا۔

ماں کی غلامی کے اثرات میں دو، وجہ ہیں۔ اسی طرح وہ عیب جس سے فسخ ثابت

ہو جائے کفو نہیں ہو سکتا اس کا جو بے عیب ہو۔ جیسے اندھا ہونا۔ سوء خلقت ہونا۔ اور حجام۔ جولاہا۔ چوکیدار۔ تاجر۔ درزی وغیرہ کا کفو نہیں ہو سکتا۔

نکاح اور مہر

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا مہر بارہ اوقیہ چاندی تھا۔ اور یہ پانچ سو درہم کے برابر ہوتی ہے۔ اور حضرت عمر رضؓ نے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مہر یا اپنی صاحبزادیوں میں سے کسی کا مہر بارہ اوقیہ چاندی سے زیادہ مقرر فرمایا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور ایک اوقیہ برابر ۴۰ درہم کے ہوتا ہے۔

اور صحیح بخاری میں ابن سعد رضؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے ارشاد فرمایا۔

تزوج ولو بخاتم من حدید ..
نکاح کر اگرچہ لوہے کی ایک انگوٹھی کے عوض کیوں نہ ہو۔

اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ جس نے ایک مٹھی ستو یا چھوہارے مہر میں دیدئے اس کے لئے حلال ہے۔ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ فزارہ کی ایک عورت نے ایک جوڑ جوتے کے بدلے نکاح کر لیا۔ آپؐ نے اس سے ارشاد فرمایا کیا تو اس کو پسند کرتی ہے۔؟ اس نے عرض کیا ہاں پسند کرتی ہوں تو آپؐ نے اس کو جائز قرار دیا۔ امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور مسند امام احمد میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اعظم النکاح برکۃ ایسرہ کا
سب سے بڑی برکت والا نکاح وہ

مؤنة۔ ہے جس کا بار کم ہو۔

اور صحیحین میں ہے کہ ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:

انی وھبت نفسی لک۔ میں نے خود کو آپؐ کے لئے ہبہ کیا۔

اور یہ کہہ کر دیر تک کھڑی رہی۔ ایک آدمی نے عرض کیا۔ حضورؐ! اگر آپ کو حاجت نہ ہو تو آپؐ کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دیجئے آپؐ نے فرمایا تیرے پاس اس کے مہر کے لئے کچھ ہے؟ عرض کیا۔ میرے پاس اس تہبند کے علاوہ کچھ نہیں آپؐ نے فرمایا۔ اگر تو نے یہ دیدیا تو تو ویسے ہی بیٹھا رہ جائے گا۔ جا کوئی چیز تلاش کر۔ عرض کیا کوئی چیز نہیں ہے۔ فرمایا۔ تلاش کر اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔ اس نے عرض کیا، حضورؐ یہ بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا تجھے کچھ قرآن یاد ہے عرض کیا ہاں فلاں، فلاں سورت یاد ہے تب آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

قد زوجتک بما معک من القرآن۔ میں نے تیرے ساتھ اس کا نکاح اس قرآن کے بدلے کیا جو تیرے پاس ہے۔

اور نسائی نے میں ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ کو نکاح کے لیے پیغام دیا۔ ام سلیم نے کہا۔ ابو طلحہؓ! آپ جیسے آدمی کو رد نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن آپؐ کافر ہیں۔ اور میں مسلمان عورت ہوں میرے لئے آپ کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو وہی میرا مہر ہے۔ اس کے علاوہ آپ سے کچھ نہ طلب کیا جائے گا۔ ابو طلحہ مسلمان ہو گئے اور یہی مہر رہا۔ ثابت نے کہا ہے۔ ام سلیم سے زیادہ باعزت مہر کے بارے میں کوئی عورت میرے سننے میں نہیں آئی۔

۱۔ ان احادیث سے ثابت ہے کہ کم سے کم مہر کی مقدار نہیں ہے۔ اگرچہ

ایک مٹھی ستو یا لوہے کی انگوٹھی یا جوتے غرضکہ جو چیز بھی مہر میں ذکر کی جا سکے اس کے ذریعہ نکاح حلال ہے۔

۲۔ یہ بھی ثابت ہے کہ بھاری بھاری مہر نکاح میں مکروہ ہیں اور کم سے کم مہر میں برکت ہے۔

۳۔ عورت اگر شوہر کے قرآن پاک پڑھانے یا علم سکھانے پر راضی ہو جائے تو یہ جائز ہے۔ جس قدر شوہر قرآن پاک پڑھائے یا علم سکھائے وہ مہر ہو جائیگا جیساکہ کسی باندی کی آزادی کو مہر بنا لیا جائے تو وہی مہر ہو جاتا ہے اور اس باندی سے انتفاع جائز ہو جاتا ہے ایسے ہی حضرت ام سلیم نے ابو طلحہ رض کے اسلام کو مہر قرار دیا۔ اور ان کی زوجیت سے فائدہ اٹھایا۔

وجہ دراصل اس کی یہ ہے کہ اسلام میں مہر اس وجہ سے مقرر کیا گیا ہے کہ عورت اس سے فائدہ اٹھائے اور یہ عورت کا حق ہے۔ اور وہ انتفاع موجود ہے اس لئے ایسے عقد کو مہر سے خالی قرار دینا ہرگز درست نہیں ہے اور یہ کہنا کہ کم از کم تین درہم یا دس درہم نص سے ثابت ہے اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ بھی نص سے ثابت ہے اور قیاس کا مقتضا بھی یہی ہے۔ اور اس مسئلہ کو مسئلہ موہبہ پر بھی قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ وہ حضورؐ کے خصائص میں سے ہے کیوں کہ ہم جس مسئلہ پر بحث کر رہے ہیں اس میں ولی بھی ہے اور مہر بھی ہے اگرچہ وہ کوئی مال نہیں ہے تاہم عوض ضرور ہے[۱]

[۱] یہاں تک جن احادیث کے ذریعہ علامہ نے ثابت کیا ہے کہ منافع بھی مہر بن سکتا ہے علامہ ابن جوزی نے فرمایا ہے کہ یہ ابتدائی حکم تھا اور مسلمانوں کی غربت کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ لیکن میرے نزدیک یہ جواب تحقیقی نہیں ہے کیوں کہ سورۂ بقرہ کا نزول ابتدائے ہجرت سے شروع ہو چکا تھا۔ اور سورۂ بقرہ میں احکامات

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۶ پر)

اس مسئلہ میں بعض حضرات فرماتے ہیں۔ مہر مال ہی بن سکتا ہے۔ منافع مہر نہیں ہو سکتے۔ یہی امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے اور ایک روایت امام احمد سے بھی یہی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ کم سے کم مہر تین درہم ہو سکتا ہے اور یہ امام مالک کا مسلک ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دس درہم کم سے کم مقدار ہے اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔ ان کے علاوہ اور دوسرے اقوال بھی ہیں جن کے پاس کوئی دلیل نہ کتاب اللہ سے ہے اور نہ سنت نبویؐ سے ہے اور نہ اجماع ہے اور نہ قیاس ہے اور نہ کسی صحابیؓ کے قول سے تائید ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے یہ کہدیا ہے کہ یہ احادیث آپ کی خصوصیات میں سے ہیں یا منسوخہ ہیں یہ ایسی بات ہے کہ جس پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ مدینہ منورہ کے مقتدا حضرت سعید بن مسیبؒ نے اپنی بیٹی کا نکاح دو درہم کے بدلہ کیا تھا اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی بلکہ یہ بات ان کے مناقب اور فضائل میں شمار کی جاتی ہے۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مہر موجود ہیں۔ مثلاً اُحِلَّ لَکُم مَّا وَرَاءَ ذٰلِکُم اَن تَبتَغُوا بِاَموَالِکُم الآیۃ: اس آیت میں صراحۃً مال کا ذکر ہے۔ اور جہاں تک مذکورہ احادیث کا تعلق ہے وہ بھی مدنی ہیں۔ اس لئے تعلیم قرآن وغیرہ کا حکم بطور مہر نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ برکت قرآن کی وجہ سے آپؐ نے نکاح کر دیا تھا۔ اور ادائیگی مہر کو آپؐ نے مؤخر کر دیا تھا جیسا کہ بعض احادیث سے اسی طرف اشارہ ملتا ہے۔ چنانچہ حدیث ابن مسعودؓ میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھانے پر اس کا نکاح کر دیا اور فرمایا: واذا رزقک اللہ عوضھا جب اللہ تعالیٰ تجھے رزق دے تو اس کا عوض دے دینا۔ اور تعلیم قرآن اکوئی لوہے کا چھلہ دلانا جن احادیث سے ثابت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ عرب کے دستور کے مطابق کچھ نہ کچھ تبرعاً اور استحباباً عورت کو دیدیا جاتا تھا۔ تعلیم قرآن بھی اسی قبیل سے ہے۔ البنایہ ص ۱۳۰ ج ۲ علاوہ ازیں یہ دلائل نہ امام شافعیؒ کے مسلک کی تائید میں ہو سکتے ہیں اور نہ امام احمد کی۔ کیونکہ ان کے یہاں

(ربانی حاشیہ صفحہ ۱۸۷)

نے ۵ درہم کے بدلہ نکاح کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی رکھا تھا بہرحال مہر کی مقدار پر صاحب شرع کی جانب سے کوئی نص نہیں پیش کی جا سکتی[۱]

زوجین میں سے اگر کسی میں عیب ہو | مسند میں کعب بن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی غفار کی ایک

عورت سے نکاح کیا۔ جب شب باشی کے لئے آپ اس کے پاس گئے اور کپڑا ہٹایا تو اس کی ران پر برص کا سفید داغ تھا۔ آپ علیحدہ ہو گئے اور فرمایا: لو اپنے کپڑے پہن لو! اور آپ نے عطا شدہ مہر میں سے کچھ بھی واپس نہیں لیا[۲]

۲ موطا میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا اگر کسی عورت کو جنون یا جذام یا برص کا مرض ہو اور دھوکہ سے اس کا نکاح کر دیا گیا، اور شوہر نے وطی بھی کر لی، تو عورت کا مہر شوہر پر واجب ہے اور شوہر یہ مہر اس سے وصول کرے جس نے دھوکہ دیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اصول یہ ہے کہ جو چیز ثمن بن سکتی ہے وہی مہر بن سکتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مذکورہ چیزیں ثمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں کیونکہ یہ از قبیل منافع ہیں اور منافع ثمن نہیں ہو سکتے

[۱] یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ نص مجمل موجود ہے: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ الآیۃ یہاں فرض معنی تقدیر ہے اور حدیث حسن جس کو دارقطنی نے سنداً روایت کیا ہے: "لا مہر اقل عشرۃ دراہم" اس کی تفصیل اور تفسیر ہے نص کی یہ تفصیل ایسی ہی ہے جیسا کہ مقدار زکوٰۃ کی تفصیل احادیث سے ثابت ہے۔

[۲] یہ حدیث بنی غفار کی عورت کے بارے میں نہیں بلکہ بنی بیاضہ کی عورت کے بارے میں ہے اور ضعیف ہے اس میں جمیل بن زید متروک الحدیث ہے اور انھوں نے زید بن کعب بن عجرہ سے روایت کیا ہے اور زید بھی مجہول ہے کیونکہ کعب کے کسی بیٹے کا نام زید نہیں تھا۔ اور حدیث صحیح سے اس کی تردید ہوتی ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ نہ میں نے حضورؐ کے جسم کو دیکھا اور نہ حضورؐ نے میرا جسم دیکھا، تو بتلایا جائے رات کے وقت حضورؐ نے اس عورت کی ران کا سفید داغ کیسے دیکھ لیا؟۔ البنایہ صہ ۱۴۱

اور دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے معاملہ کا فیصلہ بھی کیا تھا۔ اور زوجین میں تفریق کر دی تھی اور وطی کر لینے کی وجہ سے عورت کو مہر دلایا تھا۔[1]

۳۔ ابو داؤد میں روایت ہے کہ ابو رکانہ نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دے دی تھی اور مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا تھا وہ عورت حضورؐ کے پاس آئی اور اپنے سر کا بال پکڑ کر عرض کیا وہ (شوہر) میرے لئے بقدر میرے بال کے بھی کفایت نہیں کرتا ہے چنانچہ آپؐ نے دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور یہ بھی روایت ہے کہ آپؐ نے ابو رکانہ سے فرمایا اس کو طلاق دے دے۔ اور ام رکانہ سے رجعت کر لے۔ ابو رکانہ نے کہا: میں نے اس کو تین طلاق دے دی ہیں آپؐ نے فرمایا۔ مجھے معلوم ہے۔ اس سے رجعت کر لے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔	اے نبی جب طلاق دو تم عورتوں کو تو طلاق دو ان کو ان کی عدت کے لئے۔

اس حدیث میں اس کے علاوہ کوئی علت نہیں ہے کہ اس کو ابن جریج نے بنی رافع کے کسی آدمی سے روایت کیا ہے کہ وہ مجہول ہے لیکن وہ تابعی ہے اور ابن جریج ثقہ ائمہ میں سے ہیں اور ثقہ اور عادل کا کسی سے روایت کرنا اس کی تعدیل کی علامت ہے تا وقتیکہ کوئی ظاہری کذب اور معقول جرح نہ ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے پھر وہ تابعی بھی اہل مدینہ میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں اور یہ ایک ایسی سنت بھی ہے جس کی لوگوں کو بہت ضرورت ہے۔

---

[1] تفریق سے مراد طلاق کے ذریعہ تفریق ہے اور یہ حدیث عبد اللہ بن جیب کی سند سے ضعیف ہے اینمایہ ملخصاً۔ اگر عورت میں کوئی عیب ہے تو مرد اس کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ تفریق کے یہی معنی ہیں۔

[2] اس حدیث اور مسئلہ پر کلام آئندہ آئے گا۔

عنین کا بیان

عنین (نامردی) کی وجہ سے زوجین میں تفریق حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت ابن مسعودؓ سمرۃ بن جندبؓ مغیرہ بن شعبہؓ معاویہ بن ابی سفیانؓ۔ حارث بن عبد اللہؓ سے ثابت ہے لیکن حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ، مغیرہ بن شعبہؓ نے (بغرض علاج) ایک سال کی مہلت دی ہے اور حضرت معاویہؓ۔ عثمانؓ۔ سمرہ بن جندبؓ نے کوئی مہلت اور مدت مقرر نہیں فرمائی، اور حارث بن عبد اللہ نے صرف دس مہینہ کی مہلت تجویز کی ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ ایک آدمی کو عامل مقرر فرما کر بھیجا۔ اس نے وہاں جا کر ایک عورت سے نکاح کر لیا (حالانکہ وہ نامرد تھا) حضرت عمرؓ نے فرمایا: تو نے اس عورت کو بتلا دیا ہے کہ تو نامرد ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا، جاؤ اسے خبر دو! کہ تو نامرد ہے پھر اس کو اختیار دے؟۔

۲۔ اگر کوئی آدمی مجنون ہے تو اس کی مدت بھی ایک سال ہے اگر آرام ہو گیا بہتر، اور اگر آرام نہ ہوا تو علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ ابو داؤد ظاہری ابن حزم نے کہا ہے کہ مرد میں کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ عنین ہونے کی صورت میں نکاح توڑ دیا جائے گا اور امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا، مرض جنون اور برص، جذام۔ عنین ہونا مجبوب ہونا، قرن ہونا (یعنی عورت کا راستہ بند ہو) کی وجہ سے نکاح توڑا جا سکتا ہے اور امام احمدؒ نے اتنا اضافہ اور کیا ہے اگر عورت کی شرم گاہ میں کوئی مرض ہے مثلاً دونوں راستے ملے ہوئے ہیں یا پھٹے ہوئے ہیں تو نکاح توڑنا جائز ہے اور اصحاب امام احمد نے۔ خرج اور منہ کی بدبو۔ اور پیشاب گاہ اور مجریٰ منی (شرم گاہ) میں پھٹن کی وجہ سے بھی نکاح کو قابل فسخ قرار دیا ہے۔ اور ایسا پھوڑا جو جاری رہتا ہو۔ بواسیر، ناسور استحاضہ۔ پیشاب کی رکاٹ نہ ہونا، دستوں کا جاری رہنا، خصی ہونا۔ خنثیٰ مشکل ہونا

وغیرہ مستقل عیوب کی وجہ سے نکاح کو قابل فسخ قرار دیا ہے البتہ اگر ان امراض میں سے کوئی مرض بعد نکاح کے پیدا ہو گیا تو اس میں اختلاف ہے۔

امام شافعی صاحبؒ نے فرمایا کہ جن عیوب کی وجہ سے باندی کی بیع کو ختم کر دیا جائے گا اور بائع کو واپس کر دیا جائے گا۔ ان ہی عیوب سے نکاح بھی توڑ دیا جائیگا اور بہت سے علماء اس وجہ کو نہیں مانتے طبقات شافعیہ میں اسی کو قیاس قرار دیا ہے اور یہی قول ابن حزم کا ہے۔

اور یہ بات کہ ان سات عیوب میں سے صرف دو کے بارے میں ہے اگر سات سے زیادہ آٹھویں عیب کے بارے میں بھی نکاح توڑ دینا اس کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے مثلاً اندھا ہونا۔ گونگا ہونا۔ دونوں ہاتھ یا ایک ہاتھ کٹا ہونا، دونوں پیر کٹے ہوں یا ایک پیر کٹا ہو۔ ان کا اعتبار نہ کرنا یہ بہت بڑی غلطی ہے اور دین کے بھی خلاف ہے بلکہ مطلقاً سلامتی کا اعتبار ہے۔ اور سلامتی عرفاً مشروط ہے خواہ بتلایا جائے یا نہ بتلایا جائے، امیر المومنین حضرت عمرؓ نے تو فرما دیا تھا۔

اس کو بتلا دے کہ تو نامرد ہے اور اس کو اختیار دے دے۔

دوسرے عیوب تو بطریق اولیٰ کامل عیوب ہیں اور قیاس یہ ہے کہ ہر وہ عیب جس کی وجہ سے دوسرے زوج سے نفرت ہو جائے اور مصالح نکاح حاصل نہ ہو سکیں وہ واجب الخیار ہیں بلکہ بیع سے زیادہ اہم ہیں جیسا کہ معاہدات (شرائط نکاح) کا پورا کرنا واجب ہے اور وہ بیع کے شرائط سے زیادہ اہم اور اولیٰ ہیں اور یہ بات قواعد شرع کے بھی زیادہ قریب ہے۔

اور یحیی بن سعیدؒ نے حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

وہ عورت جو مجنون ہو یا اس کو برص اور جذام ہو اور اس کا نکاح کر دیا

گیا، شوہر نے اس سے وطی بھی کر لی پھر معلوم ہوا تو اس کا مہر شوہر پر ہے اور عورت کے ولی پر مہر کی ادائیگی ہے کہ وہ شوہر کو اپنے پاس سے ادا کرے کیونکہ اس نے دھوکا دیا ہے

اس روایت پر یہ اعتراض کہ حضرت سعید بن مسیب رضؓ نے حضرت عمرؓ سے نہیں سنا، یہ ناقد کا ہذیان بارد ہے۔ اور اہل حدیث کے اجماع کے خلاف ہے۔

امام احمدؒ نے فرمایا ہے اگر سعید بن مسیبؒ نے حضرت عمرؓ سے نہیں سنا تو کس سے سنا؟ ائمۂ اسلام تو حضرت سعید بن مسیبؒ کے قول کو قابل حجت قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ حضورؐ سے روایت کردیں چہ جائیکہ ان کا حضرت عمرؓ سے روایت کرنا۔ اور حضرت ابن عمرؓ تو سعید بن مسیبؓ سے حضرت عمرؓ کے قضایا دریافت کیا کرتے تھے اور ان کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور ان کے کسی معاصر نے اس پر اعتراض نہیں کیا اور نہ کسی ایسے آدمی نے کچھ کہا کہ جس کا اسلام میں قول معتبر مانا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی باتوں کا اعتبار نہیں ہے اور شعبیؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ایما امراۃ نکحت وبها برص او جنون او جذام او قرن فزوجها بالخیار مالم یمسها ان شاء امسک وان شاء طلق وان مسها فلها المهر بما استحل من فرجها۔	جس عورت کا نکاح کر دیا گیا اور اس کو مرض برص یا جذام یا جنون تھا یا راستۂ وطی مسدود تھا تو اس کے شوہر کو اختیار ہے جب تک وطی نہ کی ہو اگر چاہے طلاق دیدے اور اگر وطی کر لی تھی تو عورت کے لئے مہر ہے کیونکہ شوہر نے اپنے لئے اس کی فرج کو حلال کر لیا تھا۔

اور سعید بن مسیبؒ نے روایت کیا ہے کہ اگر کسی اندھی یا برص والی عورت سے نکاح کرلیا اور اس سے صحبت بھی کرلی تو اس عورت کے لئے مہر ہے، اور شوہر مہر کا مطالبہ اس سے کرے گا جس نے دھوکہ دیا ہے،، اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ عیوب مخصوص کردیے ہیں. دوسرے عیوب معتبر نہ ہوں گے۔ اور ایسے ہی حکم قاضی شریح نے دیا تھا چنانچہ عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ ان کی عدالت میں شوہر نے بیان دیا:۔

یہ لوگ میرے پاس آئے اور بولے ہم تیرا نکاح ایک نہایت حسین عورت سے کئے دیتے ہیں اور انھوں نے ایک اندھی عورت سے میرا نکاح کردیا۔

قاضی شریح نے جواب دیا! اگر ان لوگوں نے دھوکہ دیا ہے تو یہ نکاح جائز نہیں ہے،، اس فیصلہ پر غور کرو۔ یہ کہاں ثابت ہے کہ وہ تمام عیوب جو چھپالئے جائیں ان کی وجہ سے شوہر کو نکاح توڑنے کا حق حاصل ہے۔ اور امام زہریؒ نے فرمایا ہر مغرمرض کی وجہ سے نکاح توڑوایا جاسکتا ہے۔

حضرت صحابہؓ اور اسلاف کے فتاویٰ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فسخ نکاح کے لئے کسی عیب کی تخصیص نہیں کی ہے صرف حضرت عمرؓ کی ایک روایت ہے جس میں ہے۔

لا ترد النساء الا من العیوب الاربعۃ الجنون والجذام و البرص والداء فی الفرج۔	عورت کو صرف چار امراض ہی کی وجہ سے چھوڑا جاسکتا ہے یعنی جنون جذام، برص اور فرج کی بیماری۔

اس روایت کی صرف دو سندیں ہیں یعنی اصبغ اور ابن وہب نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو بسند متصل حضرت ابن عباسؓ سے سفیانؒ نے روایت کیا ہے۔

بہرحال زیر بحث مسئلہ اسی صورت میں ہے کہ جب شوہر نے کوئی شرط نہ لگائی ہو لیکن جب شوہر نے سلامتی کی شرط لگادی ہو۔ مثلاً جمال کی شرط لگائی لیکن عورت بدشکل نکلی یا باکرہ کی شرط لگائی لیکن وہ ثیبہ نکلی یا جوان کی شرط لگائی مگر وہ بوڑھی نکلی ۔ . . . . گوری کی شرط لگائی مگر وہ سیاہ نکلی تو ان صورتوں میں شوہر کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہے، اگر قبل خلوت یہ حالات پیش آئے تو کوئی مہر نہیں ادا اگر بعد خلوت پیش آئے تو پورا مہر دینا ہوگا لیکن یہ مہر ولی سے وصول کیا جائے گا اگر اس نے دھوکہ دیا ہے اور اگر عورت ہی نے دھوکہ دیا تھا تو مہر ساقط ہو جائے گا، اور اگر ادا کر دیا تھا تو واپس لیا جائے گا۔ اور امام احمد نے دو روایتوں میں سے ایک میں اسی پر نص قائم کی ہے اور یہی اصول کے زیادہ قریب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبیع کا عیب چھپانے کو حرام قرار دیا ہے تو نکاح میں تو بطریق اولی یہ حرام ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب فاطمہ بنت قیس نے، معاویہ اور ابوجہم سے نکاح کرنے کے لئے مشورہ کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اما معاویۃ فصعلوک لا مال لہ	لیکن معاویہ تو بالکل کنگال ہیں
واما ابوجھم فلا یضع عصاہٗ	ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اور ابوجہم ہر وقت لاٹھی ہاتھ میں لئے رہتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں عیب کا ظاہر کر دینا اولیٰ ہے اور ابومحمد بن حزم نے کہا ہے اگر شوہر نے تمام عیوب سے سلامتی کی شرط لگادی تھی پھر کوئی بھی عیب پایا گیا تو نکاح بالکل باطل ہو جائے گا اور نکاح کے احکامات بالکل جاری نہ ہونگے[1]

[1] ابن حزم کا یہ قیاس باطل ہے کیونکہ نکاح کو بیع پر قیاس کرتے ہوئے بھی عیوب کی وجہ سے بیع کو کسی نے باطل نہیں کہا بلکہ عیوب کی وجہ سے خیار فسخ دیا ہے۔ بالفرض اگر معیوب بیع ہی پر کوئی صبر کرلے اور ایسے ہی معیوب زوجہ ہی پر صبر کرلے تو کیا وہ حرام اور زنا کا مرتکب قرار دیا جائے گا؟ ایسا کسی نے نہیں کہا ہے۔

شوہر کی خدمت

ابن حبیب نے کتاب (الواضحہ) میں بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمہ رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کام کاج کے بارے میں شکایت کی تو حضورؐ نے حضرت فاطمہ رضؓ کے سپرد اندرون خانہ کام کاج فرمائے اور حضرت علی رضؓ کے بیرون خانہ کام سپرد فرمائے ابن حبیب نے کہا ہے کہ اندرون بیت کے کاموں میں مثلاً گوندھنا روٹی پکانا۔ فرش وغیرہ جھاڑو۔ پانی لانا۔ تمام گھر کے کام داخل ہیں چنانچہ صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضؓ نے حضورؐ سے شکایت کی چکی چلانے کی وجہ سے ہاتھوں میں نشانات پڑ گئے ہیں آپؐ سے خادم طلب فرمایا۔ اور حضرت عائشہ رضؓ سے بھی اس کا ذکر کیا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ سے عرض کیا حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم رات کو لیٹنے کے لئے تیاری کر رہے تھے کہ حضورؐ تشریف لائے۔ ہم نے اٹھنا چاہا تو فرمایا "بس اپنی جگہ رہو۔ اور ہمارے درمیان بیٹھ گئے آپؐ کے قدموں کی ٹھنڈک میں اپنے پیٹ میں محسوس کر رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

آپ لوگوں نے مجھ سے جس چیز کا سوال کیا تھا کیا اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ وہ یہ ہے کہ جب تم اپنے بستروں پر لیٹو تو سبحان اللہ۔ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ۔ اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ۔ پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔ حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے اس کو نہیں ترک کیا، حضرت علی رضؓ سے کہا گیا۔ کیا صفین کی رات بھی فرمایا صفین کی رات بھی۔

اور حضرت اسماء رضؓ نے فرمایا ہے کہ میں زبیر رضؓ کے گھر کے سب کام کیا کرتی تھی ان کے ایک گھوڑا تھا اس کے لئے گھاس اور دانہ کی خدمت کرتی تھی۔ حضرت اسماءؓ کے بارے میں صحیح سند سے ثابت ہے کہ وہ حضرت زبیر رضؓ کے گھوڑے کو چرایا کرتی تھیں اور اس کو پانی پلاتی تھیں۔ گھر کا ڈول سیتیں اور آٹا پیسا کرتی تھی اور حضرت زبیر رضؓ کی زمین جو تقریباً ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھی وہاں سے سر پر گٹھلیاں ڈھویا کرتی تھیں۔

فقہاء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے ایک جماعت نے تو گھریلو ضروریات کے امور کو انجام دینے کی خدمت کو عورت پر واجب قرار دیا ہے اور ابو ثور نے بھی یہی کہا ہے کہ شوہر کی تمام خدمات انجام دینی چاہیے دوسرے حضرات نے وجوب خدمت کا انکار کیا ہے امام ابوحنیفہؒ۔ امام مالک۔ امام شافعیؒ نے یہی فرمایا ہے اور یہی مسلک اصحاب ظواہر کا ہے ان کا فرمانا ہے کہ عقد نکاح کا تقاضہ صرف یہی ہے کہ عورت صرف (استمتاع) فراش کے لئے ہے خدمت کے لئے نہیں ہے۔ اور مذکورہ حدیث صرف تطوع اور خوشی پر دلالت کرتی ہے وجوب پر نہیں بلکہ ان کا تعلق اخلاقیات سے ہے۔ اور جن حضرات نے واجب قرار دیا ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ کلام اللہ کے خطاب سے یہی ثابت ہے کہ عورت کے ذمہ یہ خدمات ہیں۔

۱- وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ — اور عورتوں کے لئے ایسا ہی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر دستور کے مطابق حق ہے

۲- الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ۔ — مرد عورتوں پر قیم ہیں۔

اس لئے اگر عورت خدمت انجام نہ دے بلکہ مرد کو خدمت کرنی پڑے تو عورت قوامہ خاوند پر ہو جائے گی دوسری بات یہ ہے کہ نکاح میں مہر ملک بُضع کے بدلہ میں ہے اور زوجین میں سے ہر ایک اس بارے میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کے بعد نان و نفقہ اور مسکن یہ خدمت زوج ہی کے بدلے میں ہیں جو بھی عادت یا دستور ہو کیونکہ اگر عقود مطلق ہوں تو وہ عرف کے مطابق ہوں گے اور عرف میں خدمت زوج اور گھریلو کام داخل ہیں [۱]

[۱] اس باب میں علامہ کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ آیت مبارکہ میں حقوق کو بیان کیا ہے اخلاقاً اور عرفاً جو خدمات زوجین کی طرف سے ہوتی ہیں وہ حق واجب نہیں بلکہ تبرعاً ہیں بالفرض اگر خدمت زوج کو حق زوج قرار دیا جائے تو آیت کے مفہوم پر زیادتی ہوگی۔ اور یہ بات غلط ہے کہ نفقہ استمتاع کی وجہ سے ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ایک قسم کا استمتاع عورت کو بھی حاصل ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۷ پر)

رہی یہ بات کہ حضرت فاطمہ رضؓ اور حضرت اسمارؓ جو خدمات انجام دیتی تھیں ان کو اخلاقاً یا احساناً نہیں کہا جا سکتا کیونکہ حضرت فاطمہ رضؓ نے جب اپنی مشقت کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ سے یہ نہیں فرمایا کہ فاطمہ رضؓ پر کوئی خدمت نہیں ہے بلکہ ان کو ان خدمات پر باقی رکھا، ایسے ہی حضرت اسمارؓ کی خدمات کو یہ نہیں فرمایا کہ ان پر ظلم اور زیادتی ہے بلکہ ان کو بھی ان ہی خدمات بر برقرار رکھا۔ اور اسی طرح سے اپنے تمام صحابہ رضؓ کو اپنی اپنی ازواج سے خدمات لینے کو منع نہیں فرمایا بلکہ ان کو ان خدمات پر برقرار رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خوشی اور ناخوشی کا علم تھا۔ یہ وہ حقائق ہیں کہ جن کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اس باب میں شریف اور رزیل۔ غریب اور مالدار کی کوئی تفریق نہیں ہے یہ وہ عورتیں ہیں کہ جو تمام عالم کی عورتوں سے زیادہ شریف ہیں، جو اپنے شوہروں کی خدمت کیا کرتی تھیں اور بعض دفعہ حاضر ہو کر شکایت بھی کر دیتی تھیں آپ نے ارشاد فرمایا۔

عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو! وہ تمہاری مددگار اور قیدی قسم کی مددگار ہیں۔[ا]

اور یہ ظاہر ہے کہ قیدی کے ذمہ خدمت ہی ہوتی ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ نکاح ایک قسم کی غلامی ہے جیسا کہ بعض اسلاف نے کہا ہے۔

النکاح رق۔ نکاح غلامی ہے[۲]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۱۹۵) اس لئے عورت پر مرد کا نفقہ لازم ہے اور قرآن وحدیث سے اس کا انکار ثابت ہے بلکہ نفقہ حق حبس ہے جس کے لئے محبوس ہونا پایا جائے گا اس پر نفقہ لازم ہوگا

ا یعنی حق نکاح میں مقید ہیں۔ اس قیدی کو اسیر پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ عورتوں کے بارے میں آیت گذر چکی ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور یہ حکم اسیروں کے بارے میں نہیں ہے۔

۲ یہ قیاس بھی غلط ہے۔ نکاح کو مجازاً رقیت سے تعبیر کیا ہے اور مجاز اور حقیقت دونوں کے احکام یکساں نہیں ہوتے ہیں۔

منصف مزاج لوگوں پر دونوں فریق کے دلائل واضح ہیں کہ ان میں کون راجح ہے اور کون مرجوح ہے۔

زوجین میں اختلاف

ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ حبیبہ بنت سہل حضرت ثابت بن قیس بن شماس کے نکاح میں تھیں تو ایک دن انہوں نے حبیبہ کو مارا جس سے کوئی عضو ٹوٹ گیا وہ صبح ہوتے کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے ثابت کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ دا اپنے دیے ہوئے مال یعنی مہر میں سے اس سے کچھ لے لو انہوں نے عرض کیا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے آپؐ نے فرمایا ہو سکتا ہے تو پھر ثابت نے عرض کیا کہ میں نے اس کو مہر میں دو باغ دیے۔ ہیں وہ اس کے قبضے میں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:۔ وہ دونوں لے لو اور اس کو طلاق دیدو چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ نے بھی اسی بارے میں فرمایا ہے:۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا۔	اگر تمہیں زوجین میں نااتفاقی کا ڈر ہو تو ایک حکم مرد کی طرف سے اور ایک حکم عورت کی طرف سے مقرر کرو۔ اگر وہ اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی زوجین میں موافقت کرا دیگا وہ علیم اور خبیر ہے۔

اسلاف اور اخلاف کا اختلاف ہے کہ دونوں حکم، حاکم ہیں یا وکیل ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ یہ دونوں وکیل ہیں یہی قول امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ اور ایک روایت امام احمد سے بھی یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حاکم ہیں۔ اور یہی قول اہل مدینہ۔ امام مالک، امام احمد کا ہے اور یہی دوسرا قول امام شافعیؒ کا بھی ہے اور یہی صحیح ہے تعجب ان حضرات پر ہے جنھوں نے حکم کو وکیل قرار دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم قرار دیا ہے اور ان کے تقرر کا معاملہ غیر زوجین کے سپرد کیا ہے اگر ان کی حیثیت

وکیل جیسی ہوتی تو کہا جاتا :۔

فلیبعث وکیلاً من اھلہ — مرد اپنے اہل میں سے ایک وکیل بھیجے

ولتبعث وکیلاً من اھلھا — اور عورت اپنے اہل میں سے ایک وکیل بھیجے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ان کی حیثیت وکیل جیسی ہوتی تو پھر اہل کی قید کی ضرورت نہیں تھی۔ اسی وجہ سے ان کے بارے میں فرمایا ہے :۔

اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا۔ — اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان میں موافقت کرا دیگا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ وکیل کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا بلکہ موکل کا ارادہ ہوتا ہے۔ اور لغت قرآن میں وکیل کو حکم نہیں کہا جاتا ہے۔ اور نہ شارع علیہ السلام کے نزدیک ایسا ہے اور نہ عرف عام ہی ایسا ہے اور نہ عرف خاص ہی ایسا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی بات ہے کہ حکم کو حکم اور کسی چیز کے لازم قرار دینے کے اختیارات ہوتے ہیں اور یہ اختیارات وکیل کو نہیں ہوتے حکم کے معنی میں حاکم کے معنی سے زیادہ بلاغت ہے کیونکہ حکم "صفت مغبہ کا صیغہ ہے اور اس بلاغت پر اہل عربیت کا اتفاق ہے۔ اس لئے جب وکیل پر حاکم کا اطلاق درست نہیں ہے تو اس سے ابلغ پر بطریق اولیٰ درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی قیام حکم کے لئے غیر زوجین کو مخاطب فرمایا ہے۔ اس لئے غیر زوجین کو وکیل کس طرح بنایا جا سکتا ہے؟ اس طرح آیت کے معنی میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا اور آیت کے یہ معنی ہوں گے :۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فمروھما ان یوکلا وکیلین — اگر تمہیں زوجین کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ان کو امر کرو کہ وہ

وکیلا من اھلہ و وکیلا من اھلھا۔ دونوں اپنے اپنے متعلقین میں وکیل بنالیں۔

اور یہ مفہوم آیت کے الفاظ سے بعید ہے۔ اور اس معنی پر آیت کسی اعتبار سے بھی دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے اور یہ بہت واضح بات ہے[۱]
حضرت عثمان غنی رضؓ نے بھی حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کو حضرت عقیل رضؓ بن ابی طالب اور ان کی بیوی فاطمہ بنت عُتبہ رضؓ کے درمیان حکم مقرر فرمایا تھا۔ اور ان کو ہدایت کردی تھی کہ اگر آپ دونوں حضرات تفریق کو مناسب خیال کریں تو تفریق کردینا۔ اور حضرت علی رضؓ نے بھی دونوں حکم سے فرمادیا تھا کہ اگر آپ تفریق کو مناسب سمجھیں تو تفریق کردینا اور اگر صلح اور جمع کو مناسب سمجھیں تو اتفاق کرادینا۔ یہ حضرات یعنی حضرت عثمان رضؓ حضرت علی رضؓ حضرت ابن عباس رضؓ حضرت معاویہ رضؓ نے حاکم کے اختیارات حکمین کو دیئے تھے۔ اور کسی صحابی رضؓ نے اس بارے میں ان کی مخالفت نہیں کی البتہ اختلاف حضرات تابعین رحؒ کے درمیان پیدا ہوا واللہ اعلم۔
اور اگر ہم دونوں حکم کو وکیل تسلیم کرلیں تو یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا زوجین پر وکیل بالعوض مقرر کرنے پر جبر کیا جاسکتا ہے؟ ایسے ہی بلاعوض کے تفریق پر کیا جبر کیا جاسکتا ہے؟ اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر وہ جبر کرسکتے ہیں تو وہ وکیل نہ رہے بلکہ حاکم ہوگئے کہ جن کو رضائے زوجین کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر ہم حکم مانیں (جیسا کہ حقیقت ہے) تو ان کو رضائے زوجین کی ضرورت نہیں ہے

[۱] حکم کے بارے میں اس کی حیثیت وکیل کی ہے یا حاکم کی۔ حنفیہ رحؒ کے نزدیک حکم، حاکم کی فرع ہے وہ من کل الوجوہ حاکم نہیں ہے لیکن حاکم جیسے اختیارات اس کو حاصل ہیں صرف سترہ مسائل میں حنفیہ حکم کو حاکم تسلیم نہیں کرتے ہیں وہ سترہ احکام اس کے اختیار سے خارج ہیں۔ علامہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے عہ زبردستی حنفیہ پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے تفصیل ملاحظہ فرمائیں کتب فقہ باب التحکیم

اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ زوجین غائب ہوں، یا دونوں میں سے کوئی ایک غائب ہو۔[1]

خلع کا بیان

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثابت بن قیس بن شماسؓ کی بیوی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ مجھے ثابت کے اخلاق اور دین کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن مجھے اسلام میں کفر ناپسند ہے۔[2] آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا تو اس کے باغ واپس کر سکتی ہے؟ عرض کیا ہاں واپس کر سکتی ہوں تب آپؐ نے حضرت ثابتؓ سے فرمایا۔

اقبل الحدیقۃ وطلقھا تطلیقۃ واحدۃ۔[3]	باغ قبول کرو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔

اور سنن نسائی میں ربیع بنت معوذؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت ثابتؓ نے اپنی بیوی کا ہاتھ توڑ دیا تھا۔ اور اس کا نام جمیلہ بنت عبد اللہ بن ابی ہے۔ ان کا بھائی حضورؐ کے پاس آیا اور شکایت کی۔ حضورؐ نے ثابتؓ کے پاس خبر بھیجی کہ تم نے جو کچھ دیا ہو اسکو حاصل کرلو اور اس کا راستہ چھوڑ دو! ثابت آمادہ ہو گئے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

ان تتربص حیضۃ واحدۃ وتلحق باھلھا۔	وہ ایک حیض گذار کر اپنے رشتہ داروں میں چلی جائے۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے ان سے خلع کیا آپؐ نے اس کو حکم فرمایا۔

ان تعتد حیضۃ۔	ایک حیض کی عدت گذارے۔

اور سنن دارقطنی میں اس قصہ میں مذکور ہے کہ آپؐ نے ثابتؓ کی بیوی سے فرمایا

---

[1] اس تفصیل میں علامہ نے وہی بات کہی ہے جو حضرات حنفیہ کہتے ہیں۔ علامہ نے بات کہنے کو تو کہہ دی تھی لیکن ان کو ثابت کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے۔ [2] استعارہ سے مراد ناشکری ہے۔ اس کا پس منظر گذر چکا ہے [3] اس سے ثابت ہے کہ خلع میں بقدر مہر ہی واپس لینا چاہیئے۔

جو باغ ثابت نے تجھے دیا ہے کیا تو اس کو واپس کر سکتی ہے؟ اس نے عرض کیا وہ بھی اور اس سے زیادہ بھی۔ آپؐ نے فرمایا زیادہ تو نہیں! آپؐ نے اس سے باغ لے لیا اور اس کو چھوڑ دیا۔ جب یہ خبر ثابت کو معلوم ہوئی تو کہا:

قبلت قضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	میں نے حضورؐ کے فیصلہ کو قبول کر لیا۔

دار قطنی نے کہا، اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔ (الحاصل) جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ میں چند احکامات ہیں:

ا۔ خلع جائز ہے اور یہ حکم قرآن شریف سے بھی ثابت ہے:۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (الآیۃ)	تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو۔ مگر یہ دونوں اس سے ڈرتے ہوں کہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ پس اگر یہ خوف ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے تو اب دونوں کیلئے کوئی گناہ نہیں کہ عورت اپنا فدیہ دیدے۔

اور ایک مختصر سی جماعت نے خلع کا انکار کر کے نص اور اجماع کی مخالفت کی ہے۔

۲۔ ایک جماعت نے حاکم کی اجازت سے مطلقاً خلع کو جائز قرار دیا ہے۔ اور دوسری جماعت نے بلا اجازت کے خلع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور ائمۃ اربعہ اور جمہور اس کے خلاف ہیں۔

۳۔ آیت سے ثابت ہے کہ خلع سے عورت بائنہ ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "فدیہ" کا ذکر فرمایا ہے اگر طلاق رجعی ہوتی۔ تو فدیہ کی ضرورت نہیں تھی جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے

۴. اور آیت مبارکہ میں

فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ. | دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ ادا کرے

دلالت ہے کہ مال قلیل اور مال کثیر دونوں جائز ہیں شوہر کو دیے ہوئے سے بھی زیادہ لینے کا اختیار ہے چنانچہ عبدالرزاق نے ربیع بنت معوذ بن عفراء کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنے شوہر سے اس چیز کے بدلہ خلع کیا جس کی وہ مالک تھیں جب یہ معاملہ حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہونچا تو انھوں نے اس کو جائز قرار دیا اور شوہر کو حکم دیا کہ وہ۔ اس کے سر کی چوٹی باندھنے کا کپڑا اور دوسری چیز بھی لے سکتا ہے۔ اور ابن جریج نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضؓ نے فرمایا کہ ایک (آزاد شدہ غلام) کی عورت آئی اور اس نے اپنی تمام مملوکہ چیزوں کے بدلہ خلع کیا یہاں تک کہ کپڑا، کانوں کی بالی تک بھی اس میں پیش کیں اور حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو (وہ عورت اپنے شوہر کی نافرمان تھی) حضرت عمر رضؓ نے اس کے شوہر سے فرمایا "خلع کرلے اگرچہ ایک بالی ہی کیوں نہ ہو"، اور عبدالرزاق نے ابن عیینہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضؓ نے فرمایا۔

لا یاخذ منھا فوق ما اعطاھا۔ | شوہر دیے ہوئے سے زیادہ نہ لے۔

اور طاؤس نے بھی یہی کہا ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ نہ لے۔ اور عطا نے کہا ہے کہ اگر دیئے ہوئے سے زیادہ لیا تو وہ واپس کرایا جائے گا۔ اور زہری نے بھی زیادہ کو حلال قرار نہیں دیا۔ اور میمون بن مہران نے کہا ہے اگر زیادہ لے لیا تو یہ "تسریح باحسان" نہیں ہے۔ اور اوزاعی نے کہا ہے قاضی حضرات بھی اس کو جائز قرار نہیں دیتے تھے" لیکن جن حضرات نے زیادتی کو جائز قرار دیا ہے وہ ظاہر قرآن اور ظاہر

آثار صحابہؓ سے استدلال کرتے ہیں اور جو لوگ زیادتی کا انکار کرتے ہیں وہ ثابت بن قیس کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اس میں زیادتی کا انکار کر دیا تھا۔

دارقطنی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابو زبیر نے بہت سے حضرات سے سنا ہے اور اس کے اسناد صحیح ہیں۔ اور علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ اس میں آثار صحابہؓ بہت مختلف ہیں۔ بعض نے زیادتی کو حرام قرار دیا ہے اور بعض نے زیادتی کو مباح قرار دیا ہے اور بعض نے مکروہ قرار دیا ہے چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے:۔

انہ کرہ ان یاخذ منها — کہ انھوں نے مکروہ قرار دیا ہے کہ

اکثر مما اعطاھا[1] — دیے ہوئے سے زیادہ لیا جائے۔

اور امام احمد نے بھی اسی قول کو لیا ہے اور زیادہ کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور امام احمد کے شاگردوں میں سے ابو بکرؒ نے بھی زیادہ کو حرام قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ زیادہ کو واپس کیا جائے گا۔ اور عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے عطا نے کہا ہے کہ ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا حضور! مجھے اپنے شوہر سے نفرت ہے اور میں اس سے جدائی چاہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو اس کا باغ واپس کر دے گی؟ عرض کیا ہاں! بلکہ زیادہ۔ تو حضورؐ نے زیادہ کا انکار کر دیا۔ اور صرف باغ ہی پر فیصلہ کر دیا۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن اس کی تائید ابو زبیر کی حدیث سے ہوتی ہے اور ان دونوں کو ابن جریج ہی نے روایت کیا ہے۔

خلع میں، عوض کو فدیہ کے نام سے ذکر کرنے میں دلیل ہے کہ یہ معاوضہ ہے

[1] اس باب میں مسند اور مرسل روایات ہیں۔ حنفیہ کا مسلک اس باب میں یہی ہے کہ مسنون بقدر عطا ہے زیادتی مکروہ ہے لیکن اگر کوئی شوہر مہر سے زیادہ لینا چاہے تو جائز ہے جیسا کہ اوپر روایات میں گذر چکا ہے۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔ فتح القدیر باب الخلع تنسیق النظام باب الطلاق ص۱۵۱۔

اس لئے اس میں زوجین کی رضامندی کی ضرورت ہے،، اگر زوجین نے خلع قبول کرلیا پھر شوہر نے لیا ہوا مال عورت کو واپس کردیا اور عدت ہی میں رجعت کرلی تو کیا یہ جائز ہے،، ائمہ نے اس کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ نفس خلع ہی سے طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے اور عبدالرزاق نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ اگر شوہر چاہے تو رجعت کرسکتا ہے اس طرح پر کہ جو لیا ہے عدت ہی میں اس کو واپس کردے اور رجعت پر گواہ بنالینا چاہئے۔ معمر نے کہا ہے کہ زہری یہی کہا کرتے تھے۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ حسن بصری رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ بغیر دوبارہ پیغام دیے (یعنی دوبارہ نکاح) ہوئے رجعت جائز نہیں ہے۔

سعید بن مسیب اور زہری نے جو کچھ بیان کیا ہے ان کی وجوہات بہت دقیق ہیں جو قواعد فقہ سے ماخوذ ہیں لیکن عمل اس کے خلاف ہے۔ عورت جب تک عدت میں ہے وہ خاوند کی قید میں ہے اس پر طلاق صریح واقع ہوسکتی ہے۔ اس لئے اگر عدت میں رجعت کرلی تو یہ قواعد شرع کے خلاف نہیں ہے بخلاف عدت گذرنے کے بعد اس وقت عورت اجنبیہ ہو جاتی ہے اور یہی بات ہے کہ عورت عدت ہی کے اندر اپنے شوہر سے دوبارہ نکاح بھی کرسکتی ہے۔ البتہ دوسرے سے نہیں کرسکتی[1]

خلع میں عدت

خلع والی عورت کی عدت کے بارے میں دو حکم ہیں۔ ایک حکم یہ ہے کہ وہ ایک حیض عدت گذارے گی اس پر تین حیض واجب نہیں ہیں اور یہی مذہب حضرت عثمان رضؓ حضرت عمر رضؓ اور ربیع بنت معوذ اور ان کے چچا کا ہے اور یہ حضرات بڑے صحابہ رضؓ میں سے ہیں اور ان چاروں صحابہ رضؓ کا خلاف

---

[1] علامہ ہی کے الفاظ میں یہ دلیل ہے کہ اگر عدت میں عورت اپنے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے، تو رجعت کے معنی کیا ہوئے جبکہ رجعت جائز ہے تو نکاح کی کیا ضرورت، معلوم ہوا کہ یہ مسلک غلط ہے بلکہ صحیح بات یہی ہے کہ خلع سے طلاق بائنہ ہو جاتی ہے جس میں رجعت نہیں بلکہ تجدید نکاح ہوتی ہے

نمبر معروف نہیں ہے[۱]

لیث نے نافع سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ربیع بنت معوذ سے سنا ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں خلع کیا۔ ان کے چچا حضرت عثمان رضؓ کے پاس پہونچے اور کہا کہ بنت معوذ نے آج اپنے شوہر سے خلع کر لیا ہے۔ کیا وہ منتقل ہو جائے؟ فرمایا منتقل ہو جائے اور ان دونوں کے درمیان اب میراث نہ ہوگی۔ اور اس پر عدت نہیں ہے۔ البتہ وہ ایک حیض گذرنے تک نکاح نہ کرے ممکن ہے اس کو حمل ہو[۲]

عبداللہ بن عمر رضؓ نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے ہمیں یہی بتلایا ہے یہی مذہب اسحٰق بن راہویہ کا ہے۔ اور یہی مذہب امام احمد کا ہے اور اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ قواعد شرع کے یہی مطابق ہے تین حیض کی عدت تو شوہر کے رجعت کر لینے کی امید کے لئے ہے تاکہ زمانہ عدت طویل ہو جائے اور رجعت ممکن ہو۔ لیکن اگر رجعت نہیں ہے تو مقصود صرف رحم کی صفائی ہے اور یہ ایک حیض سے حاصل ہو جاتا ہے اور یہ مثل استبراء کے ہے[۳]

اور ہمارے اوپر تین طلاق والی عورت کی عدت (تین حیض) سے نقض وارد نہیں ہو سکتا اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ خلع فسخ ہے طلاق نہیں ہے۔ یہی ابن عباس رضؓ حضرت عثمان رضؓ۔ حضرت عمر رضؓ اور ربیع بنت معوذ اور ان کے چچا کا مسلک ہے۔ کسی صحابی

---

[۱] یہ دلیل غلط ہے کیونکہ خلع کو طلاق بائنہ شمار کر لینے بعد اس کی عدت تین حیض تسلیم کرنا خلاف نص ہے۔ بدایۃ المجتہد ۲۷ص [۲] یہ حدیث مرسل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خلع کی عدت میں عورت پر لازم نہیں ہے کہ وہ عدت شوہر کے گھر پوری کرے۔ وہ اپنے والدین کے یہاں عدت پوری کر سکتی ہے [۳] حنفیہ کے نزدیک عدت حق نکاح کی وجہ سے ہے اور دوسروں کے نزدیک حق طلاق کی وجہ سے ہے اسی وجہ سے حنفیہ نے تین حیض مقرر کئے ہیں جو کہ نص سے ثابت ہیں۔ بدایۃ جلد ۲

لے اس کو طلاق روایت نہیں کیا ہے چنانچہ امام احمد نے ابن عباس سے روایت کیا ہے

الخلع تفریق لیس بطلاق ۔ [1] خلع تفریق ہے طلاق نہیں ہے ۔

اور عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ ابراہیم بن سعید سے ایک آدمی کے بارے میں دریافت کیا کہ اس نے اپنی عورت کو دو طلاقیں دیں اور پھر اس سے خلع کر لیا کیا وہ اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے تو انھوں نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ وہ آدمی نکاح کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اولاً طلاق کا ذکر کیا ہے اور پھر خلع کا اور پھر طلاق کا ۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس بارے میں کسی صحابی نے اختلاف نہیں کیا ہے حالانکہ حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے بروایت ہشام بن عروہ روایت کیا ہے کہ ام بلدہ اسلمیہ عبد اللہ بن اسید کے نکاح میں تھیں انھوں نے اپنے خاوند سے خلع کیا پھر دونوں نادم ہوئے اور معاملہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے انھوں نے اس کو جائز قرار دیا اور فرمایا یہ ایک طلاق ہے ۔

اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ طلاق بائنہ صرف فدیہ اور ایلاء کی صورت میں واقع ہوتی ہے ۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے اور یہ تینوں بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں ان میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے ۔

---

[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر حدیث صریح و صحیح کے خلاف ہے جس کو بخاری نے روایت کیا ہے حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت سہل کے قصہ میں ہے :-

اقبلها الحديقة وطلقها تطليقتين ۔ (بخاری) — اس سے باغ قبول کر لیجئے اور اس کو دو طلاق دیدیجئے ۔

اور عبد الرزاق نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کو طلاق قرار دیا ہے ۔ یہ مرسل صحیح ہے اس کو امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۱۰ ۔

حضرت عثمان رضؓ کے اثر کا معاملہ یہ ہے کہ اس پر امام احمد، بیہقی نے اعتراض کیا ہے اور ہمارے شیخ نے فرمایا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ سے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ان کے نزدیک تو اس میں عدت ہی نہیں ہے ان کے نزدیک صرف ایک حیض کے فدیہ استبراء رحم ہے۔ اگر ان کے نزدیک طلاق ہوئی تو وہ عدت واجب کرتے اور اس قصہ کا راوی ابن جمہان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہ اسلمیوں کے آزاد کردہ غلام ہیں [له]

حضرت علی رضؓ کے اثر کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں ابن حزم نے فرمایا ہے کہ ہم نے اس کو جس سند سے روایت کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ اور ابن مسعود رضؓ کا اثر ابن ابی لیلی کے سوء حفظ کی وجہ سے مجروح ہے۔ تاہم اس سے اس قدر ثابت ہے کہ خلع میں طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے نہ یہ کہ خلع طلاق ہے۔ اور اس میں فرق ظاہر ہے۔ رہی یہ بات کہ خلع طلاق نہیں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طلاق بعد دخول (جس میں عدد ذکر نہیں ہے) پر تین احکام مرتب فرمائے ہیں جو خلع سے منتفی ہو چکے ہیں

۱۔ شوہر کو اس میں رجعت کا حق حاصل ہے۔

۲۔ خلع تیسری طلاق میں محسوب ہے کہ جس کے بعد زوج ثانی کی وطی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

۳۔ اس میں عدت تین حیض ہے جو نص سے ثابت ہے۔ اور اجماع یہ ہے کہ خلع میں رجعت نہیں ہے اور اقوال صحابہ رضؓ اس میں یہ ہیں کہ اس میں عدت ایک حیض ہے اور نص سے یہ ثابت ہے کہ خلع دو طلاق کے بعد جائز ہے اور اس کے بعد تیسری طلاق

[له] جمہان نے سعد بن ابی وقاص رضؓ، حضرت عثمان رضؓ، ابو ہریرہ رضؓ، ام بکرہ رضؓ سے روایت کیا ہے اور ان سے عروہ بن زبیر، موسیٰ بن عبید وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے مظہری ج۱ ص۳۱

واقع ہو سکتی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ خلع طلاق نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّا اَنْ یَّخَافَا اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ ؕ	طلاق دو ہیں۔ پھر رکھ لو دستور کے مطابق یا چھوڑ دو شرافت کے ساتھ اور تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ ان سے دی ہوئی چیز لیلو مگر یہ کہ اگر دونوں کو خوف ہو کہ اللہ کی احدود قائم نہیں رکھ سکتے۔ پس اگر اللہ کی حدود قائم نہ رکھنے کا خوف ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ جو عورت فدیہ میں دے۔

یہ حکم دو طلاق والی عورت کے لئے ہی خاص نہیں ہے بلکہ یہ دو طلاق والی کو بھی اور دوسروں کو بھی شامل ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ ؕ	پس اگر طلاق دے اس کو تو نہیں حلال ہے اس کے بعد حتیٰ کہ نکاح کرے دوسرے زوج سے۔

یہ حکم اس کو بھی شامل ہے جس کا فدیہ کے کر طلاق دی گئی اور دو طلاق والی کو بھی شامل ہے یہ تو اس کی فہم ہے جو ترجمان قرآن ہے اور جس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی اور حضور کی دعا مستجاب ہے۔ اور احکام فدیہ احکام طلاق کے خلاف ہیں تو اس سے ثابت ہے کہ خلع جنس طلاق سے نہیں ہے۔ یہی نص اور یہی قیاس اور اقوال صحابہ رض کا مقتضا ہے لہ

لہ حدیث اور آثار صحابہ رض تو اس بارے میں گذر چکے کہ خلع طلاق ہے رہی قیاس کی بات تو آیت میں فاء تعقیب کے لئے ہے اگر خلع فسخ ہے تو فسخ کے بعد وقوع طلاق چہ معنی دارد۔ فسخ معاملہ کے بعد تو کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ تقاضۂ قیاس یہی ہے۔ اللہ اکبر یہ سچ ہے فقہ حنفیہ کے علاوہ دوسروں کو نہیں آتا۔

علاوہ ازیں جن لوگوں نے عقود کے حقائق کی طرف غور کیا ہے اور ان کے مقاصد پر نظر کی انھوں نے خلع کو فسخ ہی قرار دیا خواہ وہ کسی لفظ سے ہو۔ خواہ لفظ طلاق سے ہو امام احمد کے شاگردوں نے اس کو بھی ایک وجہ قرار دیا ہے اور اسی کو ہمارے شیخ نے اختیار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ یہی امام احمد اور ابن عباس رضؓ کے کلام سے ظاہر ہے چنانچہ ابن جریج کی روایت ہے کہ ابن عباس نے فرمایا ہے کہ جس چیز میں مال ہو وہ طلاق نہیں ہے[1]۔

اور عبداللہ بن احمد نے کہا ہے کہ میں نے اپنے والد امام احمد کو ابن عباس رضؓ کے قول کی طرف مائل پایا ہے۔ اور طاؤس نے بھی ابن عباس رضؓ سے یہی روایت کیا ہے کہ خلع طلاق نہیں ہے۔ اور طاؤس نے کہا ہے کہ میرے والد بھی فدیہ کو طلاق نہیں کہتے تھے۔

اور جن حضرات نے الفاظ ہی کا اعتبار کیا ہے اور الفاظ ہی سے لگے رہے انھوں نے احکام عقود میں الفاظ کا اعتبار کیا ہے اور طلاق کو صرف الفاظ طلاق کے ساتھ متعلق رکھا ہے حالانکہ قواعد فقہ اور اسکے اصول یہ چاہتے ہیں کہ عقود میں بھی حقائق اور معانی کا اعتبار ہے نہ کہ صورت اور الفاظ کا وباللہ التوفیق۔

اس میں یہ بھی دلالت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس رضؓ کو طلاق کے لئے فرمایا۔ اور عورت کو ایک حیض کی عدت کے لئے فرمایا۔ اس سے ثابت ہے کہ خلع فسخ ہے اگرچہ لفظ طلاق سے ہو پھر اللہ تعالیٰ نے بھی فدیہ کا لفظ بولا ہے اور فدیہ کسی لفظ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے لئے کوئی لفظ متعین نہیں فرمایا بلکہ فدیہ والی طلاق، طلاق مقید ہے، اس کا شمار احکام طلاق میں نہیں ہے جیسا کہ وہ ثبوت رجعت اور عدت کے اعتبار سے بھی طلاق نہیں ہے اور یہ بات سنت ثابتہ سے ہے[2]۔

---

[1] حضرت ابن عباس خلع کو طلاق رجعی قرار نہیں دیتے۔ حضرت ابن مسعود رضؓ طلاق بائنہ قرار دیتے ہیں۔ اس صراحت کے بعد حضرت ابن عباس رضؓ کے ارشاد کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ مظہری صفحہ ۳۱۸/۱

[2] عدت اور رجعت کے بارے میں آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

۶۰ واں باب

طلاق اور اس کے متعلقات

وقوعِ طلاق سنن میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے:۔

۱۔ ثلاث جدھن جد وھزلھن جد، النکاح والطلاق والرجعۃ۔	تین چیزیں ہیں۔ حقیقت ان کی حقیقی ہے اور ھزل بھی حقیقی ہے۔ یعنی نکاح۔ طلاق۔ رجعت۔

اور سنن میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

۲۔ ان اللہ وضع امتی الخطاء والنسیان۔	اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا اور نسیان کو معاف کر دیا ہے۔
۳۔ لاطلاق فی اغلاق۔	غصہ میں طلاق نہیں ہے۔[۱]

اور بخاری شریف میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔

۴۔ الم تعلم ان القلم رفع عن ثلاث عن المجنون حتی یفیق وعن الصبی حتی یدرک وعن النائم حتی یستیقظ۔	کیا تو نہیں جانتا کہ قلم تین سے اٹھا لیا گیا ہے مجنوں، جب تک اس کو افاقہ ہو۔ بچہ جب تک بالغ ہو۔ سونے والا جب تک بیدار ہو۔

[۱] تشریح آئندہ سطور میں آرہی ہے۔

ھ۔ ان اللہ تجاوز لامتی عما حدثت بہ انفسھا مالم تکلم او تعمل بہ۔

اللہ تعالیٰ نے میری امت کے ارادہ کو معاف کر دیا ہے (مگر) جب تک کہ وہ کلام یا اس پر عمل نہ کرے۔

ان احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ جب تک آدمی زبان سے نہ کہے اس وقت تک یہ چیزیں واقع نہ ہوں گی یعنی طلاق۔ عتاق۔ نذر وغیرہ یہ معاف ہیں۔ اور لازم نہیں ہیں یعنی صرف نیت اور ارادہ سے واقع نہ ہو گی اور یہی قول جمہور کا ہے اور اس مسئلہ میں دو قول اور بھی ہیں: ایک تو توقف ہے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ ابن سیرین سے دریافت کیا گیا کہ جس آدمی نے اپنے جی میں طلاق دیدی اس کا کیا حکم ہے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ اس کو نہیں جانتا جو اس کے جی میں ہے کہا ہاں جانتا تو ہے فرمایا تو اس بارے میں میں کچھ نہیں کہتا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب طلاق دینے پر جزم کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور یہی ایک روایت اشہب کی امام مالک سے ہے۔ اور اس قول کی دلیل یہ حدیث ہے

انما الاعمال بالنیات۔

عمل کا مدار نیت پر ہے۔

اور جس نے جی ہی میں کفر اختیار کر لیا وہ کافر ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ۔

اگر ظاہر کرو اپنے جی کی بات کو یا چھپاؤ اس کو۔ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا۔

اور معصیت پر اصرار کرنے والا فاسق ہوتا ہے اور اس سے مؤاخذہ ہو گا اگرچہ اس نے ارتکاب نہ کیا ہو کیونکہ عذاب اور ثواب کے بارے میں اعمال قلوب مثل اعمال جوارح کے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کے لئے محبت۔ بغض۔ عداوت اور دوستی پر ثواب دیا جائے گا اور توکل۔ رضا۔ طاعت عزم پر بھی ثواب ہو گا اور حسد، کبر، عُجب، شک، ریا۔ بدگمانی پر عتاب ہو گا لیکن ان دلائل کے باوجود وقوع طلاق

اور عتاق پر ان میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ محض نیت سے طلاق ہو جائے اگرچہ تلفظ نہ کیا ہو بلکہ حدیث انما الاعمال والی ان ہی کے خلاف دلیل ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ عمل نیت ہی کے ساتھ معتبر ہے نہ کہ صرف نیت معتبر ہے۔ اور دل سے کفر اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایمان اور کفر۔ عقد قلب کا نام ہے۔ اقرار اس کے ساتھ ہوتا ہے جب قلب میں شک ہو گیا تو عقد قلب زائل ہو گیا۔ کیونکہ ایمان ایک امر وجودی ہے جس کا تعلق قلب سے ہے۔ اور جب وہ قلب میں نہ رہا تو اس کی ضد یعنی کفر پیدا ہو گیا اس کی مثال جہل اور علم کی سی ہے۔ جب علم نہ ہو تو جہل ہوتا ہے۔ اور آیت مبارکہ کا جواب یہ ہے کہ محاسبہ چھپے پر نہیں بلکہ اس پر ہے جو ظاہر کرتا ہے اور پھر اس کو چھپاتا ہے۔ پھر اس کے بارے میں بھی صاف ارشاد موجود ہے کہ چاہے اس کو معاف کر دیا جائے اور چاہے اس پر عذاب کیا جائے۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ وقوع طلاق صرف نیت سے ہوتا ہے۔

اور معصیت پر اصرار کرنے سے مؤاخذہ اس آدمی سے ہے جس نے عمل معصیت کیا پھر اس پر اصرار کیا یعنی عمل کو دوبارہ کرنے پر اصرار کیا لیکن معصیت کا ارادہ کرنا اور اس کو عمل میں نہ لانا اس کے دو حکم ہیں ایک تو یہ کہ وہ لکھا نہ جائے گا اور دوسرے یہ کہ اس کی جگہ نیکی لکھ دی جائے گی۔

رہا اعمال قلوب پر ثواب اور عقاب کا معاملہ وہ حق ہے اور قرآن و سنت اس سے بھرے ہوئے ہیں لیکن وقوع طلاق اور عتاق محض نیت سے وہ اس سے خارج ہے۔ جن اعمال قلوب پر عقاب ہو گا وہ معصیت قلبی کی وجہ سے ہو گا جیسا کہ معصیت جسمانی پر عقاب ہو گا۔ قلبی معصیت عبودیت قلبی کے منافی ہے۔ کبر۔ حسد۔ عجب ریا ظن سو یہ محرمات قلبی ہیں اور یہ امور اختیاریہ ہیں ان سے اجتناب ممکن ہے۔ اور طلاق و عتاق یہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے اور امور اختیاریہ ہیں۔

مذاق میں طلاق

مذکورہ حدیث طلاق ہزل (مذاق والی) کو بھی متضمن ہے۔ کسی مکلف نے اگر ہزل سے طلاق۔ نکاح۔ رجعت کو ادا کیا وہ اس کو لازم ہو جائے گی کیونکہ کلام ہزل معتبر ہے۔ اگرچہ سونے والے بھولنے والے اور جس کی عقل ختم ہو گئی ہو اور مکرہ (جس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہو) کا کلام معتبر نہیں ہے۔ ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ:-

۱۔ ہزل والا قصداً الفاظ بولتا ہے لیکن اس کا حکم اس کی مراد نہیں ہوتا اور یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ حکم کا تعلق شارع علیہ السلام کے قصد اور ارادے سے ہے۔ بخلاف سونے والے مجنون۔ نشہ کی حالت میں۔ مخبوط الحواس۔ ان کا قصد ہی نہیں ہوتا۔ اور یہ مکلف ہی نہیں ہوتے۔ ان کے الفاظ بچوں کے الفاظ کی طرح لغو ہوتے ہیں۔ ان اعتبارات سے شارع علیہ السلام نے جن کا اعتبار کیا ہے وہ چار مراتب ہیں:-

۲۔ بلا تلفظ کئے حکم مقصود ہو۔ ب۔ نہ الفاظ مراد ہوں نہ حکم مراد ہو۔ ج۔ الفاظ مراد نہ مراد نہ ہو۔ د۔ الفاظ بھی مراد ہوں اور حکم بھی مراد ہو ۔۔۔ ان میں سے پہلے دو لغو ہیں اور بعد کے دو معتبر ہیں یہ تمام نصوص اور احکام کا خلاصہ ہے۔

۲۔ اس طرح کلام مکرَہ لغو ہے اس کا اعتبار نہیں ہے قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس پر کلمہ کفر ادا کرنے پر جبر کیا گیا وہ کافر نہیں ہوتا ہے۔ ایسے ہی جو اسلام لانے پر مجبور کیا گیا وہ مسلمان نہیں ہوگا۔ اور سنت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

طلاق مکرَہ

مکرَہ[۱] کے افعال میں تفصیل ہے۔ بعض چیزیں حالت اکراہ میں مباح ہیں مثلاً: رمضان میں دن میں کھانے پر مجبور کیا گیا۔ احرام میں

(۱) مکرَہ وہ شخص ہے جسکو کسی کام کرنے پر جبراً مجبور کیا گیا ہو۔

سلا ہوا کپڑا پہننا وغیرہ۔ اور بعض چیزیں وہ ہیں جو اکراہ میں حلال نہیں ہیں مثلاً کسی معصوم کو قتل کرنے پر مجبور کرنا۔ اور بعض چیزیں وہ ہیں جن میں اختلاف ہے مثلاً شراب پینا۔ زنا کرنا چوری کرنا ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ حد جاری کیجائیگی یا نہیں۔ جو حضرات اس کو اضطراب میں مباح نہیں کہتے ہیں وہ حد جاری کرنے کے حق میں ہیں اور جو اضطرار میں مباح کہتے ہیں وہ حد جاری کرنے کے حق میں نہیں ہیں

امام احمد کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں تو وہ افعال اور اقوال میں فرق کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کسی فعل کے واقع ہونے سے اس کا فساد ختم نہیں ہوتا وہ باقی رہتا ہے البتہ اقوال کا معاملہ یہ ہے کہ ان کو لغو قرار دیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ سونے والے اور مجنون کے الفاظ کو لغو قرار دیا جا سکتا ہے۔

وکیع نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد الرحمن رضؓ نے فرمایا۔ ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا آپ میرا کوئی نام رکھ دیجئے! اس نے کہا تیرا نام ظبیہ (ہرنی) ہے۔ اس نے کہا یہ نہیں۔ شوہر نے کہا تو ہی بتلا اس نے کہا یہ کہو خلیۃ طالق شوہر نے خلیۃ طالق کہدیا۔ وہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور بولی کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے، اس کے شوہر کو بلایا گیا تو اس نے پورا قصہ بیان کر دیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس عورت کی پٹائی کی۔ اور شوہر سے فرمایا اس کو پیٹتے ہوئے لے جاؤ۔[1]

حضرت عمرؓ نے یہ حکم اس آدمی کے بارے میں دیا جس نے الفاظ تو کہے تھے لیکن ان کا حکم مراد نہیں تھا۔ اسی طرح سے اور بہت سے الفاظ ہو سکتے ہیں جو تلفظ تو کئے گئے لیکن ان کا حکم مراد نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت مسرحۃ اور اس سے مراد بالوں میں کنگھی کرنا لیا تو اس کا اعتبار ہوگا۔

---

[1] طلاق اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ یہ صورت تعلیم طلاق کی ہے۔ ایقاع طلاق کی نہیں ہے۔

امام احمدؒ کے شاگردوں کا فتویٰ اس پر ہے کہ مکرہ کے اقرار کر لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور حضرت علیؓ بھی طلاق مکرہ کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں اور ثابت اعرجؒ نے کہا ہے کہ میں نے ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ سے طلاق مکرہ کے بارے میں دریافت کیا تو سب نے یہی جواب دیا وہ کوئی چیز نہیں ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ تمار بن جبلہ نے صفوان سے اور صفوان نے اصم سے اور انھوں نے ایک صحابیؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی کی عورت اسکے سینہ پر بیٹھ گئی اور چھری کو اس کے گلے پر رکھ دیا اور کہا یا تو مجھے طلاق دے ورنہ میں تجھے قتل کردوں گی اس نے اس عورت کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانی تب اس نے اس عورت کو تین طلاق دے دیں جب حضورؐ سے یہ عرض کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا۔

لاقیلولۃ فی الطلاق۔ طلاق قیلولہ[1] نہیں ہے۔

اس کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کل الطلاق جائز الا طلاق المعتوہ والمغلوب علی عقلہ ہر طلاق جائز ہے مگر فاترالعقل اور جس کی عقل پر جنون وغیرہ کا غلبہ ہو۔

اور سعید بن منصور نے عمرو بن شرحبیل سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے تلوار کھینچ کر اپنے خاوند کے پیٹ پر رکھ دی اور کہا یا تو مجھے تین طلاق دیدے ورنہ اس کو پیٹ میں اتار دوں گی۔ اس نے تین طلاق دیدی جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے پاس پہونچا تو انھوں نے طلاق کو نافذ قرار دیا اور حضرت علیؓ نے فرمایا:

[1] کسی چیز کو دے کر واپس کرنا یا واپس لینا۔ قیلولہ دوپہر میں آرام کرنے کو بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی رات کے بعد دوبارہ آرام ہے جو چیز خرید کر واپس کی جائے اس کو اقالہ کہتے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع ہوجاتی ہے یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ - ہر طلاق جائز ہے مگر فاتر العقل کی نہیں۔

اور غازی بن جبلہؓ کی روایت (پہلی حدیث) میں تین کمزوریاں ہیں ۱۔ صفوان بن عمر ضعیف ہیں ۲۔ غازی بن جبلہ میں بھی کمزوری ہے ۳۔ بقیہ راوی مدلس ہیں اس لئے اس حدیث کو دلیل میں نہیں پیش کیا جا سکتا اور اس حدیث کو ابن حزم نے ساقط قرار دیا ہے [۱]

اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت طلاق الطلاق الخ اس کو عطاء بن عجلان نے روایت کیا ہے اور ان کا ضعف بہت مشہور ہے اور ابن حزم نے ان کو کاذب قرار دیا ہے اور اس خبر کو خبر شر قرار دیا ہے اور حضرت عمرؓ کے اثر کا معاملہ یہ ہے کہ اس اثر کے مقابلہ میں پہلا اثر صحیح ہے کیونکہ عمرو بن شراحیل کی حضرت عمرؓ سے معاصرت ثابت نہیں ہے۔ اور حضرت علیؓ کا معاملہ یہ ہے کہ لوگوں کی ایک کثیر جماعت نے حضرت علیؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ طلاق مکرہ کو جائز قرار نہیں دیتے تھے اور بالفرض اگر اس واقعہ کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ ایک مخصوص واقعہ کے بارے میں حکم ہو سکتا ہے [۲]

نشہ میں طلاق

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ	ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ حتی کہ تمہیں کہی ہوئی بات نہ معلوم ہونے لگے۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سکران کے قول کو غیر معتبر قرار دیا ہے کیونکہ اس کو اپنی بات کا علم ہی نہیں ہوتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کا اقرار کرنے والے کو بھی امر فرمایا تھا اس وقت تک کہ اس کو سکون ہو جائے اور وہ اپنی بات پر

---

[۱] اس حدیث کو ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن شیبہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے تنقیح ص ۲۸۴۔ [۲] مذکورہ آثار کے بارے میں یہ احتمالات ہیں جو ثابت نہیں ہیں۔

غور کرے۔ صحیح بخاری میں موجود ہے کہ حضرت حمزہ رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے اونٹ کے پیرکاٹ دیئے تھے تو حضرت علی رضؓ نے حضورؐ سے شکایت کی حضورؐ نے جب ان کو کچھ کہا تو حضرت حمزہ رضؓ نے کہا۔

هَلْ انتم الا عبيد لابي — تم لوگ میرے والد کے غلام ہی تو ہو۔

یہ سن کر حضورؐ واپس تشریف لے آئے۔ اگر یہ قول بغیر نشہ میں ہوتا تو ارتداد یا کفر قرار دیا جاتا لیکن حضورؐ نے اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیا اور حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہے

لیس لمجنون ولا سکران طلاق۔ مجنون اور سکران کی طلاق نہیں ہے۔

اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور عطاء نے فرمایا ہے کہ سکران کی طلاق جائز نہیں ہے۔ اور ابن طاؤس اور قاسم بن محمد نے بھی یہی فرمایا ہے۔ اور حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ کے سامنے ایک آدمی کو پیش کیا گیا کہ جس نے نشہ میں طلاق دی تھی۔ انھوں نے اس سے قسم لی۔ اس نے اقرار کیا کہ میں نشہ میں تھا۔ تو انھوں نے اس کی عورت اس کو ہی واپس کر دی اور اس پر حد جاری کی۔ یہی یحییٰ بن سعید انصاری کا مذہب ہے اور یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے اور اسی کو مزنی نے اختیار کیا ہے۔ اور یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔ اور دوسرے قول میں امام احمدؒ کا رجوع اسی طرح ثابت ہے چنانچہ میمون کی روایت میں ہے کہ میں پہلے سکران کی طلاق کو جائز کہتا تھا۔ اب میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور سکران کی طلاق ناجائز ہے۔

اور حضرات حنفیہ میں سے ابو جعفر طحاوی، ابو الحسن کرخی نے سکران کی طلاق کو سات وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔

۱۔ سکران مکلف ہے اس کی جنایات کا مواخذہ ہوگا۔

۲۔ اس کی طلاق کو واقع کرنا اس پر عقوبت ہے۔

۳۔ طلاق کا تعلق طلاق دینے والے سے ہے اور یہ ایک سبب ہے۔

۴۔ حضرات صحابہ رضؓ نے سکران کو کلام میں مثل صحیح کے قرار دیا ہے کہ وہ ہذیان میں مبتلا ہو کر مفتری ہو جاتا ہے اور مفتری پر حد جاری کی جائے گی۔

۵۔ حدیث موجود ہے کہ جس میں ارشاد فرمایا ہے لا قیلولۃ فی الطلاق

۶۔ دوسری حدیث میں موجود ہے کل طلاق جائز الا طلاق المعتوہ

۷۔ حضرات صحابہ رضؓ نے سکران کی طلاق کو واقع تسلیم کیا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے تفریق کر دی تھی۔ اور سعید بن مسیب نے روایت کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے سکران کی طلاق کو جائز قرار دیا تھا۔ ہمارے نزدیک یہ سب دلائل کچھ بھی نہیں ہیں کیونکہ۔

۱۔ اس کا مکلف ہونا باطل ہے کیونکہ اجماع یہ ہے کہ مکلف ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں سمجھ ہو۔ اور جس کو سمجھ ہی نہ ہو وہ مکلف نہیں ہے۔ اگر اس کو جبراً شراب پلا دی جاتی یا وہ لاعلمی میں شراب پی کر طلاق دیتا تو کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس کی طلاق واقع ہوگی۔ اور سکران کی جنایات میں اختلاف ہے چنانچہ عثمان تیمیؒ نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ نہ اس کا عقد درست اور نہ اس کی بیع درست۔ اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ مثل مجنون کے ہے اور سکران کے اقوال کو لغو اور بیکار قرار دینے سے کوئی فساد لازم نہیں آتا کیونکہ غیر عاقل کے صرف قول میں کوئی مفسدہ نہیں ہے البتہ اس کے افعال میں مفسدہ اور ضرر محض ہے۔

۲۔ سکران کی طلاق کو عقوبت قرار دینا بھی غلط ہے کیونکہ اس کی عقوبت کیلئے تو صرف حد کافی ہے اور وہ متعین ہے اور شرعاً ہماری ذمہ داری بھی نہیں ہے کہ مزید عقوبت طلاق کے ذریعہ دیں اور زوجین میں تفریق کر دیں۔

۳۔ تیسری وجہ میں بھی بہت خرابی ہے کیونکہ اس سے یہ بھی لازم کرتا ہے کہ کسی کو زبردستی شراب پلائی گئی اور اس نے پھر طلاق دے دی۔ تو اس کا واقع ہونا بھی اسی سبب کے

نحوت لازم آتا ہے بلکہ اس سے سونے والے کی طلاق کا واقع ہونا لازم آتا ہے اور اس کو کسی نے تسلیم نہیں کیا۔

۴۔ صحابہ رض کے بارے میں مفتری والی خبر صحیح نہیں ہے۔ اور ابن حزم نے اسکی تکذیب کی ہے

۵۔ قیلولہ والی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ اور اگر صحیح ہے تو اس کو طلاق مکلف پر محمول کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے اس میں طلاق مجنون داخل نہیں ہے۔

۶۔ طلاق المعتوہ والی حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ اور اگر صحیح بھی ہے تو یہ مکلف کے لئے ہے۔ اور سکران مکلف ہی نہیں ہے۔ اور معتوہ بھی وہی ہے کہ جس کو کچھ نہ معلوم ہو۔

۷۔ اور صحابہ رض کا سکران کی طلاق کو واقع کرنے میں اختلاف ہے۔ حضرت عثمان رض سے بھی مروی ہے اور حضرت ابن عباس رض کا اثر صحیح نہیں ہے۔ اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ اور ابراہیم بن یحیی ہے اور حضرت معاویہ رض کے اثر کے خلاف حضرت عثمان رض کا اثر ہے۔

غصہ میں طلاق | حضرت عائشہ رض نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق ۔ غصہ میں عتاق اور طلاق نہیں۔

اغلاق کی تفسیر امام احمد نے غصہ کی ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ اغلاق کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ غصہ کو کہتے ہیں چنانچہ ابوداؤد نے اسی عنوان پر ایک باب قائم کیا ہے اور ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ اغلاق کے معنی اکراہ کے ہیں۔ ان دونوں حضرات کے علاوہ نے اغلاق کے معنی جنون بتلائے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اغلاق کے معنی تین طلاق یکبارگی واقع کرنا ہے، گویا اس کے بعد طلاق کا دروازہ بند کر دیا ہے اور ابوعبید ہروی نے کہا

انغلاق یہ ہے کہ کلام بلا قصد اور ارادہ نکل جائے۔ اور ابو العباس مبرد نے کہا ہے اغلاق۔ سینہ کی تنگی اور عدم صبر کو کہتے ہیں اور ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ اغلاق میں طلاق مکرہ طلاق مجنون اور طلاق سکران۔ طلاق غضب اکہ جس میں عقل و تمیز نہ رہی ہو داخل ہے۔ اور غضب کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ عقل زائل ہو جائے اور آدمی کا شعور بھی باقی نہ رہے۔ اس صورت میں بلا اختلاف طلاق واقع نہیں ہوتی اور دوسرا درجہ اس سے کم ہے کہ آدمی کو شعور اور تصور رہتا ہے اس میں طلاق واقع ہو جاتی ہے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ عقل بالکل زائل نہیں ہوتی اور جب یہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کے بعد ندامت ہوتی ہے۔ اس غصہ میں طلاق ہو جاتی ہے۔

طلاق قبل نکاح سنن میں حدیث ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا نذر لابن آدم فیما لا یملک ولا عتق لہ فیما لا یملک ولا طلاق فیما لا یملک	جس چیز کا ابن آدم مالک نہیں اس میں نہ نذر ہے اور نہ عتاق ہے اور نہ طلاق ہے۔

امام ترمذی نے کہا ہے یہ اس باب میں سب سے زیادہ حسن ہے میں نے جب امام بخاری سے دریافت کیا کہ طلاق قبل نکاح میں کونسی حدیث صحیح ہے تو جواب دیا یہ حدیث طلاق قبل نکاح کے بارے میں سب سے زیادہ صحیح ہے اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔

لا طلاق قبل النکاح ولا عتق قبل ملک۔	نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور ملک سے پہلے عتق نہیں۔

اور ابن جریج نے کہا ہے کہ میں نے عطا سے سنا ہے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

لا طلاق الا من بعد نکاح — طلاق نکاح کے بعد ہی ہے۔

اور جس وقت ابن عباس رضؓ کو معلوم ہوا کہ ابن جریج یہ کہتے ہیں کہ طلاق نکاح سے پہلے بھی ہو سکتی ہے فرمایا وہ غلطی پر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ ارشاد فرمایا ہے۔

اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ۔ — جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو طلاق دو۔

اور یہ نہیں فرمایا:

اذا طلقتم المومنات ثم نکحتموھن۔ — جب تم مومنہ عورتوں کو طلاق دو پھر ان سے نکاح کرو۔

اور حضرت علیؓ سے ایک آدمی نے سوال کیا،

ان تزوجت فلانۃ فھی طالق۔ — اگر میں فلاں سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: یہ طلاق نہیں ہے۔ اور حضرت علیؓ سے صحیح سند سے ثابت ہے

لا طلاق الا بعد نکاح وان سماھا۔ — طلاق بعد نکاح ہی کے ہے اگرچہ عورت کا نام ذکر کر دیا ہو۔

یہی قول حضرت عائشہؓ کا ہے اور اسی طرف امام شافعی، امام احمد، اور اسحٰق اور ان کے شاگرد اور داؤد اور ان کے شاگرد اور جمہور اہل حدیث گئے ہیں ان لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ ان تزوجت فلانۃ فھی طالق اجنبیہ عورت کے لئے ہے اور یہ طلاق کے وقت محال ہے کیونکہ یہ اجنبیہ کو طلاق معلق ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اگر طلاق واقع ہو جائے تو وہ طلاق مقدم اور معلق ہو گی اور اس وقت وہ عورت اجنبیہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کسی اجنبیہ عورت سے کہہ دیا۔ اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق اور یہ ظاہر ہے کہ

اگر وہ گھر میں داخل ہو جائے تو اسے طلاق نہیں ہو سکتی اگرچہ اس نے اس قول کے بعد اس سے نکاح کر لیا تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کسی آدمی نے یہ کہدیا کہ اگر میں فلاں کا مالک ہوں تو وہ آزاد ہے اس کے کہنے سے وہ غلام اس کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ لہذا اس میں اور طلاق میں کیا فرق ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں اور امام احمد سے بھی اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح مذہب یہ ہے کہ عتق صحیح ہے طلاق صحیح نہیں ہے وجہ فرق یہ ہے کہ عتق میں سرعت نفوذ طلاق کے مقابلہ میں زیادہ ہے جیسا کہ ذی رحم محرم کا مالک ہوتے ہی وہ آزاد ہو جائے گا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عتق کو قربت محبوبہ قرار دیا ہے اور طلاق ابغض المباحات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ملکیت نکاح کو سبب زوال نکاح نہیں قرار دیا ہے۔

۱۶واں باب

وہ طلاقیں جو حرام ہیں

حیض ونفاس میں طلاق

صحیحین میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ تو حضرت عمرؓ نے اس بارے میں حضورؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا

مرہ فلیراجعہا ثم لیمسکہا	اس کو امر فرمایئے کہ وہ اس سے رجعت
حتی تطہر ثم تحیض ثم تطہر	کرے پھر حیض آئے تک اس کو روکے رہے پھر
ثم ان شاء امسکہا بعد ذلک	جب پاک ہو جائے تو چاہے اس کے بعد
وان شاء طلقہا قبل ان یمس	اس کو روک لے اور اگر چاہے اس کو ہاتھ
فتلک العدۃ التی امر اللہ	لگانے سے پہلے طلاق دیدے پس یہ عدت ہے
ان تطلق لہا النساء۔	جس کا اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے
	کے لئے حکم دیا ہے۔

اور نسائی اور ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تھی:

یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ	اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو
النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ۔	ان کو عدت کے لئے طلاق دو۔

اس حکم میں یہ بات ہے کہ طلاق چار طرح پر ہے جن میں سے دو وجہ حلال ہیں اور دو حرام ہیں۔ حلال تو یہ ہے کہ عورت کو اس طہر میں طلاق دی جائے جس میں وطی نہ

کی ہو۔ یا ایسے حمل میں طلاق دے کہ حمل ظاہر ہو۔ اور حرام یہ ہے کہ عورت کو حیض میں طلاق دے یا اس طہر میں طلاق دے کہ جس میں وطی کی ہو۔ یہ حکم تو مدخول بہا کی طلاق کے بارے میں ہے اور غیر مدخول بہا کی طلاق کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو جب چاہے طلاق دے دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

۱۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً۔	(۱) تمہارے اوپر گناہ نہیں ہے کہ اگر تم ہاتھ لگانے سے پہلے ان کو طلاق دو یا ان کے لئے کوئی مہر مقرر کردو۔
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا۔	(۲) ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو وطی سے پہلے طلاق دو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں کہ جس کو وہ شمار کریں۔
فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔	(۳) ان کو عدت کے لئے طلاق دو۔

اس لئے غیر مدخول بہا کے لئے کوئی عدت نہیں ہے۔ اگر ان آیتوں میں غیر مدخول بہا کو طلاق دینا مباح نہ ہوا ہوتا تو حضورؐ اس سے ضرور منع فرما دیتے۔

تین طلاق

اور سنن نسائی وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو ایک دفعہ میں تین طلاق دیدیں۔ حضورؐ اس پر بہت غصہ ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا:۔

ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظھرکم۔	کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کرتے ہو اور میں تمہارے درمیان ہوں۔

ایک آدمی کھڑا ہوا اور بولا۔ کیا میں اس کو قتل کر دوں؟۔ اور صحیحین میں ہے کہ ابن عمرؓ سے ایک آدمی نے طلاق کے بارے میں پوچھا۔ تو فرمایا اگر تو نے اپنی عورت کو ایک دفعہ

یا دو دفعہ طلاق دی ہے تو ٹھیک ہے حضورؐ نے مجھے اسی کا حکم دیا تھا۔ اور اگر تو نے تین طلاقیں دیں تو وہ عورت تیرے لئے حرام ہوگی[1] یہاں تک کہ وہ دوسرے سے نکاح کرے اور تو نے اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔

ان نصوص سے ثابت ہے کہ مطلقہ دو قسم کی ہیں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا۔ ان میں سے کسی کو بھی یکبارگی تین طلاقیں جائز نہیں ہیں اور غیر مدخول بہا کو ہر حالت میں طلاق جائز ہے اور مدخول بہا۔ اگر حائضہ ہے یا نفاس میں ہے تو اس کو طلاق حرام ہے۔ اور طلاق محرّم کے بارے میں اختلاف ہے اور اس میں دو مسئلے ہیں پہلا یہ ہے کہ طلاق حیض میں دی ہو یا اس طرح میں دی ہو کہ جس میں وطی کی تھی۔ اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تین طلاق ایک دفعہ میں دے دینا ہم ان دونوں مسئلوں کو تفصیل سے ذکر کریں گے۔

مسائل کی تفصیل پہلے مسئلہ کے بارے میں اسلاف میں اختلاف ہے جن بعض لوگوں نے حیض میں طلاق واقع ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ غلط ہے انہوں نے اپنے مبلغ علم کے مطابق بات کہی ہے امام احمد نے فرمایا کہ جو آدمی اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس میں اختلاف ہو چنانچہ حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو حیض میں طلاق دے دی فرمایا یہ شمار نہ ہوگی اس کو ابن حزم نے ذکر کیا ہے اور عبدالرزاق نے مصنف میں طاؤس سے روایت کیا ہے کہ انکے والد حیض میں طلاق کو تسلیم نہیں کرتے تھے[2] اور اس بارے میں ابن حزم نے کہا ہے۔

والعجب من جرأة من ادعی الاجماع علی خلاف ھذا	اس آدمی کی جرأت پر تعجب ہے جو اس کے خلاف پر اجماع کا دعویٰ کرے۔

مجھے اس بارے میں کہ حیض میں طلاق ہو جاتی ہے کسی صحابیؓ سے کوئی بات نہیں پہونچی اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں جو مذکور ہے اس سے زیادہ احسن روایت

---

[1] یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے آئندہ سطور میں علامہ نے اس اثر سے اعراض کیا ہے آئندہ ہماری اس پر تنقید آئے گی [2] یہ حضرت ابن عمرؓ کے اثر سے اعراض ہے۔

ابن عمرؓ کی ہے جو اس کے معارض ہے، ابن حزم نے کہا ہے۔ اس باب میں دو بیمار روایتیں اور ہیں :-

۱۔ ان عثمانؓ بن عفانؓ کان یقضی فی المرأۃ التی یطلقھا الزوج وھی حائض انھا لاتعتد بحیضتھا تلک وتعتد بعدھا ثلاثۃ قروء	حضرت عثمانؓ فیصلہ دیا کرتے تھے کہ جس عورت کو اس کے خاوند نے حیض میں طلاق دی ہو وہ اس کو عدۃ میں شمار نہ کرے بلکہ اس کے بعد والے حیض سے عدت تین حیض شمار کرے۔

اِس روایت میں ابن زیاد بن سمعان کاذب ہے انھوں نے اِس کو ایک مجہول راوی سے روایت کر دیا ہے :

۲۔ عن زید بن ثابت انہ قال : فیمن طلق امرأتہ وھی حائض یلزمہٗ الطلاق وتعتد بثلاث حیض سوی تلک الحیضۃ۔	حضرت زید بن ثابتؓ نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جس نے اپنی عورت کو حیض میں طلاق دی کہ وہ طلاق لازم ہوگئی اور وہ عورت اس حیض کے علاوہ تین حیض اور شمار کرے۔

اور ابنِ حزم نے فرمایا اس جگہ اجماع کا دعویٰ کرنے میں ہم زیادہ نیک ہیں کیونکہ اگر ہم اسی بات کو جائز کہیں جس کو وہ لوگ جائز کہتے ہیں (نعوذ باللہ) تو اس میں کسی اہل علم کو اختلاف نہیں ہے کہ حیض میں طلاق بدعت ہے اور جب یہ بات ہے تو وہ بدعت کو کیوں جائز کہتے ہیں؟۔ اس کو جائز کہنے والے بدعت پر اجماع کے قائلین کے مخالف ہوئے۔

۱۲۔ ابن حزم نے یہ بھی کہا ہے طلاق حرام کے وقوع کو منع کرنے والے (یعنی ہم) یہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں نکاح تو یقیناً باقی رہتا ہے اور وہ یقین ہی سے دور ہو سکتا ہے۔

اور وہ کتاب اللہ یا سنت ہو سکتی ہے یا اجماع ہو سکتا ہے ان میں سے اگر کسی سے بھی تائید ہو جائے تو عدم نکاح کا حکم ہو سکتا ہے؟ اور ان سے ثابت نہیں ہے اس لئے ان کثیر دلائل کا کیا ہوگا جن سے عدم وقوع طلاق ثابت ہے۔ بلکہ حالت حیض کی طلاق کو اللہ تعالیٰ نے مشروع قرار نہیں دیا۔ بلکہ طلاق وہی ہو سکتی ہے جس کا مالک اللہ تعالیٰ نے طلاق والے کو کیا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ چوتھی طلاق واقع نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ طلاق حرام کا مالک نہیں ہے اور نہ اس کو اس کی اجازت ہے

ب۔ علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی آدمی کو طلاق جائز کا وکیل بنایا اور اس نے طلاق حرام دے دی تو وہ واقع نہ ہوگی یہ عجیب بات ہے کہ مخلوق کا حکم تو معتبر ہو اور شارع کا حکم معتبر نہ ہو۔ اللہ اور اس کے رسول نے اس کا حکم نہیں دیا ہے تو طلاق حرام واقع نہیں ہو سکتی۔ شارع علیہ السلام نے تو حالت حیض میں طلاق کو محجور قرار دیا ہے۔ اگر اس طلاق کو واقع مان لیا جائے تو شارع کا حجر، حجر نہ رہا۔ یہ تو دیکھو! قاضی کا حجر تو مان لیا جائے اور شارع کا حجر نہ مانا جائے۔ اسی وجہ سے ہم نے اذان جمعہ کے وقت کی بیع کو باطل قرار دیا ہے کیونکہ وہ بیع محجور ہے۔

ج: علماء نے کہا ہے کہ طلاق محرم منہی عنہ ہے جس سے شارع نے منع فرمایا ہے اور منہی عنہ کا فساد ظاہر ہے اگر اس طلاق کو ظاہر قرار دیں تو طلاق صحیح اور طلاق فاسد (محرم منہی عنہ) دونوں یکساں ہو گئیں۔ شارع علیہ السلام نے تو اس کو مبغوض ہونے کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے اس کا وقوع واجب نہیں بلکہ مکروہ ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ نکاح منہی عنہ صحیح نہیں ہے اسی طرح سے طلاق منہی عنہ کا وقوع صحیح نہیں ہے۔ نہی کا تقاضہ دونوں جگہوں میں دونوں کو باطل قرار دینا ہے یہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عام ہے جس میں کوئی تخصیص نہیں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

کل عمل لیس علیہ امرنا فھو رد۔ جس کام میں ہمارا امر نہیں ہے وہ مردود ہے

اِس لئے طلاق محرم باطل اور حرام ہے۔ اس لئے اس کو کس طرح صحیح کہا جا سکتا ہے

د۔ طلاق محرم (حیض میں طلاق) کو اللہ تعالیٰ نے کسی وقت بھی مشروع نہیں کیا بلکہ وہ مردود اور باطل ہے جیسا کہ اجنبیہ کو طلاق مردود اور باطل ہے۔ جس طرح سے اجنبیہ محل طلاق نہیں ہے اسی طرح حیض والی عورت محل طلاق نہیں ہے۔

س: اللہ تعالیٰ نے تسریح باحسان (اچھائی کے ساتھ چھوڑنا) کا امر فرمایا ہے تسریح بالسو کا امر نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے دو ہی باتیں فرمائی ہیں یا چھوڑ دو شرافت کے ساتھ یا روکے رکھو دستور کے مطابق۔ طلاق محرم یہ ایک تیسری چیز ہے جس کا اعتبار نہیں ہے۔

ص۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ۔ اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے لئے طلاق دو۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے کلام کی مراد کو بیان کرنے والے ہیں ان سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ طلاق مشروع وہی ہے جو حالت حیض میں نہ ہو یا اس طہر میں نہ ہو کہ جس میں وطی ہو چکی ہے یا حمل ظاہر نہ ہوا ہو یہ طلاق شارع کے نزدیک طلاق نہیں ہیں اس لئے عورت اس طلاق سے کیسے حرام ہو سکتی ہے؟ ط: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ۔ طلاق دو مرتبہ ہے۔

اس سے مراد طلاق ماذون فیہ ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ طلاق طلاق ہی نہیں ہے کیونکہ طلاق مشروع وہی ہے جس کے بعد رجعت ہو سکے۔

ع: اسی وجہ سے حضرات صحابہؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے لئے طلاق محرم کے بارے میں فتویٰ کی طاقت نہیں ہے اور اعمش نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے:

من طلق کما امرہ اللہ فقد بیّن جس نے ایسی طلاق دی جیسا کہ اللہ نے

لہٗ ومن خالف فانالانطیق خلافہٗ۔ — فرمایا ہے تو اس کا بیان کردیا گیا اور جس نے اس کے خلاف کیا تو ہم اسکی طاقت نہیں رکھتے۔

اگر طلاق مخالف واقع ہوجائے تو اس پر فتویٰ نہیں ہے۔ اور ایسے ہی بعض صحابہؓ نے تین طلاقوں کے بارے میں فرمایا ہے چنانچہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اپنی عورت کو حیض میں طلاق دیدی تھی جب حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا تو حضورؐ نے اس کو رد فرمایا حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں:

فردھا علیّ ولم یرھا شیئاً وقال اذا طہرت فلیطلق اولیمسک۔ — حضورؐ نے عورت کو مجھ پر لوٹا دیا اور اس کے لئے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ اور فرمایا جب وہ پاک ہوجائے تو چاہے اسکو طلاق دیدے اور چاہے روک لے۔

اس حدیث کے اسناد بہت زیادہ صحیح ہیں اور اکثر اہل حدیث نے اسکو دلیل میں پیش کیا ہے اور فرمایا ہے ابوزبیرؒ کی اس حدیث کے بارے میں ہمیں کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہے کہ جس سے اسکو رد کردیا جائے اور خطابی نے کہا ہے کہ یونس بن جبیرؒ کی روایت اس سے زیادہ ثابت ہے اس میں ہے:

مُرہٗ فلیراجعھا۔ — اس سے کہو کہ وہ اس سے رجعت کرے۔

اور ابوداؤد کا یہ قول قابل تقلید نہیں ہے:

الاحادیث کلھا علی خلافہٗ — تمام احادیث اس کے خلاف ہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ رجعت وقوع طلاق کو چاہتی ہے لیکن اس کے معارض ابن عمرؓ کی پہلی روایت ہے۔

تنقید و تبصرہ ہم نے جو کچھ گذشتہ سطور میں بیان کردیا ہے اس سے دلائل کا فرق ظاہر ہوجائیگا۔ مذکورہ حدیث میں رجعت کا ذکر ہے جس سے شک پیدا ہوتا ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن اور حدیث میں رجعت کا استعمال چند معنیٰ میں ہوتا ہے۔

۱۔ ابتدائے نکاح کے لئے بھی رجعت کا لفظ بولا جاتا ہے :۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۔

پس اگر عورت کو طلاق دے دی تو وہ اس کے لئے اس کے بعد حلال نہیں حتی کہ زوج غیر سے نکاح کرے پس اگر اس کو طلاق دیدی تو دونوں پر کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت سے رجعت کرلے۔ اگر دونوں کو خیال ہو کہ وہ اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے۔

اہل علم میں اس بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت میں مطلق (طلاق دینے والا) زوج ثانی ہے اور رجعت زوج اول اور زوجہ کے درمیان ہے اور یہ صورت ابتدائے نکاح کی ہے

۲۔ رجعتی سے مراد پہلی حالت ہے مثلاً کسی نے جاریہ (باندی) کو فروخت کیا اور اسکے بچہ کو اس سے علیحدہ کر دیا حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس بیع کو رد کر دیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ بیع باطل ہے۔ یہی حال حضرت ابن عمرؓ کی رجعت کا ہے کہ حیض میں طلاق واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ تمام احادیث ابو زبیرؓ کی حدیث کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ تمام حدیثیں مجمل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد (فان طلقها الخ) اور والمطلقات الخ اور الطلاق مرتان الخ اور للمطلقات متاع الخ۔ یہ آیات عموم حکم کو ظاہر کرتی ہیں۔

۳۔ بعض علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے طلاق محرم کا واقع ہونا ثابت ہے کیونکہ :

ا۔ اس میں رجعت کا حکم ہے۔

ب اس میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ میں نے رجعت کرلی اور میں نے اسکو طلاق ہی گمان کیا یہ بات قابل نظر ہے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ حضورؐ کے فرمانے کے خلاف کس طرح گمان کر سکتے تھے؟

ج۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تھا کہ مجھے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ میں اس کو طلاق نہ شمار کروں؟

لیکن اس لفظ کی تردید ابو زبیر والی روایت سے ہوتی ہے۔

د۔ حضرت ابن عمرؓ حیض میں طلاق کو طلاق ہی شمار کرتے تھے کیونکہ ابن ابی ذئب کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

حضرت ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دی تو حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ان سے فرمائیے کہ وہ رجعت کریں پھر حیض آنے تک رکے رہیں پھر جب اگر چاہیں رکھ لیں اور چاہے طلاق دیدیں یہ وہ عدت ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور یہ ایک طلاق ہے۔

س۔ عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ ہم نے نافع سے دریافت کیا کہ ابن عمرؓ نے حضورؐ کے زمانہ میں جو حیض میں طلاق دی تھی کیا وہ طلاق شمار کی گئی فرمایا ہاں طلاق شمار کی گئی۔

ص۔ اور حماد بن زید نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من طلق فی بدعة الزمناه بدعته۔ جس نے بدعت میں طلاق دی ہم اس کو بدعت ہی میں لازم کر دیں گے۔

اس کو عبدالباقی نے نافع سے روایت کیا ہے۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت زید بن ثابت بھی حیض میں وقوع طلاق کا حکم دیا کرتے تھے انھوں نے فرمایا ہے:

تحریمه لا یمنع وقوعه۔ طلاق کی حرمت وقوع کو مانع نہیں ہے۔

اور اس کا حکم مثل ظہار کے ہے جیسا کہ وہ منکر اور غلط بات ہے لیکن اس کا اثر یہ ہے کہ اس سے زوجہ حرام ہو جاتی ہے یہی حال طلاق بدعی کا ہے جس طرح ظہار کی حرمت کفارہ تک باقی رہتی ہے اسی طرح طلاق بدعی کی حرمت رجعت تک باقی رہتی ہے۔

اس طرح ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ط ۔ ان حضرات نے بیان کیا ہے کہ نکاح حرام اور طلاق حرام میں فرق یہ ہے کہ نکاح کے ذریعہ چونکہ ملک بضع حلال ہو جاتی ہے اس لئے وہ طریقہ حلال ہونا ضروری ہے اور طلاق سے ملک بضع حرام ہوتی ہے اس لئے وہ جو طریقہ بھی ہو اسی طریقہ سے ملک بضع زوج کی ملکیت سے خارج ہو جائے گی مثلاً دودھ اقرارِ کاذب اور اتلاف (جو حرام ہے) اس سے بھی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور ایسے ہی ہبہ بھی ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ یہ معلوم ہو کہ موہوب لہ اس کو حرام اور گناہوں میں استعمال کرے گا۔ اسی طرح سے نکاح۔ طلاق محرم سے زائل ہو جائے گا۔

ع : طلاق ہازل سے بھی نکاح ختم ہو جاتا ہے حالانکہ نصوص سے ثابت ہے کہ ہزل حرام ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے :

ما بال اقوام یتخذون	ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اللہ کی آیات
آیات اللہ ھزوا۔	کو مذاق بناتے ہیں۔

بس جبکہ طلاق ہازل کے حرام ہونیکے باوجود نکاح ختم ہو جاتا ہے تو طلاق حیض بطریق اولیٰ ختم ہو جائیگا۔

ف ۔ اسکے علاوہ نکاح محرم اور طلاق محرم میں ایک فرق اور ہے وہ یہ کہ نکاح ایک نعمت ہے اسی لئے محرمات کیساتھ جائز نہیں ہے اور طلاق ایک معصیت (سبب ناراضی ہے) اس لئے نکاح کا ازالہ اس کے ذریعہ درست ہے۔

ق ۔ فروج کے معاملہ میں احتیاط ضروری ہے اور احتیاط کا تقاضہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے یا تجدید رجعت ہو یا تجدید نکاح ہو۔

ک ۔ نکاح میں داخل ہونے میں شرائط شدید ہیں۔ مثلاً شاہدین۔ ولی۔ رضاءِ زوجہ لہٰذا اس سے خارج ہونے میں آسانی ہونا چاہیئے نوٹ۔ اس جگہ علامہ نے ان دلائل کی تردید میں پھر نئے طور سے مندرجہ بالا احادیث کا جائزہ لیا ہے اور ان دلائل کا رد کیا ہے کلام میں چونکہ تکرار ہے اسوجہ سے اسکا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

لہ یہاں تک جو دلائل ذکر کئے گئے ہیں ان سے اس حالت میں وقوع طلاق ثابت ہے۔

۶۲ واں باب

تین طلاق اور اس کے مباحث

ایک ساتھ تین طلاق

عمر بن لبید کی حدیث گذر چکی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے:

رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً فقام مغضباً ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهركم۔

ایک آدمی نے اپنی عورت کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیں آپ غصہ میں آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ میں تمہارے درمیان ہوں اور تم اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کرتے ہو۔

اس حدیث کے اسناد مسلم کی شرط کے مطابق ہیں۔ اس حدیث کے راوی مخرمہ بن بکیر ہیں وہ ثقہ ہیں ابو طالب نے احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا تو فرمایا مخرمہ ثقہ ہیں۔ اور ابو داؤد نے مخرمہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے والد سے حدیث الوتر کے علاوہ کوئی حدیث نہیں سنی۔ اور موسیٰ بن سلمہ نے کہا کہ میں نے مخرمہ سے کہا تم اپنے والد سے کیوں روایت کرتے ہو فرمایا۔ میں نے اپنے والد کو تو نہیں دیکھا لیکن ان کی یہ کتاب ہے۔ میں اس سے روایت کرتا ہوں،، اس طرح روایت کرنا درست ہے اور سلف اور خلف نے اس کو قبول کیا ہے،، اور ایسے ہی ابن عمرؓ نے تین طلاق دینے والے سے فرمایا تھا۔

حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك وعصيت ربك۔

تیری عورت تجھ پر حرام ہے یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کرے اور تو نے خدا کی نافرمانی کی۔

بہرحال جو بھی قرآن پاک میں غور کرے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تین طلاق کو یکبارگی جائز قرار نہیں دیا فرمایا ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ۔ طلاق دو مرتبہ ہیں۔

اس سے مراد ایک کے بعد دوسری دفعہ طلاق دینا ہے سادہ اس کے نظائر حدیث اور قرآن میں ملتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

جس نے ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا۔

اس سے ان کلمات کی ترتیب معلوم ہو رہی ہے اس سے زیادہ صریح استدلال اس آیت سے ہے:

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں۔

وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ اور انکے پاس بجز انکی ذات کے کوئی گواہ نہیں تو ان

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ۔ میں سے ہر ایک کے اوپر چار دفعہ شہادت دینا ہے

اگر یہ آدمی یہ کہے کہ میں چار مرتبہ اللہ کی گواہی دیتا ہوں تو یہ بات غلط ہو گی بلکہ اس کو چار دفعہ علیحدہ علیحدہ شہادت دینا ہو گی۔ اور اس سے بھی زیادہ واضح یہ آیت ہے:

سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ۔ ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے۔

یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

ثلاثة يوتون اجرهم مرتين۔ تین آدمی ہیں جن کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔

ایسے ہی حضرت انس رضؓ نے روایت کیا ہے:

انشق القمر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مرتين۔ حضورؐ کے زمانے میں دو مرتبہ شق قمر ہوا۔

اس جگہ مرتین سے مراد دو ٹکڑے ہونا ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ شق قمر ایک مرتبہ ہوا ہے۔

اس کے علاوہ یہ آیت مبارکہ دلالت کرتی ہے کہ تین طلاقیں ایک مرتبہ مشروع نہیں ہیں۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے کو روکے

ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ۔ رہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا — ان کے شوہر ان کے لوٹنے کے لئے زیادہ حقدار ہیں اگر وہ چاہیں۔

اس سے ثابت ہے کہ ہر طلاق بعد دخول کے ہے اور مطلّق کو اس میں حق رجعت ہے سوائے تیسری طلاق کے، ایسے ہی آیت مبارکہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ الخ اور اذا بلغن اجلهن الخ اس سے مراد طلاق مشروع ہے۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے طلاق کے تمام اقسام قرآن پاک میں ذکر دیے ہیں اور ان کے احکام بھی ذکر کر دیے ہیں چنانچہ طلاق قبل دخول کے بارے میں ہے کہ اس میں عدت نہیں ہے اور تین طلاق کے بارے میں ہے کہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہے یہاں تک کہ زوج ثانی سے نکاح کیا جائے۔ ایسے ہی خلع کے لئے فدیہ کا ذکر ہے۔ اور طلاق رجعی کے بارے میں ہے کہ خاوند اس کا زیادہ حق دار ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے طلاق کے بارے میں وہ کامل طریقے بیان فرمائے ہیں جو عورت اور مرد دونوں کے لئے نفع مند ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین لاتعداد طلاق دیتے تھے اور جب چاہے رجعت کر لیتے تھے۔ اس میں اگرچہ خاوند کا نفع تھا لیکن عورت کا نقصان تھا پس اللہ تعالیٰ نے یکبارگی تین طلاق کو منسوخ کر دیا۔ اور خاوند کو ایک ہی طلاق پر مقصور کر دیا اگر عدت کے درمیان رجعت نہ کرے تو پھر عورت بائنہ ہو کر حرام ہو جائے گی۔ اسی وجہ سے شوہر تین طلاق بائنہ دینے کا حقدار نہیں ہے۔

مذاہبِ ائمہ — ایک ساتھ تین طلاق دینے میں چار مذہب ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ تینوں طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہی چاروں اماموں اور جمہور تابعین اور اکثر صحابہ رضؓ کا قول ہے:

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بدعت ہے اور مردود ہے قابل رد ہے۔ اس کو ابن حزم نے حکایت کیا ہے اور احمد بن حنبل کا مذہب قرار دیا ہے۔ لیکن امام احمد نے اس کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ رافضیوں کا قول ہے۔

۳۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ تین طلاق سے بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور یہی ابن عباسؓ سے ثابت ہے اور یہ مذہب ابن اسحٰق کا ہے اور اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔

۴۔ اس بارے میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا میں فرق کیا ہے۔ مدخول بہا پر تینوں واقع ہو جائیں گی اور غیر مدخول بہا پر صرف ایک واقع ہوگی یہ اسحٰق بن راہویہ کا مذہب ہے۔

تین طلاق، ایک ہے

لیکن جن حضرات کا مسلک یہ ہے کہ تین بمنزلہ ایک طلاق کے ہیں ان کی دلیل حدیث ابی صہبا ہے انھوں نے ابن عباسؓ سے عرض کیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی دور خلافت میں، ایک ہی طلاق مانی جاتی تھی فرمایا ہاں۔

اور عکرمہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ عبد یزید ابو رکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دے دی اور مزینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ چنانچہ ام رکانہ حضورؐ کے پاس حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ میری بال برابر بھی رعایت نہ ہو سکی چنانچہ حضورؐ نے ابو رکانہ اور اس کے بھائیوں کو طلب فرمایا اور سب کے سامنے فرمایا کہ فلاں عورت عبد یزید کے بارے میں آپ لوگوں کے سامنے ایسا کہہ رہی تھی۔ سب نے عرض کیا ہاں۔ آپ نے عبد یزید سے فرمایا نئی عورت کو طلاق دے دے اور ام رکانہ سے رجعت کر لے۔ اس نے عرض کیا۔ حضورؐ میں نے اسکو تین طلاق دے دی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں مجھے معلوم ہے۔ اس سے رجعت کر لے اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔

اے نبیؐ جب تم عورتوں کو طلاق دو۔۔۔ تو ان کو عدت کے لئے طلاق دو۔۔۔

عکرمہ کی حضرت ابن عباسؓ سے دوسری روایت میں ہے۔

قال طلقتها ثلاثاً فقال	عرض کیا میں نے ام رکانہ کو تین طلاقیں
فی مجلس واحدٍ قال نعم	دے دی ہیں۔ فرمایا ایک ہی مجلس میں
قال فانما تلك واحدة	عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ ایک ہے
فارجعها۔	اس سے رجعت کر لے۔

اور قیاس گذر چکا ہے کہ تین طلاقیں حرام تھیں اور بدعت ہیں اور بدعت مردود ہے یعنی قابل رد ہے۔ اور جس قدر دلائل گذر چکے ہیں وہ اس کے عدم وقوع پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہی حال یمین اور اور اقرار کا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے اس مسئلہ میں مدخول بہا اور غیر مدخول میں فرق کیا ہے انکی دو دلیلیں ہیں۔ ایک تو ابو صہبا والی حدیث ہے وہ ابن عباسؓ سے بہت دریافت کیا کرتے تھے۔

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جیسے ہی غیر مدخول بہا عورت کو کہا انت طالق۔ ویسے ہی بائنہ ہو جاتی ہے اور ثلاث کا لفظ لغو ہو جاتا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے جو تین کو لازم قرار دیا وہ مدخول بہا کے بارے میں ہے اور حدیث صہبا غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے یہی قول جماعت اہل فتویٰ کا ہے اور اسی کو ابن حزم نے روایت کیا ہے۔ لیکن تین میں سے ایک کا بھی واقع نہ ہونا یہ امامیہ کا مذہب ہے۔ اس کو انھوں نے اہل بیت سے روایت کیا ہے۔

دوسرا مذہب

امام شافعی۔ ابو ثور۔ احمد بن حنبل (ایک روایت میں) اور اہل ظاہر نے فرمایا یکبارگی تین طلاقیں بھی سنت ہیں۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے۔

۱۔ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ	پس اگر عورت کو طلاق دی (تین) پس
لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ	اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے
زَوْجًا غَيْرَهُ۔	زوج سے نکاح کرے۔

اس میں جمع اور تفریق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور ہمیں یہ حق بھی نہیں ہے کہ جمع کو متفرق قرار

دیں اور تفریق کو جمع:

۲- وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ. اگر ان کو چھونے سے پہلے طلاق دو۔

اس آیت میں بھی کوئی فرق نہیں ہے:

۳- فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ۔ اور تمہارے اوپر گناہ نہیں کہ ان کو چھونے سے پہلے طلاق دو۔

اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔

اور صحیحین میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ عویمر عجلانی نے اپنی عورت کو حضورؐ کی موجودگی میں تین طلاقیں دیں۔ بیان کیا ہے کہ اگر یہ کوئی معصیت تھی تو آپ اس کو باقی نہ رکھتے۔ اور بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں۔ اس نے دوسرے سے نکاح کر لیا۔ اور آپ سے دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول۔ نہیں جب تک کہ وہ اس کا مزہ نہ چکھے جیسا کہ پہلے نے چکھا ہے۔

اس سے تین طلاق کی اباحت معلوم ہو رہی ہے۔ اور فاطمہ بنت قیس کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیں اس واقعہ میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

لیس لها نفقة وعلیها عدة۔ اس پر نفقہ نہیں ہے اور فاطمہ پر عدت ہے۔

اور ایسے ہی امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور ایسے ہی مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ایک آدمی نے ایک عورت کو ایک ہزار طلاقیں دیں جب آپؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اما ثلاث فله واما تسعمائة وسبعة وتسعون فعدوان۔ بس اس کے لئے تین ہیں اور ۹۹۷ ظلم ہیں۔

اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے کہ عبد یزید نے اپنی عورت کو طلاق دی۔ جب حضورؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

ما اردت قال واحدة قال آللہ قال تیرا کیا ارادہ تھا عرض کیا۔ ایک کا فرمایا قسم
واللہ قال ھو علی ما اردت۔ خدا کی، عرض کیا قسم خدا فرمایا جو تیرا ارادہ تھا وہی ہے

ترمذی نے کہا اس حدیث میں اضطراب ہے۔ اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر وہ ایک سے زیادہ مراد لیتا تو وہ بھی واقع ہو جاتیں۔ اور عکرمہ نے ابن عباس رض سے روایت کیا ہے کہ اس نے تین طلاقیں دی تھیں اور خطابی نے کہا ہے کہ امام احمد اس حدیث کے تمام طرق کو ضعیف کہتے ہیں اور اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث ابی صہبا کی ابن عباس رض سے ہے۔ اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری نے روایت نہیں کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس وجہ سے روایت نہ کیا ہو کہ وہ تمام روایات کے خلاف ہے، اور اس حدیث کو متعدد طرق سے حضرت ابن عباس رض سے روایت کیا ہے — اور اس میں تین طلاق کے واقع ہونے کا ذکر ہے۔

امام شافعی رح نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رض کی روایت کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ تین طلاق حضور ص کے زمانہ میں ایک ہی سمجھی جاتی تھیں دوسرے یہ کہ پہلے ان کا حکم تھا بعد میں تین کا حکم منسوخ ہو گیا تھا۔ بیہقی نے کہا ہے کہ اس تاویل کی تائید عکرمہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ اور ابن جریج نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حکم تین طلاق کی کسی نوع خاص کے لئے ہو۔ مثلاً انت طالق، انت طالق انت طالق اور چونکہ حضور صلعم کے اور حضرت صدیق کے زمانہ میں زیادہ صدق تھا اس لئے ان الفاظ کو تاکید کے لئے مراد لیتے ہوں اور تین مراد نہ لیتے ہوں لیکن جب حضرت عمر رض نے حالات کا تغیر دیکھا تو انہوں نے تین طلاق کو لازم کر دیا

علمائے نے بیان کیا ہے کہ احادیث میں اس قدر اختلاف ہوتے ہوئے صحابہ رض کے عمل کو دیکھا جائے گا کیونکہ وہ حضرات سنت سے زیادہ واقف ہیں چنانچہ حضرت عمر رض سے ثابت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں۔ حضرت عمر رض نے دریافت کیا تو

تو عرض کیا میں تو تفریح کر رہا تھا ۔ حضرت عمرؓ نے اس کے اوپر کوڑا بلند کیا اور فرمایا تیرے لئے اس میں سے تین کافی ہیں اور بالکل ایسا ہی واقعہ حضرت علیؓ کے زمانہ کا روایت کیا ہے اور ایسے ہی واقعات حضرت عثمانؓ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرۃؓ سے بھی مروی ہیں ۔

ان تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکبارگی تین طلاق کو واقع قرار دیا ہے ان کے بارے میں بدگمانی نہیں کی جا سکتی کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی تغیر کر دیا تھا ۔ کیونکہ اس مسئلہ میں بہت بڑا انحراف لازم آتا ہے یعنی غرض حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا لازم آتا ہے ۔ اور اگر حضرت عمرؓ کا تنہا معاملہ ہوتا تو یہ حضرات اُن کی موافقت نہ کرتے ۔ اور حضرت ابن عباس بھی اگر یہ جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہے تو وہ کبھی مخالفت نہ کرتے ۔ اس لئے ہم اس مسئلہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں کیونکہ وہ حضورؐ کی سنت اور شریعت سے زیادہ واقف ہیں ۔

تنقید و تبصرہ لیکن حضرت عائشہؓ کی حدیث جس میں مذکور ہے :

لا حتی یذوق العسیلۃ ۔ نہیں جب تک وہ ذائقہ نہ چکھے ۔

اس میں یہ ہے کہ اس نے ایک ساتھ تین طلاقیں دیں بلکہ یہ حدیث ہمارے لیے حجت ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک کے بعد ایک اس طرح تین طلاقیں دی ہوں جیسا کہ کہا جاتا ہے اس کو تین دفعہ سلام کیا ۔

فاطمہ بنت قیس والی حدیث سے بھی استدلال قابل تعجب ہے کیونکہ اس میں عدت کے نفقہ اور کپڑے کو ساقط قرار دیا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے ۔ اور اس میں بھی تین طلاق کا ذکر تو ہے لیکن کس طرح ؟ اس کی تاویل وہی ہے جو گذر چکی ہے ۔ اور زہری نے عبد اللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے :۔

فاطمہ بنت قیس کے شوہر نے اس کو طلاق دی جو باقی رہ گئی تھی ۔

اور صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ:

"فاطمہ بنت قیس کو تین طلاق کی آخری طلاق دی"۔

اور یہ سند مثل سورج کے صاف ہے۔

اور حضرت عبادہؓ بن صامت کی حدیث سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے یہ حدیث نہایت درجہ ساقط ہے کیونکہ اس کی سند میں یحیی بن علاء ہے اور یہ آدمی صحیح اور غیر صحیح میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس کو منقطع اور متصل کی بھی خبر نہیں ہے،، البتہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث اصل ہے اور صحیح ہے لیکن اس حدیث میں ایک ملائی ہوئی زیادتی ہے وہ یہ ہے:

یا رسول اللہ لو طلقتها ثلاثا اکانت تحل لی۔ حضورؐ اگر میں نے اس کو تین طلاق دی ہوں تو کیا وہ میرے لئے حلال ہے۔

یہ اضافہ شعیب بن زریق سے مروی ہے اور وہ شامی ہے وہ حدیث وضع کیا کرتا تھا چنانچہ اس نے الٹ دیا ہے اور کہا ہے زریق بن شعیب۔ بہر حال وہ ضعیف ہے۔ اور اگر صحیح بھی ہو تب بھی حجت نہیں ہے کیونکہ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ اگر میں تین دفعہ سلام کروں، اس سے ایک بارگی مراد نہیں ہو سکتی۔

اور نافع بن عجیر کی حدیث ام رکانہ والی اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ تو نافع بن عجیر مجہول ہے اور امام الحدیث بخاری نے فرمایا ہے کہ اس میں بہت اضطراب ہے اور ترمذی نے بھی کہا ہے کہ یہ مضطرب ہے اور امام احمد نے کہا ہے کہ اس کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ بہر حال یہ دونوں روایتیں بھی مجہول ہیں اور ساقط ہیں۔ اور ہمارے نزدیک حدیث سعید بن ابراہیم یہ صحیح الاسناد ہے۔ اس میں کوئی تدلیس نہیں ہے۔ اس کو حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام احمد نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں ہے یہ۔

حضورؐ نے اپنی صاحبزادی زینبؓ کو عمرو بن العاص کو نکاح اول پر ہی

لوٹا دیا اور تجدید نہیں کی[1]

حدیث ابی صہبا جو مسلک حدیث ابی صہبا کے بارے میں اختیار کئے گئے ہیں ان میں سے کوئی صحیح نہیں ہے۔

۱۔ اس حدیث کو تنہا مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اس سے اجتناب کیا اور اس کو عار سمجھا ہے یہ کوئی مضر نہیں ہے کیونکہ بخاری نے یہ کہا ہے کہ جس کو میں اپنی کتاب میں داخل نہ کروں وہ باطل ہے یا ضعیف ہے یا حجت نہیں ہے بہت سی احادیث ایسی ہیں جو بخاری کی جامع صحیح میں نہیں ہیں اور وہ صحیح ہیں اور کتنی احادیث ایسی ہیں جن کو بخاری نے حجت کے طور پر پیش کیا ہے اور وہ صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تمام روایت سے مخالف ہونا یہ بھی مضر نہیں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں صحیح مروی ہیں ان میں سے ایک اس حدیث کے موافق ہے اور ایک اس کے مخالف ہے۔ اگر ہم ان دونوں کو اس تعارض کی وجہ سے نظر انداز کر دیں تب بھی یہ حدیث سالم رہتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا والی حدیث روایت کی ہے۔ اور اس میں ان کی بیع کو طلاق نہیں فرمایا حالانکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے اس کے خلاف ہے اور انھوں نے فرمایا ہے "باندی کی بیع اس کی طلاق ہے" علماء نے ان کی روایت کو تو لیا ہے اور ان کی رائے کو ترک کر دیا ہے۔ یہی بات یہاں کہنا چاہئے کہ صحابی کی حدیث معصوم ہے لیکن اس کی رائے معصوم نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں نسیان ناسخ، منسوخ وغیرہ اور بہت سے احتمالات ہیں جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کتے کے جھوٹے برتن کے لئے سات مرتبہ دھونے کو روایت کیا ہے لیکن ان کا فتویٰ تین مرتبہ دھونے پر ہے

۳۔ حدیث ابی صہبا کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ بھی ثبوت کا محتاج ہے

۴۔ حدیث عکرمہ کے بارے میں یہ کہنا کہ تین طلاق کے بعد رجعت منسوخ ہے۔ اگر یہ

---

[1] دوسری روایت کہ جس کو ترجیح حاصل ہے کہ تجدید نکاح ہوئی تھی (روضۃ الاحباب)

صحیح ہے تو اس میں کوئی حجت نہیں ہے۔ کیوں کہ اس میں مذکور ہے:۔

ان الرجل کان یطلق	آدمی اپنی عورت کو طلاق دیدیتا تھا اور
امرأته ویراجعها بغیر	اس سے رجعت کر لیتا تھا اور اس کی
عدد فنسخ ذالك۔	تعداد نہ تھی پس یہ منسوخ ہو گیا۔

اس میں ایک ساتھ تین طلاق کا ذکر کہاں ہے؟

۵۔ حدیث کے یہ معنی بیان کرنا کہ حدیث ہیں۔ انت طالق، انت طالق، انت طالق مراد ہے اور یہ تاکید کے لئے ہے یہ بھی درست نہیں ہے۔ اس میں نیک اور بد، صادق اور کاذب کا کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کی نیت کا اعتبار ہے۔

۶۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں تین طلاق کا حکم فرمایا۔ یہ لوگوں کی تادیب کے لئے تھا لوگ زیادہ طلاق دینے لگے تھے حضرت عمرؓ نے اس کو تین ماذون طلاق میں محدود کر دیا تھا۔ یہ اس حدیث کی وجہ ہے اس کے علاوہ کوئی وجہ نہیں ہے۔

۷۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ موجودہ زمانہ کی تین طلاقیں حضور کے* میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل تحریف کے مترادف ہے جو صحیح نہیں ہے بلکہ لوگ ہمیشہ ایک طلاق اور تین طلاق دیتے رہے ہیں۔ حضورؐ کے زمانہ میں بھی لوگوں نے اپنی عورتوں کو تین طلاقیں دی ہیں ان میں سے بعض کی طلاق کو آپؐ نے ایک قرار دیا جیسا کہ حدیث عکرمہ میں ہے اور بعض پر غصہ ہوئے اور فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلتے ہو۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپؐ نے یہ فرما کر کیا حکم دیا۔ اور ان میں سے بعض پر آپؐ نے تین ہی طلاق لازم کر دیں۔"

باندی کو دو طلاق

اہل سنن نے روایت کیا ہے کہ ابو الحسن مولیٰ بنی نوفل نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ میں نے اپنی باندی بیوی کو دو طلاقیں دیدیں۔ اس کے بعد میں اور وہ دونوں آزاد ہو گئے کیا میں اس سے اب دوبارہ نکاح کر سکتا ہوں؟ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہاں کر سکتے ہو۔ اور حضورؐ نے یہی حکم دیا تھا اور تیرے لئے

* زمانہ میں ایک طلاق تھی۔

ابھی ایک طلاق اور باقی رہ گئی ہے۔

اور امام احمد نے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے کہ ابن مبارک نے معمر بن ابی حسن سے فرمایا۔ تو ایک عظیم پتھر اٹھائے ہوئے ہے اور منذری نے کہا: ابوحسن نے یہ خبر اور نیک بات کہی ہے اس کی ابوزرعہ اور ابو حاتم نے توثیق کی ہے۔ لیکن اس سند میں عمرو بن معتب راوی ہے جس کو علی بن المدینی نے منکر کہا ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں کہ غلام اور اس کی بیوی کو آزاد کر دیا تو وہ غلام تین طلاق کا مالک ہو جاتا ہے اور اگر غلام کو آزاد کر دیا کہ وہ دو طلاق دے چکا تھا اس میں فقہاء کے چار قول ہیں۔

(۱) بغیر دوسرے زوج سے نکاح کئے اپنے شوہر اول کے لئے حلال نہیں ہے۔ آزاد عورت یا باندی ہو یہی قول امام شافعی اور امام احمد کا ہے بنیاد اس کی یہ ہے کہ طلاق کا اعتبار مرد سے ہے

۲۔ تجدید نکاح ہوگی۔ جیسا کہ حدیث عمرو بن معتب سے ثابت ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے ہے۔ اور یہی قول ابن عباس رض کا ہے اور اس قول میں ایک عمدہ دقیق قسم کا ہے کیونکہ جب رقیت (غلامی) ختم ہوگئی تو تین طلاق سے ملک جدید اور سبب جدید پیدا ہو گیا اور وجود عدت کی وجہ سے اثر نکاح باقی رہا اس لئے شوہر کو رجعت کرنے کا حق باقی ہے اور اگر عدت پوری ہونے کے بعد آزاد ہوئی تو اس کو طلاق بائنہ ہوگئی اس لئے تجدید نکاح کافی ہے۔ یہی اہل ظاہر کا مسلک ہے۔

۳۔ شوہر کو حق ہے کہ عدت میں رجعت کرے اور اس سے نکاح کرے اگر باندی کو آزاد نہیں کیا ہے۔

۴۔ اگر غلام کی زوجہ آزاد ہے تو وہ تین طلاق کا مالک ہے۔ اور اگر باندی ہے تو زوج آخر سے نکاح کرنا پڑے گا یہی امام ابوحنیفہ رح کا مسلک ہے[۲] اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور اس میں چار قول ہیں۔

[۱] امام ابوحنیفہ رح کا یہی مسلک ہے [۲] یعنی آخری بات امام ابوحنیفہ رح کا مسلک ہے۔

۲ ۔ اس مسئلہ میں طلاق عبد اور طلاق آزاد دونوں برابر ہیں اس کو ابن حزم نے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضؓ نے رجعت کا فتویٰ دیا ہے۔ لیکن اس فتویٰ میں نظر ہے۔ عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ اس غلام نے حضرت ابن عمر رضؓ سے سوال کیا تو انھوں نے عدم رجعت کا فتویٰ دیا "۔ اس فتویٰ کی بنیاد اس پر ہے کہ غلام کی طلاق اس کے سید کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ اس کا نکاح اس کے سید کے ہاتھ میں ہے حضرت ابن عباس رضؓ نے روایت کیا ہے

ا۔لیس طلاق العبد وفرقتہ بشئ۔ غلام کی طلاق اور تفریق کوئی چیز نہیں ہے۔

اور حضرت جابر رضؓ نے روایت کیا ہے:

الامۃ والعبد سیدھما یجمع او یفرق۔ باندی اور غلام کا سیّد ان کو جمع کر سکتا ہے اور متفرق کر سکتا ہے۔

اور یہی اہلِ مدینہ کا قول ہے۔

ب۔ زوجین میں سے جو بھی غلام ہو۔ طلاق رقیت کے تابع رہے گی اور دو ہوں گی۔ حماد بن سلمہ نے ابن عمر رضؓ سے روایت کیا ہے: آزاد مرد اپنی باندی بیوی کو دو طلاق دے اور اس کی عدت دو حیض ہے اور غلام آزاد بیوی کو دو طلاق دے اور اس کی عدت تین حیض ہے "۔ عثمان ہی کا یہی مذہب ہے۔

ج۔ طلاق کا اعتبار مرد سے ہے اس لئے آزاد تین طلاق کا مالک ہے اس کی بیوی باندی ہو یا آزاد ہو۔ اور غلام دو طلاق دے سکتا ہے اگرچہ بیوی آزاد ہو۔ یہ قول امام شافعی اور احمد و مالک کا ہے۔ اور یہی قول بہت سے صحابہ اور تابعین کا ہے۔

د۔ طلاق کا اعتبار عورتوں سے ہے جیسا کہ عدت کا اعتبار عورتوں سے ہے جیسا کہ حضرت ابنِ مسعود رضؓ نے روایت کیا ہے:

ا لطلاق والعدۃ بالنساء طلاق اور عدت عورتوں سے ہے۔

یہی بارہ صحابہ رضؓ کا مسلک ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ اور بہت سے تابعین کا ہے

اور اسی کو حضرت عائشہ رضؓ نے حضورؐ سے روایت کیا ہے:

طلاق الامۃ تطلیقتان	باندی کی طلاق دو اور اس کی عدت
وقرءھا حیضتان۔	بھی دو حیض۔

اسی کو زکریا بن یحیی نے ابن عمر رضؓ سے اور عبدالرزاق نے حضرت ام سلمہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضؓ سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے یہی فرمایا، بہرحال اس باب میں یہی چار آثار مروی ہیں۔

۱۔ جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے اس کے بارے میں ترمذی اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ نے کہا ہے:

ان ھذالیس فی کتاب اللہ	یہ حکم نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت
ولا فی سنۃ رسول اللہ ولکن	رسول اللہؐ میں لیکن اس پر مسلمانوں
عمل بہ المسلمون۔	کا عمل ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث مرفوع ہونیکے باوجود غیر محفوظ ہے۔ اور یحیی بن معین نے بھی اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ اور ابوحاتم نے اس کو منکر قرار دیا ہے۔

۲۔ دوسری حدیث میں عمرو بن شبیب اور عطیہ ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

۳۔ تیسری روایت میں ابن سمعان کذاب ہے اور عبداللہ بن عبدالرحمن مجہول ہے

۴۔ چوتھی روایت میں عمرو بن معتب ہے اور اس کے بارے میں کلام گذر چکا ہے اس کے بعد جہاں تک آثار اور اقوال کا تعلق ہے وہ آپس میں متعارض ہیں اس لئے مطلق نصوص کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ان میں یہ ہے کہ طلاق رجعی دو ہیں اور اس میں آزاد اور غلام کسی کا فرق نہیں ہے۔

حق طلاق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

۱- یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ۔	۱- ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو طلاق دو۔
۲- اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ۔	۲- جب تم عورتوں کو طلاق دو پس ان کی مدت پوری ہو جائے۔

ان آیات میں طلاق کو شوہر کا حق قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ اسی کو حق امساک (رجعت) بھی حاصل ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا کہ میرے مولیٰ نے اپنی باندی سے میرا نکاح کر دیا ہے۔ اب وہ تفریق چاہتا ہے۔ یہ سن کر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا۔

لوگو! تمہارا عجیب حال ہے کوئی اپنے غلام کا اپنی باندی سے نکاح کر دیتا ہے۔ پھر تفریق کرنا چاہتا ہے یاد رکھو!

الطلاق لمن اخذ الساق۔	جو پنڈلی پکڑے طلاق اسی کا حق ہے

اور عبد الرزاق نے حضرت ابن عباس رضؓ ہی سے روایت کیا ہے۔

طلاق العبد بید سیدہٖ۔	غلام کی طلاق اس کے مولیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

اور ثوری نے عبد الکریم جزری سے روایت کیا ہے کہ غلام کی طلاق اور تفریق کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اور عبد الرزاق نے جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ باندی اور غلام دونوں مولیٰ کے اختیار میں ہیں چاہے ان کو جمع کر دے اور چاہے ان میں تفریق کر دے۔ اور اس باب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ قابل اتباع ہے اور اگرچہ حضرت ابن عباس رضؓ کی مقدم حدیث میں کوئی کمزوری ہے تاہم اس کی تائید قرآن پاک سے ہوتی ہے اور اسی پر لوگوں کا عمل ہے۔

تین طلاق سے کم | ابن مبارک نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو

تین طلاق سے کم طلاقیں دیں۔ پھر اس عورت سے رجعت کرلی اور اس عورت نے دوسرے خاوند سے نکاح کرلیا تھا۔ تو آپؓ نے فرمایا:۔

اس کے لئے جتنی طلاق باقی رہ گئی ہے اسی کا حق ہے۔

اس اثر میں اگرچہ ضعف ہے لیکن اکابر صحابہ نے اسی کو اختیار کیا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے:

ایما امرأة طلقها زوجها	جس عورت کو اس کا شوہر ایک طلاق دے
تطلیقةً او تطلیقتین ثم ترکها	یا دو طلاق دے پھر اس کو چھوڑ دے حتی کہ
حتی تنکح زوجا غیرہ فیموت عنها	وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے پھر
او یطلقها ثم ینکحها زوجها الاول	اس سے پہلا زوج نکاح کرے تو پہلے
فانها عندہ علی مابقی من طلاقها۔	شوہر کے لئے باقی طلاق کا حق ہے۔

اور اسی طرح حضرت علیؓ نے فرمایا ہے اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے یہی قول اکابر صحابہؓ کا ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ نے فرمایا ہے:

تعود علی الثلاث۔	وہ عورت تین طلاق پر لوٹے گی۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے:

نکاح جدید و طلاق جدید۔ نیا نکاح اور نئی طلاق۔

پہلے قول کی طرف اہل حدیث، احمدؒ و شافعیؒ و مالکؒ گئے ہیں۔ اور دوسرے قول کو امام ابو حنیفہؒ نے اختیار کیا ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ اگر زوج ثانی نے صحبت نہیں کی تھی تو صرف بقیہ طلاق ہی کا حق ہے امام نخعی نے فرمایا اس میں میں نے اختلاف نہیں سنا۔

حلالہ کا حکم

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے رفاعہ قرظی کی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی حضورؐ! مجھے رفاعہ نے طلاق دے دی تھی اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر قرظی سے نکاح کرلیا اور وہ تو کپڑے کی

گھنڈی کی طرح ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کیا پھر رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے؟
نہیں۔ اس وقت تک نہیں جب تک تو اس کا ذائقہ نہ چکھے" اور وہ تیرا ذائقہ نہ چکھے۔
اور سنن نسائی میں حضرت عائشہ کی روایت ہے۔

العسیلۃ الجماع ولو لم ینزل عسیلہ جماع ہے اگرچہ انزال نہ ہو۔

اور نسائی میں دوسری روایت حضرت ابن عمر رضؓ سے ہے اس میں ہے کہ پہلے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک دوسرا شوہر جماع نہ کر لے،، اس سے ثابت ہے کہ جن حضرات نے صرف نکاح کو کہا ہے ان کا قول مردود اور سنّت کے خلاف ہے۔

طلاق میں اختلاف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طلاق پر ایک عادل گواہ پیش کرے تو شوہر سے قسم لی جائے گی اگر اس نے قسم کھالی تو وہ شہادت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے انکار کر دیا تو یہ انکار بمنزلہ دوسرے گواہ کے شمار ہوگا۔ اور طلاق جائز ہو جائے گی۔

اس حدیث سے چند امور ثابت ہیں: ایک تو یہ کہ وقوع طلاق کے لئے ایک گواہ کافی نہیں ہے اگرچہ عورت سے اس پر قسم بھی لی جائے۔ امام احمد نے فرمایا ہے کہ گواہ اور قسم کا تعلق اموال سے ہے۔ نکاح اور طلاق۔ عتاق وغیرہ سے نہیں ہے۔ لیکن مذکورہ حدیث سے ثابت ہے کہ طلاق ایک گواہ اور شوہر کے انکارِ قسم سے ثابت ہو جائے گی۔

۲۔ دوسری بات یہ ثابت ہے کہ اگر عورت نے ایک گواہ پیش کر دیا تو خاوند سے قسم لی جائے گی۔

۳۔ ایک گواہ اور شوہر کے انکارِ قسم سے طلاق واقع کر دی جائے گی۔ اور امام احمد صرف عورت کے دعویٰ اور شوہر کے انکار قسم ہی سے طلاق کو واقع کر دیتے ہیں۔ لیکن

ظاہر حدیث اس کے خلاف ہے۔

شوہر کا انکار قسم بمنزلہ گواہ کے ہے امام شافعی امام مالک امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے کہ شوہر سے قسم لیجائیگی اور اسی کو اشہب نے اختیار کیا ہے اور اس میں غایت درجہ قوت ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کردے تو اس کو قید کر دیا جائے گا۔ اور جب زیادہ دن گذر جائیں اور خاوند قسم نہ کھائے تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا، اور انکار پر قصاص کے بارے میں عنقریب تفصیل آئے گی

⁂ ⁂ ⁂

۶۳واں باب

اختیار اور تحریم کا بیان

اختیار کا بیان

صحیحین میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو اختیار دیا تو مجھ سے ابتدا کی۔ اور فرمایا میں تجھے ایک بات کا اختیار دیتا ہوں اس میں جلدی نہ کرنا اور اپنے والدین سے دریافت کر لینا (حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں) میرے ماں باپ کبھی بھی آپؐ سے جدائی کے لئے نہیں فرما سکتے تھے،، پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

اے نبی! اپنی ازواج سے فرما دیجئے! اگر تم حیات دنیا ہی کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ دے دوں اور تم کو چھوڑ دوں اچھا چھوڑنا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو تو اللہ تعالیٰ نے نیک عورتوں کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

میں نے عرض کیا، میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہوں۔ اس کے بعد حضورؐ کی ازواج نے وہی کیا جو میں نے کیا تھا اور یہ طلاق نہیں تھی۔ ربیعہ اور ابن شہاب

نے کہا ہے کہ ان میں سے ایک زوجہ نے اپنے نفس کو اختیار کیا تھا وہ چلی گئی تھیں اور ان پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی تھی۔ ابن شہاب نے کہا ہے کہ وہ ایک بدوی عورت تھی۔ اور عمرو بن شعیب نے کہا ہے کہ ضحاک عامری کی بیٹی تھی۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے اس سے وطی کرلی تھی اور یہ بھی روایت ہے کہ وطی نہیں کی تھی۔ اس کے بعد اس کا یہ انجام ہوا کہ وہ اونٹ کی مینگنیاں چنا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ میں بڑی بدبخت ہوں۔

۱۔ اس مسئلہ میں علماء نے دو طرح اختلاف کیا ہے جمہور کا کہنا ہے کہ یہ اختیار قیام اور فراق کے بارے میں تھا چنانچہ عبدالرزاق نے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا اور آخرت کے بارے میں اختیار دیا تھا نہ کہ طلاق کے بارے میں۔

۲۔ دوسرا اختلاف حکم خیار کے بارے میں ہے یعنی زوج کو اختیار کرلیا جائے یا خود مختاری کو اختیار کیا جائے۔ اور یہ اختیار طلاق نہیں ہے چنانچہ حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ یہ اختیار طلاق نہیں تھا۔ اور بعض نے اس کو طلاق رجعی قرار دیا ہے اور یہی حسن کا قول ہے اور یہی ایک روایت امام احمد کی ہے یعنی اگر عورت شوہر کو اختیار کرے تو یہ طلاق رجعی ہے اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرے تو یہی اختیار بین طلاق ہے۔ اور صاحب مغنی نے کہا ہے کہ یہ اختیار طلاق کنایہ ہے اگر طلاق کی نیت کرلی تو طلاق ہے اسی کی حضرت عائشہ نے صراحت کی ہے اور پہلی روایت میں گذر چکا ہے کہ یہ اختیار طلاق نہیں تھی۔ اور جن لوگوں نے اس کو طلاق قرار دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ خیار ایک قسم کی تملیک ہے۔ اور اس سے طلاق ہو جاتی ہے اگر عورت اپنے کو اختیار کرے۔ اس طرح میں اختیار کے بارے میں اختلاف ہے

۱۔ اختیار تملیک ہے۔ ب۔ اختیار توکیل ہے۔ ج۔ من وجہ تملیک اور من وجہ توکیل۔ د طلاق ہے۔ س۔ لغو ہے۔ ابو الخطاب نے کہا ہے کہ اختیار تملیک ہے قبول پر موقوف ہے اور صاحب مغنی نے کہا ہے کہ توکیل ہے اور امام شافعی کے اس بارے میں دو قول ہیں اور امام ابو حنیفہ نے اسکو تملیک قرار دیا ہے اور حسن بصری نے کہا ہے کہ وہ طلاق فوراً واقع ہو جاتی ہے شوہر کو رجعت کا حق رہتا ہے اور اہل ظاہر نے اس کو لغو قرار دیا ہے

۱۔ اس مسئلہ میں حضرات صحابہؓ سے مختلف آثار مروی ہیں چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ۔ حضرت عمرؓ۔ زیدؓ بن ثابت نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو اختیار دیا۔ اس نے اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کرلیں اور اس کو ایک طلاق رجعی قرار دیا گیا۔ اور یہی فیصلہ حضرت عثمانؓ نے کیا تھا۔

۲۔ اور حضرات صحابہؓ کی ایک جماعت نے اس کو طلاق بائنہ قرار دیا ہے مثلاً ابن عمرؓ ابن زبیرؓ۔ حضرت علیؓ وغیرہ۔

۳۔ اور حضرات صحابہؓ کی ایک جماعت نے اس کو تین طلاق قرار دیا ہے۔

۴۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر ہی کو اختیار کرلیا تو کوئی طلاق نہیں۔ ابن حزم نے بیان کیا ہے کہ جب میں نے تلاش شروع کی تو اس باب میں سات حضرات صحابہؓ سے مختلف باتیں منقول ہیں۔ اس لئے مناسب نہیں ہے کہ کسی آدمی کے لئے ملک نکاح کو حرام قرار دیا جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا ہے جب کہ قرآن پاک میں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی بات صراحت کے ساتھ مروی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ جن حضرات نے اس کو طلاق تسلیم کیا ہے ان کے اقوال میں آپس میں تناقض موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ اس مسئلہ میں بنیاد ہی فاسد ہے۔ اگر فساد نہ ہوتا تو اس قدر اختلاف نہ ہوتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر قیم بنایا ہے چاہے وہ روکے رہیں اور چاہے وہ طلاق دیدیں۔ اس لئے مردوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس مسئلہ میں عورتوں کو اپنا قیم بنالیں کہ چاہے وہ اس کے نکاح میں رہیں اور چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرلیں۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ بالفرض اگر حضرات صحابہؓ کسی ایک چیز پر مجتمع ہو جائیں تب بھی ان کا یہ اجتماع اجماع نہیں ہے بلکہ ان کا اختلاف ہی ہے اس لئے دلیل کی طرف

رجوع کیا جائے گا۔ اور دلیل اس مسئلہ میں صرف یہ قول ہے۔

ا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو اختیار دے دے تو یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہی حضرت عثمانؓ نے فرمایا ہے۔

ب۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو آدمی اپنی عورت کا اختیار کسی دوسرے کو دیدے تو یہ کوئی چیز نہیں۔

ج۔ یہی طاؤس نے کہا ہے کہ کسی دوسرے کو اختیار طلاق منتقل نہیں ہو سکتا۔ طاؤس کا یہ قول متن اور سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور اس پر کسی نے طعن بھی نہیں کیا ہے۔ لیکن حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد میں اختلاف منقول ہے۔

حرام کر لینے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ	اے نبی! آپ کیوں حرام قرار دیتے ہیں
لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي	جو آپ کیلئے اللہ نے حلال کیا ہے کیا آپ
مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ	اپنی ازواج کی مرضی چاہتے ہیں اور
غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ قَدْ	اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے اللہ تعالیٰ
فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ	نے تم پر قسموں سے حلال ہونا
أَيْمَانِكُمْ ج	فرض قرار دیا ہے۔

صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ کے یہاں شہد پیا تھا اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے ایک تدبیر کی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی۔ اور سنن نسائی میں حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے اپنی باندی سے وطی کی تھی۔ اس پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے شکایت کی تھی تو حضورؐ نے اس باندی کو اپنے لئے حرام کر لیا تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

له پہلی روایت صحیح ہے اور دوسری روایت میں ضعف ہے (روضة الاحباب)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے لئے اپنی بیوی کو حرام کرے تو یہ یمین ہے اس کا کفارہ دینا ہوگا اور یہ آیت پڑھی:

لَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔	تمہارے لئے حضورؐ کی ذاتِ گرامی میں اسوۂ حسنہ ہے۔

اور ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے:

آلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نسائہ و حرم فجعل الحرام حلالاً وجعل في اليمين كفارة۔	حضورؐ نے اپنی ازواج کے ساتھ ایلاء کیا اور حرام کر لیا آپؐ نے حرام کو حلال کیا اور یمین میں کفارہ مقرر کر دیا۔

اسی طرح مسلم بن علقمہ نے اس کو مرسل روایت کیا ہے۔ اور حدیث میں حرام کو حلال کرنے سے مراد شہد ہے یا باندی ہے جس کو آپؐ نے قسم کھانیکے بعد پھر حلال کیا تھا اور ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ حلال کرنے میں کفارہ یمین ہے۔ اور ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے حرام قرار دینے میں کفارہ یمین ہے۔ جس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور نافع نے حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ اس طرح حرام قرار دینا کیا طلاق ہے؟ فرمایا یہ طلاق نہیں ہے بلکہ جب حضورؐ نے اپنی باندی کو اپنے لئے حرام قرار دے لیا تو اللہ نے حکم دیا کہ اس یمین کا کفارہ ادا کرو۔

اور عکرمہؓ نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ حرام قرار دینا۔ یہ یمین ہے اور ایسے ہی ابن عمرؓ نے حرام کو یمین بتلایا ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ کچھ نہیں ہے اور اس سے مراد عدم طلاق ہے لیکن اس میں کفارہ ہے۔ اور اس میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کو دلیل میں پیش کیا ہے اور یہ دوسرا قول زیادہ راجح ہے اور اس مسئلہ میں کم از کم بیس قول ہیں۔

۱۔ یہ تحریم لغو ہے اس میں نہ زوج پر کچھ ہے اور نہ زوجہ پر کچھ ہے۔ یہ نہ ایلاء ہے اور نہ طلاق ہے اور نہ ظہار ہے۔ اور نہ یمین ہے مسروق نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک عورت کو حرام کرنا اور ثرید کے پیالہ کو حرام کرنا دونوں برابر ہیں اور عبدالرحمٰن حمیری سے جب دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا قرآن پاک میں ہے:۔

اِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۔ جب تو فارغ ہو جائے تو کھڑا ہو اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو۔

اور تم مرد ہو جاؤ کھیلو!۔ یہ مسلک تمام اہلِ ظاہر کا ہے۔

۲۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ عورت کو حرام کر لینا تین طلاق ہے ابن حزم نے فرمایا ہے کہ یہ قول حضرت علیؓ اور زیدؓ بن ثابت وغیرہ کا ہے لیکن قبیصہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے سوال کیا کہ ایک آدمی نے اپنی عورت سے کہا انت علی حرام (تو مجھ پر حرام ہے) دونوں نے فرمایا۔ اس میں کفارہ یمین ہے اور شعبی نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:۔

"وہ عورت حرام رہے گی تاوقتیکہ وہ زوج غیر سے نکاح نہ کر لے (یعنی حلالہ کرنا ہوگا)

اور حضرت حسنؓ نے فرمایا۔ کل حلال علی حرام۔ (تمام حلال میرے اوپر حرام ہیں) یہ یمین ہے۔

۳۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ یہ قول مدخولہ کے حق میں تین طلاق ہیں۔ اور غیر مدخولہ کے بارے میں شوہر جو نیت کرے۔ ایک یا دو یا تین۔ اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو صرف ایک طلاق ہوگی۔ اور اگر اس لفظ سے پہلے کوئی کلام ہے تو وہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ یہی امام مالکؒ کا مذہب ہے۔

۴۔ چوتھا مسلک یہ ہے کہ تحریم سے اگر طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق اور تین کی نیت

کی ہے تو تین طلاقیں واقع ہوں گی. اور اگر تین سے کم کی نیت کی ہے تو ایک طلاق بائنہ۔ اگر یمین کی نیت کی ہے تو یمین ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ اور اگر کچھ بھی نیت نہیں کی تو یہ ایلاء ہے۔ اور اگر دیگر اشیاء کے لئے کہا ہے تو یہ یمین ہے اور اس میں کفارہ ہے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

۵۔ اگر طلاق کی نیت کر لی تو طلاق ہے۔ اور اس میں جو بھی نیت کی ہے اتنی ہی طلاقیں ہوں گی اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو ایک طلاق اور اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہے۔ اور یمین کی نیت کی ہے تو یمین ہے اور اگر کچھ بھی نیت نہیں کی تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول میں کوئی چیز لازم نہیں اور دوسرے قول میں کفارۂ یمین لازم ہے۔ اور یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے

۶۔ یہ مطلقاً ظہار ہے خواہ نیت کی ہو یا نیت نہ کی ہو۔ اور یہ امام احمدؒ کا مذہب ہے۔

۷۔ اگر کوئی نیت نہیں کی تو یہ کذب شمار ہوگا اور اس صورت میں کوئی کفارہ نہ ہوگا اور یہ امام سفیان ثوری کا مذہب ہے۔

۸۔ یہ تحریم ہر حال میں ایک طلاق بائنہ ہے یہ حماد بن سلیمان کا مذہب ہے۔

۹۔ اگر تین کی نیت ہے تو تین طلاق اور اگر ایک کی نیت کی یا کچھ نیت نہ کی تو ایک طلاق بائنہ۔ یہ ابراہیم کا مسلک ہے۔

۱۰۔ یہ ایک طلاق رجعی ہے۔ اس کو ابوبکر شاشی نے زہری سے اور انھوں نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

۱۱۔ تحریم کے الفاظ سے عورت حرام ہو جاتی ہے اور کچھ نہیں اس سے نہ طلاق ہوتی ہے نہ ظہار اور نہ یمین۔ یہی حضرت علیؓ سے مروی ہے۔

۱۲۔ مفتی کو اس مسئلہ میں توقف کرنا چاہیئے کہ وہ زوجہ کو شوہر کے لئے نہ حرام کہے اور نہ حلال کہے یہی شعبی نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے شوہر سے فرمایا۔ چاہے تم آگے ہو جاؤ اور چاہو گریز کرو!

۱۳۔ یہ تحریم فی الفور ہے یا تحریم معلق ہے۔ ہر صورت میں ظہار ہوگا۔ اور دوسری صورت میں یمین کہ اس کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مسلک ہے۔ بہرحال یہ تیرہ اصولی مسائل ہیں ان کی فروعات اور ہیں جن سے یہ بیس پورے ہو جاتے ہیں۔

اختلافات پر دلائل جن حضرات نے تحریم کو لغو قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے۔

۱۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ۔	وہ بات مت کہو جس سے تمہاری زبان جھوٹ سے متصف ہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو۔
۲۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ	۲۔ اے نبی! کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔

پس جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ہی کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ حلال کو حرام کریں تو دوسروں کی تو حقیقت کیا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

كل عمل ليس عليه امرنا فهو رد۔	ہر عمل جس کے بارے میں کوئی امر نہیں ہے وہ مردود ہے۔

اس لئے یہ تحریم رد اور باطل ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ حلال کو حرام کرنا اور حرام کو حلال کرنا دونوں برابر ہیں پس جس طرح سے دوسری شق لغو ہے ایسی ہی پہلی شق لغو ہے اس لئے انت علی حرام یا خبر کاذب ہے یا انشاء باطل ہے۔ اور اس بارے میں چونکہ اقوال بہت متعدد ہیں اس لئے تحریم کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔

۲۔ جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ تحریم۔ بمنزلہ تین طلاق کے ہے ان کے نزدیک تحریم طلاق کنائی ہے اور اس کی اعلیٰ قسم میں ہے۔ اس لئے احتیاطاً تین طلاق پر محمول کیا جائے گا۔ اور یہ بھی ہے کہ۔ اگر یہ تحریم ظہار ہے تو کفارہ سے دور ہو جائے گی یا تجدید عقد سے دور ہوگی۔

یا حلالہ سے دور ہوگی اس لئے ہم نے بربنائے احتیاط اعلیٰ فرد کو اختیار کر لیا ہے کیونکہ بنیادی طور پر اس میں شک واقع ہوگیا ہے۔

اس بارے میں حضرات صحابہ رضؓ الفاظ ۔ خلیتہ ۔ بریتہ ۔ سے طلاق ثلاث کا فتویٰ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ خلیتہ سے تحریم کا حکم دیتے تھے اور تحریم میں آخری حد تین طلاق ہے۔ اس طرح تحریم ایک حقیقت عرفی ہے۔

۳۔ جن حضرات نے تحریم کو مدخول بہا کے حق میں تین طلاق اور غیر مدخول بہا کے حق میں ایک طلاق بائنہ قرار دیا ہے ان کا فرمانا ہے کہ مدخول بہا صرف تین طلاق سے اور غیر مدخول بہا صرف ایک طلاق سے حرام ہو جاتی ہے اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۔ جن حضرات نے مدخول بہا اور غیر مدخول بہا دونوں کے حق میں تحریم کو طلاق بائنہ قرار دیا ہے، ان کا فرمانا ہے کہ تحریم کے معاملہ میں عدد سے کوئی فائدہ نہیں ہے ہر حال میں حرمت واقع ہو جاتی ہے۔

۵۔ جن حضرات نے تحریم کو طلاق رجعی قرار دیا ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ تحریم کا فائدہ مطلق انقطاع ہے اور مطلق انقطاع طلاق رجعی سے بھی ہو جاتا ہے ان حضرات کے نزدیک تحریم۔ تحریم رجعیہ اور تحریم بائنہ دونوں کو شامل ہے۔

۶۔ جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ شوہر سے دریافت کیا جائے گا کہ تحریم سے کیا نیت تھی ظہار یا طلاق رجعی یا یمین؟ اس لئے جو شوہر کی نیت ہوگی وہی معنی مراد ہوں گے۔ گویا تحریم کے معنی شوہر کی نیت سے متعین ہوں گے۔ یہی معنی حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے زیادہ مشابہ ہیں۔ اور یہی مجاہد نے کہا ہے اور امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ کیونکہ لفظ میں انشاء اور خبر دونوں کا احتمال موجود ہے۔ اس لئے شوہر سے دریافت کیا جائے گا کہ خبر مراد ہے یا انشاء؟ اور انشاء اگر مراد ہے تو اس کا سبب کیا ہے۔ سبب میں جو شوہر نے ارادہ کیا ہوگا اس کا اعتبار ہوگا۔

۶۔ جن حضرات نے تحریم کو ظہار قرار دیا ہے ان کا فرمانا ہے کہ تحریم انسان کے اختیار سے باہر ہے۔ بلکہ وہ زیادہ سے زیادہ انشا اسباب کا حق دار ہے اس لئے انت علی حرام (تو مجھ پر حرام ہے) کا مطلب انت علی کظہر امی ہے اور یہ ظہار ہے۔ ہاں اگر طلاق کی نیت کرلی تو طلاق ہو جائے گی۔ اور یمین کی نیت کرے گا تو یمین ہو جائے گی۔

جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ تحریم۔ یمین ہے اور اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ (مثلاً) کھانے پینے اور کپڑے وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کرلینا یمین ہے اور اس کا کفارہ نص سے ثابت ہے (جیسا کہ مذکورہ دونوں آیتوں میں گذر چکا ہے۔ اور اس فریق کا یہ استدلال چونکہ بہت قوی تھا اس لئے میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا۔ ہاں یہ تحریم۔ یمین ہے اور اس میں کفارۂ ظہار ہے، اور یہی معنی حضرت ابن عباس رضؓ کے قول کے ہیں۔

تحریم کا اثر

یہ گذر چکا ہے کہ اگر کسی نے زوجہ کے علاوہ دیگر اشیاء کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے تو اس پر کفارہ یمین ہے۔ اور وہ چیز اس پر ہمیشہ کے لئے حرام نہیں رہتی ہے۔ اس بارے میں تین اختلافات ہیں۔

۱۔ وہ چیز حرام نہیں ہوتی ہے اور یہ قول جمہور کا ہے۔

۲۔ وہ چیز مقید طور پر حرام ہوئی ہے اور یہ حرمت کفارہ سے زائل ہو جاتی ہے جیسا کہ ظہار میں ہوتا ہے کفارہ کو ظہار میں حلال کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور یہ قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ لیکن اگر یہ قیاس درست ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسا کہ ظہار میں کفارہ پہلے ادا کرنا پڑتا ہے دیگر اشیاء کی تحریم میں بھی پہلے ہی ادا کرنا چاہئے۔ لیکن دیگر اشیاء میں کفارہ بعد حانث ہونے کے لازم ہوتا ہے۔

۳۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ کفارہ تحریم کی وجہ سے لازم ہو جاتا ہے۔ یہ قول امام مالک اور امام شافعی کے علاوہ دیگر اہل حدیث اور اہل الرائے کا ہے۔ امام شافعیؒ

اور امام مالکؒ کا یہ فرمانا ہے کہ، آیت میں تحریم کے بعد تحلۃ ایمان (کفارہ) کا ذکر ہے جس کو فرض قرار دیا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا حلف علی یمین و رائی غیرها خیرا منها کفر عن یمینه و اتی المحلوف علیه۔	جب کسی چیز پر قسم کھائی اور اس کے خلاف میں بہتری دیکھی تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنے اور جس کی قسم کھائی تھی اس کو کرلے۔

۴۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تحریم زوجہ اور تحریم دیگر اشیاء میں کوئی فرق نہیں ہے یہ امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ نے تحریم امۃ میں کفارۂ یمین مقرر کیا ہے۔

بعض کنائی الفاظ صحیح بخاری میں ہے کہ بنت الجون سے عقد کر لینے کے بعد جب حضورؐ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا اعوذ باللہ منك تب آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اِلْحَقِي بِاَهْلِكِ۔	اپنے اہل کے پاس چلی جا۔

حضرت کعب بن مالکؓ سے حضورؐ نے فرمایا تھا، یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب وہ غزوۂ تبوک میں شرکت سے رہ گئے تھے، کہ اپنی عورت سے علیحدہ رہنا تو کعب بن مالک نے اپنی عورت سے یہی کہہ دیا تھا کہ (الحقی باهلك)۔

ان الفاظ کے معنی میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ اہلِ ظاہر نے کہا ہے کہ یہ طلاق نہیں ہے کیونکہ بنت الجون کو تو حضورؐ کے پاس خطبہ کی غرض سے بھیجا گیا تھا آپؐ کا اس سے عقد نہیں ہوا تھا۔ اور اس کی تائید حدیث بخاری سے ہوتی ہے کہ:

جب جونیہ عورت کو حضورؐ کی خدمت میں لایا گیا تو آپؐ نے اس کو امیمہ بنت نعمان کے یہاں اتارا اور اس کے ساتھ ایک سواری کا جانور بھی تھا۔

جب حضورؐ اس کے گھر تشریف لے گئے تو فرمایا: کیا تو اپنے آپ کو ہبہ کرنا چاہتی ہے تب اس نے کہا تھا اعوذ باللہ منک۔ تب حضورؐ نے فرمایا تھا ابو اسیدؓ! اس کو اس کے رشتہ داروں کے پاس پہونچا دو۔

اور مسلم شریف میں اس تفصیلی قصہ کے بعد اتنا اضافہ اور ہے۔

لوگوں نے کہا تو جانتی بھی ہے یہ کون ہیں؟ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تیرے پاس خطبہ کے لئے آئے تھے تب اس نے کہا میں بہت بدبخت ہوں۔

یہ تمام تفصیل ایک ہی قصہ۔ ایک ہی جگہ اور ایک ہی عورت کے بارے میں ہے اس سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے عقد نہیں کیا تھا۔ لیکن جمہور اور ائمہ اربعہ نے فرمایا ہے کہ یہ الفاظ طلاق کنائی کے ہیں کیونکہ صحیح بخاری میں ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے یہاں آئے تو یہ فرمایا تھا۔

اسماعیل سے کہہ دینا کہ وہ اپنی چوکھٹ تبدیل کر دے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس عورت سے فرمایا تھا۔ تو چوکھٹ ہے اور انھوں نے تیرے چھوڑنے کا امر فرمایا ہے لہذا۔ الحقی باھلک۔ تو اپنے عزیزوں کے یہاں چلی جا۔

اور حضرت عائشہؓ کی حدیث اس باب میں صریح ہے اس سے ثابت ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عورت سے عقد ہو گیا تھا حدیث عائشہؓ میں ہے۔ دنا منہا۔ آپؐ اس کے قریب ہوئے۔ اور حضرت ابو اُسید کی روایت سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ آپ کا عقد اس سے پہلے ہو اتھا یا نہیں! لیکن دوسری حدیث سہل بن سعد میں صراحت ہے کہ آپ خطبہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ دونوں حدیث میں یہ تعارض باقی رہتا ہے کہ یہ دخول کس قسم کا تھا خطبہ کے لئے تھا یا آپؐ اس کے پاس

زوجہ کی حیثیت سے تشریف لے گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت (کہ جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ ہے) اس سے یہ ثابت ہے کہ "الحقی باھلک" الفاظ سے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں طلاق دیا کرتے تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تبدیل نہیں فرمایا تھا اور حضرات صحابہ رضؓ اس لفظ کے ذریعہ بھی طلاق دیا کرتے تھے۔ اور حضرت علی رضؓ نے انت خلیۃ کو تین طلاق اور حضرت عمر رضؓ نے ایک طلاق قرار دیا ہے۔ اسی طرح دوسرے الفاظ بھی طلاق کے لیے متعارف تھے۔ اس لئے جس لفظ کے بارے میں حضرات صحابہ رضؓ کا عرف تھا اس لفظ سے نیت کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح عجمی، ترکی، ہندی الفاظ سے ان کے عرف کے مطابق طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر کسی نے ایسے عربی الفاظ سے طلاق دی کہ اس کے معنی اس کو معلوم نہیں تھے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

لفظ "السراح" کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کو بہت سے حضرات نے نہ طلاق کنائی شمار کیا ہے اور نہ طلاق صریح اس لئے اگر کوئی اپنی عورت کو سرحتک کہتا ہے تو اس لفظ سے طلاق نہیں ہوگی جو لوگ اس لفظ کو عرف شرع قرار دیتے ہیں ان کا دعوی باطل ہے۔ شریعت نے اس کو غیر طلاق کے لئے استعمال کیا ہے چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ	پس اس کو سامان دو اور شرافت کے
سَرَاحًا جَمِيلًا۔ [۱]	ساتھ چھوڑ دو۔

---

[۱] الفاظ کنائی سے مراد ہے کہ جن کے دو معنی ہوں۔ اگر نیت طلاق کی کر لی جائے تو طلاق واقع ہو جائے۔ اس جگہ سرح جس کے معنی چھوڑنے کے آتے ہیں۔ قرآنی آیت سے انھوں نے ثابت کیا ہے کہ غیر طلاق ہے۔ حالانکہ قرآن پاک کی آیت واضح (باقی حاشیہ صفحہ ۲۶۴ پر)

اس آیت میں لفظ سراح۔ غیر طلاق کے لئے ہے۔ ایسے ہی الفراق کو غیر طلاق کے لئے استعمال کیا ہے:

فامسکوھن بمعروف او	پس ان کو دستور کے مطابق روکے
فارقوھن بمعروف	رہو یا دستور کے مطابق چھوڑ دو!

اس آیت میں امساک سے مراد رجعت ہے اور فراق سے مراد عدم رجعت یا ترک رجعت ہے یہ وہ بات ہے کہ جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع ہو جائے گی خواہ معنی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔

٭ ٭ ٭

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ۲۶۳) طور پر پکا رہی ہے کہ یہاں تسریح سے بجز طلاق کے کوئی دوسرے معنی مراد نہیں ہیں۔ علامہ شامی نے در مختار کی شرح میں بیان کیا ہے:۔

اذا قال سرحتك ای	جب کسی نے اپنی بیوی کو سرحتک یعنی
رھاکردم یقع به الرجعی۔	میں نے تجھے آزاد کر دیا کہا تو اس
	سے طلاق رجعی ہوگی۔

یہ بات ہندوستانی عرف میں بھی ہے کہ زوجین کے معاملات میں شوہر جب کہتا ہے کہ میں نے چھوڑ دیا۔ یا آزاد کر دیا تو طلاق ہی مراد ہوتی ہے۔ اس لئے اب ہمارے یہاں یہ الفاظ۔ طلاق صریح ہیں نہ کہ طلاق کنائی۔

۶۴واں باب

ظہار اور اُس کے احکامات

ظہار کا ثبوت[۱] اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِم مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا (الی قولہ) وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

جب تم میں سے کوئی اپنی عورتوں سے ظہار کرے (حالانکہ) وہ اُن کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں کہ جنھوں نے ان کو جنا ہے انھوں نے بری بات اور جھوٹی بات کہی ہے اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے. جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر لوٹنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ایک غلام آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگائیں (الی قولہ) اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

سنن اور مسانید میں ثابت ہے کہ اوس بن صامت نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اس کا نام خولہ بنت مالک تھا۔ اس نے حضورؐ سے آکر شکایت کی تھی اور پورے حالات بیان

گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے پاس اس بارے میں کوئی حکم نہیں ہے۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں :

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ۔

اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے بارے میں آپ سے جھگڑتی تھی اور اللہ کی طرف شکایت کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ تمہاری بات سنتا ہے وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا تھا کہ تیرے خاوند کو ایک غلام آزاد کرنا چاہیئے عرض کیا حضور اس کے پاس غلام نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو اس کو دو مہینہ کے مسلسل روزہ رکھنے چاہئیں۔ عرض کیا حضورؐ وہ بہت بوڑھے ہیں روزہ نہیں رکھ سکتے۔ تب آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کیا ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ تب آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اس بارے میں۔ اس کی کچھ مدد کر دوں گا۔

سنن میں ہے کہ سلمہ بن صخر نے اپنی عورت سے رمضان بھر کے لئے ظہار کیا اور رمضان ختم ہونے سے پہلے ہی اپنی بیوی سے صحبت کر لی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ سلمہ تو نے ایسا کیا ہے۔ عرض کیا ہاں! اور اللہ کے نزدیک جو اس کا حکم ہو وہ بیان فرمائیے!۔ فرمایا ایک غلام آزاد کرو! عرض کیا یہ میرے پاس نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تو دو مہینہ کے روزے رکھو! عرض کیا۔ حضور! روزہ رکھنے ہی کی وجہ سے تو ایسا ہوا ہے۔ مجھ سے صبر

لہ عرب کی معاشرت میں۔ عورت کی کمر۔ عزت اور حرمت کی چیز سمجھی جاتی تھی۔ اس کی طرف نظر کرنا برا سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے جب کوئی۔ اپنی عورت کو۔ اپنے اوپر حرام کرنا چاہتا تھا تو ظہر کا لفظ استعمال کرتا۔ جب اسلام آیا تو اسلام نے عرب کی اس معاشرت کو باقی رکھا لیکن اس کو طلاق قرار نہیں دیا اور اس کے بارے میں ادب سکھایا اور قانون بیان کر دیا۔

نہ ہو سکے گا۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو! عرض کیا حضورؐ دو رات سے ہمارے سب گھر والے بھوکے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا تو تم بنی زریق میں جاؤ وہ تمہیں جو دیں وہ ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کر دو اور بقیہ اپنے بچوں کو کھلاؤ،" اسی قسم کی روایت ترمذی اور بزار نے بھی روایت کی ہے اور یہ احادیث چند احکامات پر مشتمل ہیں۔

۱۔ زمانۂ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں ظہار طلاق سمجھا جاتا تھا اس حکم کو اسلام نے باطل قرار دیا۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ اگر طلاق کی نیت سے ظہار کیا تب بھی ظہار ہی ہوگا۔

۲۔ ظہار حرام ہے اس کا ارتکاب جائز نہیں ہے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے منکر اور قول زور قرار دیا ہے اور یہ دونوں حرام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آیت کو اس پر ختم کیا ہے:

وَاِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحیم ہے۔

اس میں ظہار کے معصیت ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ کفارہ ظہار کی وجہ سے نہیں بلکہ عَوْد کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ یہی قول جمہور علماء کا ہے۔ اور ثوریؒ نے ابن جریج اور طاؤس سے روایت کیا ہے اور ایسے ہی ابن حزم نے ثوری سے روایت کیا ہے کہ کفارہ نفس ظہار سے واجب ہو جاتا ہے ان کے نزدیک آیت مبارکہ میں عَوْد سے مراد زمانۂ جاہلیت کی طرف عَوْد کرنا ہے۔ جیسا کہ جزاء صید میں ہے[۱]

وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ۔ جو لوٹا تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔

ا۔ ان حضرات نے کہا ہے کہ کفارہ قول منکر کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔ اور وہ ظہار ہے۔

---

[۱] یعنی اگر کوئی حرم کا جانور شکار کرلے تو اس کی جزاء مثلی ہے یعنی جزاء بمی اصل کا اعتبار ہے۔ اسی طرح آیت میں زمانہ جاہلیت کی طرف عود کرنا مراد ہے۔ لیکن ابن حزم کا یہ قیاس غلط ہے۔

وطی نہیں ہے۔

ب۔ یہ بھی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظہار کو منہی عنہ قرار دیا ہے اور وطی کرنا منہی عنہ کی طرف عود کرنا ہے۔

ج۔ ظہار زمانۂ جاہلیت میں طلاق تھا اور اسی پر حکم کفارہ مرتب ہے۔

د۔ اگر عود مراد لیا جائے تو مضارع ماضی کے معنی میں ہوگا یعنی جن لوگوں نے زمانۂ جاہلیت میں ظہار کیا اور وہ اب زمانۂ اسلام میں رجوع کرنا چاہتے ہیں تو کفارہ واجب ہوگا۔ اسلام کا حکم اس سے خارج ہے۔

س۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس بن صامت کو کفارہ کا حکم دیا اور یہ دریافت نہیں کیا کہ جاہلیت میں ظہار کیا تھا یا اسلام میں ظہار کیا تھا۔

۴۔ جن لوگوں نے عود سے مراد عزم علی الوطی لیا ہے۔ انھوں نے فرمایا ہے کہ نفس واقعہ سے یہی متر شح ہے کہ صاحب واقعہ وطی کا عزم رکھتا تھا اور اس کا بیان آئے گا۔

عود سے مراد کیا ہے

جمہور نے نفس عود سے کفارہ واجب قرار دیا ہے اس کے بعد ان میں عود کے معنی میں اختلاف ہوگیا تھا۔ اہلِ ظاہر نے کہا ہے کہ لفظ ظہار کا اعادہ مراد ہے اور اس مسلک کو اسلاف میں سے کسی نے اختیار نہیں کیا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ شروع کے ظہار سے کچھ واجب نہیں دوبارہ ظہار سے کفارہ واجب ہوگا کیونکہ۔

۱۔ اہلِ عرب کے نزدیک عود سے مراد فعل مکرر وہ ہے یہی کلام رسول سے ثابت ہے اور یہی کلام اللہ سے ثابت ہے۔

۱۔ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔	۱۔ اگر تم نے اعادہ کیا تو ہم بھی اعادہ کریں گے۔
۲۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ	۲۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو چھپ کر بات سے منع کیا گیا اور

يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوا۔ پھر وہ ممنوع چیز کی طرف لوٹتے ہیں۔

اس لئے عود سے مراد ظہار ہی ہے۔ امساک یا عزم علی الوطی مراد نہیں ہے۔

ب۔ اگر عود سے مراد رجوع لیا جائے تو یہ کہنا چاہیئے تھا۔

ثم یعودون فیما قالوا۔ پھر دوبارہ کرتے ہیں جو انھوں نے کہا ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں بھی ہے۔

العائد فی ھبتہ کالعائد فی قیئہ۔ ہبہ سے لوٹنے والا اپنی قے کو لوٹانے والا ہے۔

اور ابن حزم نے حضرت عائشہ رض کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اوس بن صامت نے شدت غضب میں اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کفارہ ظہار کا حکم نازل فرمایا۔ اس سے تکرار اور ہمیشگی ثابت ہوتی ہے اور ظہار کے بارے میں صرف یہی خبر صحیح ہے۔

عود میں جمہور کا مسلک

جمہور نے بیان کیا ہے کہ عود کے معنی۔ اعادہ لفظ کے نہیں ہیں (جیسا کہ اہلِ ظاہر نے کہا ہے) اگر یہ معنی ہوتے تو یہ فرمایا جاتا ثم یعیدون چنانچہ کہا جاتا ہے:

اعاد کلامہ بعینہ۔ اس نے کلام کا ویسا ہی اعادہ کیا۔

اور عاد کا تعلق کلام سے نہیں بلکہ افعال سے ہے چنانچہ کہا جاتا ہے:

عاد الی عملہ۔ وہ اپنے عمل کی طرف لوٹا۔

اور اعادہ صرف کلام کے بارے میں بولا جاتا ہے جیسا کہ ضمام بن ثعلبہ رض نے حضور ﷺ سے عرض کیا تھا:

اعد علی کلماتک۔ آپ اپنے کلمات کا مجھ پر اعادہ فرمائیں

اور حضرت ابو سعیدؓ نے عرض کیا تھا:

اعدها علیؓ یارسول اللہ۔ حضورؐ مجھ پر اس کا اعادہ فرمایئے!

اور یہ بھی ضروری نہیں ہے بلکہ حدیث میں "عاد لمقالتہ" اعادہ کے معنی میں ہے بہرحال۔ اعادہ قول اور اعادہ فعل دونوں ایک ہی جنس سے ہیں اس سے مثل اول فعل کے لانا مراد ہے نہ کہ بعینہ وہی فعل اور اس کی مثال اس آیت میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُھُوْا عَنْہُ۔ الاٰیۃ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو چپ کرنے سے منع کیا گیا اور پھر وہ وہی ممنوع کام کرتے ہیں۔

یہ آیت، آیتِ ظہار کی مراد کو ظاہر کرتی ہے کہ اس سے مراد منہی عنہ کی طرف رجوع ہے یہ ان لوگوں کا استدلال ہے جنھوں نے عود سے وطی مراد لی ہے۔ ان کے نزدیک قول سے مراد مقول ہے اور یہ بات لغتِ عربیہ کے بھی مطابق ہے۔ اور اسی کے اوپر تمام گذشتہ اور موجودہ جمہور ہیں اسلاف میں سے کسی نے یہ نہیں فرمایا کہ اعادہ لفظ مراد ہے۔

عود سے مراد کیا ہے

اس میں اختلاف ہے کہ عود سے مراد اعادہ لفظ ہے یا امساک مراد ہے۔ یا کوئی تیسری چیز مراد ہے۔ ایک جماعت نے کہا ہے کہ عود سے مراد اتنا امساک مراد ہے کہ جس میں انت طالق کہنے کا وقت مل جائے اگر یہ لفظ نہیں بولا تو اس ظہار سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ کفارہ لازم ہو جائے گا۔ یہ قول امام شافعیؒ کا ہے۔ دوسرے فریق نے کہا ہے کہ عود۔ ثم کے ساتھ مذکور ہے اور اسی سے مراد تاخیر ہے۔ اور جو بات امام شافعیؒ نے فرمائی ہے اس سے تاخیر یا تراخی مفہوم نہیں ہوتی ہے بلکہ مظاہر نے اگر طلاق نہیں دی تو کفارہ واجب ہو جائے گا۔

امام مالکؒ نے فرمایا ہے عود سے مراد عزم علی الوطی ہے اور یہی قول قاضی ابو یعلی

کا ہے۔ اور امام احمد نے اس سے انکار کیا ہے، اس باب میں یہ بھی اختلاف ہے کہ۔ اگر عزم علی الوطی کے بعد زوجین میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو کفارہ واجب ہو گا یا نہیں۔ مالک اور ابو خطاب نے کہا ہے کہ کفارہ واجب ہو جائے گا۔ اور قاضی ابو یعلی اور ان کے اصحاب نے فرمایا ہے کہ کفارہ واجب نہیں ہو گا۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا عزم علی الامساک اور وطی دونوں مراد ہیں۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ صرف وطی مراد ہے اور یہی قول امام احمد ابو حنیفہ کا ہے اور "ثم یعودون" سے مراد وطی ہے یعنی جب وطی کرنا چاہے تو کفارہ ادا کرے۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مِن قبلِ ان یتماسا۔ قبل وطی کرنے کے

اس آیت میں کفارہ بعد عود اور قبل وطی کفارہ واجب کیا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ عود، غیر وطی ہے اور وطی قبل کفارہ حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظہار حرام ہے اور عزم علی الوطی اسی حرام کی طرف لوٹنا ہے۔ اس اعتبار سے یہ عود شمار ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

ثم یعودون لِمانُھوا عنہ۔ پھر لوٹتے ہیں جس سے منع کیا گیا ہے۔

اس آیت میں عود فعل منہی عنہ ہے نہ کہ ارادۂ فعل۔

کفارۂ ظہار

جو آدمی کفارہ دینے سے عاجز ہو اس سے کفارہ ساقط نہ ہو گا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس بن صامت کی اس بارے میں امداد فرمائی تھی ان سے کفارہ ساقط نہیں کیا تھا۔ ایسے ہی سلمہ بن صخر کو حکم دیا ان سے ساقط نہیں کیا تھا یہی قول امام شافعی کا ہے اور یہی ایک روایت امام احمد کی ہے اور ایک جماعت عجز کی وجہ سے کفارہ کے سقوط کو کہتی ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ صرف رمضان المبارک کا کفارہ تو ساقط ہو جاتا ہے دوسرے کفارے ساقط نہیں ہوتے۔ اسی کو ابن تیمیہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

پہلے فریق کا فرمانا ہے اگر کوئی کفارہ سے عاجز ہے اور کوئی دوسرا اس کی طرف سے کفارہ ادا کرے اور اسی پر صرف کردے تو جائز ہے جیسا کہ حضورؐ نے اس آدمی پر اسی کا کفارہ صرف کردیا تھا جس نے رمضان میں وطی کرلی تھی۔ اور جیسا کہ آپؐ نے سلمہ بن صخر کے لئے کفارہ کو مباح قرار دے دیا تھا۔ یہی امام احمد کا مسلک ہے۔ دوسرے کفارات کے بارے میں ان کی دو روایات ہیں اور سنت شریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی کفارہ سے عاجز ہو جائے اور کوئی دوسرا اس کی طرف سے ادا کردے تو یہ کفارہ اسی پر صرف کردینا جائز ہے۔ زکوٰۃ کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ خود تو اپنے اوپر صرف نہیں کرسکتا البتہ امام اور عامل اس کے اہل پر صرف کرسکتے ہیں لیکن زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی۔

وطی قبل کفارہ کفارہ ادا کرنے سے قبل وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں دو جگہ اختلاف ہے۔

ا۔ وطی کے علاوہ دیگر افعال مباشرت جائز ہیں یا نہیں؟

ب۔ اگر کفارہ کھانے کے ذریعہ ادا کیا گیا ہے تو کیا درمیان میں وطی جائز ہے یا نہیں؟

ان دونوں مسئلوں میں فقہاء کے دو قول ہیں اور یہی دو روایتیں امام احمد سے مروی ہیں اور یہی دو قول امام شافعیؒ کے ہیں۔ پہلے قول کی وجہ کو ظاہر ہے کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۔ وطی کرنے سے قبل۔

اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ التماس جماع سے کنایہ ہے اس لئے تحریم جماع سے تحریم دواعی جماع لازم نہیں آتی جیسا کہ روزہ دار کے لئے جماع تو حرام ہے لیکن دواعی جماع حلال ہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔

۲۔ طعام کے ذریعہ کفارہ میں اگر وطی پہلے کرلی تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ

قبل التماس کی قیدِ عتق اور روزے کے ساتھ ہے۔ طعام کے ساتھ نہیں ہے اس لئے مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ مطلق کو بھی مقید پر قیاس کیا جائے گا کیونکہ تیسری جگہ قید کلام کے طویل ہونے کی وجہ سے نہیں لگائی گئی۔

۳۔ روزوں کے ذریعہ کفارہ کی ادائیگی میں وطی دن کو ہو یا رات کو دونوں برابر ہیں اس میں سب کا اتفاق ہے۔ البتہ یہ اختلاف ہے کہ اگر درمیان روزوں کے وطی کرلی تو کیا تسلسل باطل ہو جائے گا؟ اس میں دو قول ہیں۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں تسلسل باطل ہو جائے گا۔ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ تسلسل باطل نہیں ہوگا اس بارے میں پہلا قول ظاہر ہے۔

۴۔ طعام کے ذریعہ کفارہ میں کوئی مقدار مقرر نہیں ہے اس لئے اگر صبح اور شام دونوں وقت کھانا کھلا دیا تو کافی ہے یہی قول امام ابوحنیفہ۔ امام مالک، امام احمد اور جمہور کا ہے۔

۵۔ کفارہ میں ساٹھ کا عدد ہونا ضروری ہے اگر ایک ہی آدمی کو ساٹھ دن تک کھلا دیا تو جائز نہیں ہے۔ یہی قول امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور جمہور کا ہے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔

۶۔ کفارہ کے معرف میں صرف مساکین ہی داخل ہیں اور فقراء کا شمار بھی مساکین میں ہے۔ جیسا کہ فقراء میں مساکین کو شمار کرتے ہیں۔ بعض حضرات نے کفارہ اور زکوٰۃ کا معرف ایک ہی قرار دیا ہے۔

۷۔ کفارہ عتق کے ذریعہ سے اگر ہو تو کیا اس میں مومن اور کافر دونوں برابر ہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے ایمان کی قید صرف کفارۂ قتل میں ہے۔ لیکن دوسرے کفاروں میں ایمان کی قید نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور اہلِ ظاہر کا یہی مسلک ہے۔

۸۔ اگر ادائیگی کفارہ سے قبل وطی کرلی تو کفارہ ساقط نہیں ہوگا اور نہ دو چند ہوگا۔ بلکہ ایک ہی کفارہ رہے گا جیسا کہ گذشتہ حدیث سے ثابت ہے، صلت بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے دس فقہاء سے دریافت کیا ان سب نے ایک ہی کفارہ کو بتلایا اور ابن عمر اور عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ دو کفارے ہیں۔ اور سعید بن منصور نے کہا ہے کہ تین کفارے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن پہلا قول حدیث کے زیادہ مطابق ہے۔

❊ ❊ ❊

۶۵واں باب

ایلاء اور اس کے احکام

ایلاء کی تعریف

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایلاء کیا[1] اور آپؐ اپنے مشربہ میں ۲۹ رات مقیم رہے تو صحابہؓ نے دریافت کیا حضورؐ آپ نے تو ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا؟ آپ نے فرمایا: مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِھِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَۃِ اَشْھُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔

جو لوگ اپنی عورتوں کے ساتھ ایلاء کریں تو وہ عورتیں چار مہینے انتظار کریں اگر مردوں نے اس سے رجوع کر لیا تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیا ہے تو اللہ تعالیٰ سمیع اور علیم ہے۔

---

[1] ایلاء عورت کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ اسکی دو قسمیں ہیں ایلائے مؤقت ایلاء مؤبد۔ ایلاء موقت میں وقت مقرر ہوتا ہے۔ اور مؤبد میں وقت کی قید نہیں ہوتی۔

لغت میں ایلاء قسم کے ذریعہ سے باز رہنے کو کہتے ہیں۔ اور شریعت میں قسم کے ذریعہ وطی زوجہ سے رک جانا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مدت چار مہینے مقرر فرمائی ہے۔ اس مدت میں رجوع کرنے کا بھی اختیار رہے اور بعد مدت کے طلاق ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ ایلاء غصہ کی حالت میں ہوتا ہے جیسا کہ حضورؐ نے اپنی ازواج سے ایلاء کیا تھا۔

احکاماتِ ایلاء ایلاء کے چند احکامات ہیں:

۱۔ جس نے چار مہینے سے کم پر قسم کھائی وہ ایلاء نہیں ہے۔ یہی قول جمہور کا ہے

۲۔ چار مہینے کی مدت گذرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور جمہور کہتے ہیں کہ مدت گذرنے پر مطالبہ طلاق کا استحقاق ہو جائے گا یہی جگہ ہے کہ جس میں صحابہؓ اور تابعین میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور سہل بن ابی صالح نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ میرے والد نے دس صحابہؓ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا۔

جب تک چار مہینے نہ گذر جائیں ایلاء کرنے والے پر کچھ نہیں۔

اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے: چار مہینے گذر جانے پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے اور اس پر آیت ایلاء بھی دلالت کرتی ہے۔

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ اگر رجوع کرلیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحیم ہے۔

مدت ایلاء چونکہ چار مہینے ہے اس لئے رجوع اسی مدت کے اندر ہونا چاہئیے اور اگر چار مہینے کے بعد رجوع کیا تو اس سے آیت پر اضافہ اور زیادتی

لہ طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

ب. اگر مدت کے اندر وطی کرلی تو اس سے رجوع ثابت ہوجائے گا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔

ج۔ آیت سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر وہ آدمی جو بھی عورت سے علیحدگی کی قسم کھالے ایلاء کرنے والا ہے اس کے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو یہ کہ رجوع کرلے یا طلاق دے دے۔

٭ ٭ ٭

۶۶ واں باب

لعان اور ثبوتِ نسب

لعان کا ثبوت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ (الیٰ قولہ) اِنْ کَانَ مِنَ الصَّادِقِیْنَ۔

جو لوگ اپنی بیویوں کو تہمت لگائیں (الیٰ قولہ) اگر وہ صادقین میں سے ہیں۔

اور صحیحین میں سہل بن سعدؓ نے روایت کیا ہے کہ عویمر عجلانی نے عاصم بن عدی سے کہا اگر کوئی آدمی اپنی عورت کے پاس غیر مرد کو پائے تو کیا اس کو قتل کر دے؟ تو عویمر نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ تب حضورؐ نے فرمایا، جاؤ اپنی بیوی کو لے کر آؤ اور لعان کرو۔ زہری نے کہا، یہ طریقہ ہے لعان کا۔ سہل بن سعد نے کہا، عویمر کی عورت اس وقت حاملہ تھی اور اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور صحیحین میں دوسری روایت یہ ہے کہ ایک آدمی نے حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لعان کیا، آپؐ نے زوجین کے درمیان تفریق کر دی۔ اور بچہ کا نسب ماں سے منسوب کر دیا۔ اور مسلم کی روایت میں حضرت ابن مسعودؓ نے

تفصیلی قصۂ لعان کا روایت کیا ہے، اس میں سے ہے کہ اسلام میں لعان کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اگر بچہ ان صفات کا ہو تو وہ ہلال بن امیہ کا ہے اور اگر ان صفات کا ہو تو وہ شریک بن سحما کا ہے۔ الخ۔

لعان کے احکامات

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی سے چند احکامات پیدا ہوئے ہیں:

۱۔ لعان زوجین کے درمیان صحیح ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر ہوں۔ سزا یافتہ ہوں یا غیر سزا یافتہ ہوں۔ ایک ہو یا دونوں ہوں۔ یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔ اور اہل الرائے اور اوزاعی اور ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ لعان، ان ہی زوجین کے درمیان ہو سکے گا جو عادل ہوں قذف میں سزا یافتہ نہ ہوں، آزاد ہوں۔ اور امام احمد کی بھی دوسری روایت یہی ہے ان دونوں قول کا ماخذ یہ ہے کہ لعان میں دونوں وصف یعنی شہادت اور یمین موجود ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ لعان مسلمانوں ہی کے درمیان جاری ہو سکے گا۔ اور حریت کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لا لعان بین مملوکین ولا کافرین۔	لعان دو مملوک اور دو کافروں کے درمیان نہیں ہے۔

اس حدیث کو ابو عمر بن عبدالبر نے روایت کیا ہے اور دارقطنی نے روایت کیا ہے:

اربعة لیس بینھم لعان لیس بین الحر والامة لعان ولیس بین الحرة والعبد لعان ولیس بین المسلم والیھودی	چار آدمی ایسے ہیں کہ جن کے درمیان لعان نہیں، آزاد اور باندی۔ آزاد عورت اور غلام مرد، مسلم اور یہودی، مسلم اور نصرانیہ کے درمیان لعان

لعان ولیس بین المسلم والنصرانیۃ لعان۔ نہیں ہے۔

اور ایسے ہی عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیاہے اور چونکہ لعان قائمقام شہادت کے ہے اور اس کا بدل ہے اس لئے غیر اہل کے درمیان لعان جاری[۱] نہ ہوگا اور یہ حدیث:

لولا ما مضی من الایمان — اگر پہلے ایمان نہ ہوتا تو میرے اور

لکان لی ولہا شان۔ — اس کے لئے ایک شان ہوتی۔

اس حدیث کی محفوظ روایت یہ ہے کہ من الایمان کی جگہ من کتاب اللہ ہے اور پہلی روایت عباد بن منصور کی ہے۔ اور اس پر بہت سے حضرات نے کلام کیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہاہے کہ وہ کچھ نہیں ہے علی بن الجنید نے کہا کہ وہ متروک الحدیث ہے اور نسائی نے ضعیف کہاہے۔

شریعت شریفہ کا قاعدہ ہے کہ گواہ مدعی پر اور یمین مدعیٰ علیہ پر ہوگی۔ اور چونکہ شوہر مدعی ہے اس لئے اس پر شہادت کی جگہ لعان ہے، اگر یہ یمین ہوتی تو شوہر پر عائد نہ ہوتی اگرچہ بظاہر الفاظ کے اعتبار سے یمین معلوم ہوتی ہے۔

دوسری حدیث جس کو دارقطنی نے روایت کیاہے وہ متروک ہے اور عبدالرزاق نے جس کو روایت کیا ہے وہ زہری کی مرسل حدیث ہے۔ اور محدثین نے اس کو ضعیف قرار دیاہے۔ اور یہ بھی بات ہے کہ عتاب بن اسید رضؓ مکہ میں عامل تھے اور وہاں یہودی اور نصرانی میں سے کوئی آباد نہیں تھا۔ اور شریعت شریفہ کا جو قاعدہ بیان کیا ہے وہ دراصل قسامت کے بارے میں ہے۔

۲۔ بعض حضرات نے کہاہے کہ لعانِ زوج، گواہوں کا بدل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

---

[۱] یعنی شرعاً جن کی شہادت قبول نہیں۔

۱۔ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ۔ — اور ہٹ جائے گا عورت سے عذاب اگر گواہی دیں چار گواہی اللہ کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی عذاب کا سبب جو تھا اس کو صرف لعان سے دُور کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ — اور مشاہدہ کرے ان کی سزا کو مومنین کی جماعت۔

اس جگہ عذاب سے مراد حد شرعی ہے۔ اس کو پہلی آیت میں معرف باللام اور دوسری آیت میں اضافت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس لئے مرد کا لعان اس سے عذاب حد کو دور کرتا ہے اور عورت کا لعان اس سے عذاب حد کو دور کرتا ہے۔ اس لئے ایک دوسرے کے لعان کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے اس اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔

۳۔ لعان کے لئے ضروری ہے کہ وہ امام یا اس کے نائب کی موجودگی میں ہو۔ رعیت میں سے کسی کو لعان کرانے کا حق حاصل نہیں ہے۔

۴۔ زوجین ایکدوسرے کو کھڑے ہو کر لعان کریں گے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کو کھڑے ہونے کا امر فرمایا تھا اور ایسے ہی اس کی عورت کو حکم دیا تھا کیونکہ کھڑے ہونے میں زیادہ شہرت ہے۔

۵۔ لعان کی ابتداء مرد سے ہونی چاہیئے۔

۶۔ لعان شروع کرنے سے پہلے زوجین میں سے ہر ایک کو نصیحت کرنا چاہیئے۔

۷۔ لعان ان ہی الفاظ میں کیا جائے گا جو قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ ان میں سے کسی لفظ کو تبدیل کرنا جائز نہیں ہے امام احمد نے فرمایا ہے کہ لفظ زنا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ یہ کہنا کافی ہے۔

فیما رمیتھا بہ۔ اس میں کہ جس کی بیں نے تہمت لگائی ہے۔

۸۔ لعان کرنے سے حمل کی نفی ہو جائے گی۔ صراحتہً نفی کی ضرورت نہیں ہے یہی قول امام احمدؒ کے شاگرد ابوبکر بن عبدالعزیز کا ہے اور یہی قول اصحاب امام مالک اور اہل ظاہر کا ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ بچہ کے ذکر کرنے کی مرد کو ضرورت ہے عورت کو ضرورت نہیں ہے۔ اور خرقی نے کہا ہے کہ دونوں کو ضرورت ہے۔ اور قاضی نے کہا ہے:

یشترط ان یقول ھذا الولد من زناء ولیس ھومنی۔ شرط ہے کہ یہ کہے کہ یہ بچہ زنا سے ہے مجھ سے نہیں ہے۔

اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ لیکن ابوبکر بن عبدالعزیز کا قول سب سے زیادہ صحیح ہے اور سنت کے مطابق ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان لعان کر دیا اور شوہر نے ولد کی نفی کر دی تھی آپؐ نے دونوں میں تفریق کر دی اور بچہ کو ماں سے وابستہ کر دیا۔

اور سہل بن سعدؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک عورت حاملہ تھی شوہر نے حمل کا انکار کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا:

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ بچہ عورت کا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بلا نفی کیے نفی نہ ہوگی۔ اور اس مسئلہ میں ذرا تفصیل ہے۔

۱۔ اگر عورت کو حالت حمل میں تہمت لگائی تھی اور کہا تھا کہ اس نے زنا کیا ہے تو بچہ شوہر کا ہوگا۔

ب۔ اگر اس وقت حمل ظاہر نہیں تھا لیکن زنا کی تہمت لگائی تھی تو دیکھا جائے گا کہ بچہ مہینہ سے پہلے پیدا ہوا ہے یا بعد میں۔

ج۔ اگر پہلے ہی برائت ظاہر کردی تھی تو محض لعان کرنے سے بچہ کی نفی ہو جائے گی اور اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اگر بچہ زوج کے مشابہ پیدا ہو تو اس کا ہے اور اگر اس آدمی کے مشابہ ہو جس کے بارے میں تہمت لگائی گئی تھی تو اس کا ہے۔

ہم کہیں گے آپؐ نے یہ ارشاد لعان کے بعد فرمایا تھا۔ اور یہ بات آپؐ ہی کے لئے مخصوص ہے۔ حکم لعان قطعی ہے اس کو ان شبہات سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔

۹۔ اگر شوہر نے کسی معین آدمی کے ذریعہ عورت کو متہم کیا ہے اور عورت سے لعان کیا گیا تو متعین آدمی سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اور لعان کرتے وقت اس آدمی کا ذکر ضروری نہیں ہے۔ اور اگر لعان نہیں کیا گیا تو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ دونوں میں لعان کیا جائے گا اور اجنبی پر حد جاری نہ ہوگی۔ اور امام شافعی نے فرمایا ہے اس پر حد قائم کی جائے گی۔

اگر زوجہ حاملہ ہو تو لعان بعد وضع حمل کیا جائے گا یہی امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے اور جمہور اہل علم نے فرمایا ہے کہ حالت حمل ہی میں لعان کیا جائے گا جیسا کہ ہلال بن امیہ کے واقعہ سے ثابت ہے اور امام مالک اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ لعان میں حمل کی نفی درست ہے جیسا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا:-

خیال رکھو! اگر بچہ اتنے اتنے دنوں میں پیدا ہو تو۔

۱۱۔ لعان کے بعد زوجین میں ہمیشہ کے لئے تفریق کردی جائے گی اور وہ پھر کبھی مجتمع نہ ہوسکیں گے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے ایسا ہی روایت کیا ہے۔

احکامات تفریق اس مسئلہ میں پانچ مذہب ہیں۔

۱۔ محض قذف ہی سے تفریق ہو جاتی ہے۔ یہ قول ابو عبید کا ہے اور جمہور اس کے

خلاف ہیں۔ اور جابر بن زید۔ عثمان تیمی۔ محمد بن ابو صفرہ اور فقہاء بصرہ نے کہا ہے کہ لعان سے تفریق نہیں ہوتی ہے۔ اور ابو صفرہ نے کہا ہے کہ لعان سے عصمت ختم نہیں ہوتی ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے بعد طلاق سے انکار نہیں کیا ہے۔

جمہور علماء نے فرمایا ہے کہ لعان سے فرقت واقع ہوجاتی ہے۔ اس میں تین مذہب ہیں۔

ا۔ محض زوج کے لعان کرنے سے فرقت واقع ہوجاتی ہے۔ اور یہ قول امام شافعیؒ کا ہے

ب۔ تنہا زوج کے لعان سے تفریق نہیں ہوتی۔ اگر عورت بھی لعان کر دے تو تفریق ہوجائے گی۔ یہ امام احمدؒ کا مسلک ہے۔

ج۔ تفریق دونوں کے لعان اور حاکم کے حکم کے بعد واقع ہوتی ہے۔ اور یہ امام ابو حنیفہ رح کا مذہب ہے اور یہی ایک روایت امام احمدؒ کی ہے۔ خرقی نے کہا ہے کہ جب زوجین لعان کر چکیں تو حاکم کو تفریق کر دینا چاہئے اس کے بعد زوجین کبھی مجتمع نہیں ہوسکتے اور حضرت عویمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں اس سے ثابت ہے کہ اگر فرقت ہوگئی ہوتی تو طلاق کی ضرورت نہ تھی۔ اور حدیث سہل بن سعد میں بھی یہی ہے کہ انھوں نے لعان کے بعد تین طلاقیں دی تھیں اور اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ لعان کے بعد تفریق واقع ہوجاتی ہے حاکم کی تفریق کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفریق سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ا۔ انشاء فرقت۔ ب۔ فرقت کا اظہار۔ ج۔ لعان سے فرقت کا لازم ہوجانا۔

۲۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ لعان۔ فسخ نکاح ہے۔ طلاق نہیں ہے۔ یہی مذہب امام شافعیؒ

اور امام احمد کا ہے۔ ان حضرات نے فرمایا ہے اسی وجہ سے لعان میں حرمت موبدہ ہوتی ہے جیسا کہ رضاعت کی وجہ سے تفریق میں حرمت مؤبدہ (ہمیشہ کی) ہوتی ہے

ب۔ یہ بھی وجہ ہے کہ لعان نہ صراحتہً طلاق ہے اور نہ نیتہً طلاق ہے اگر ایسا ہوتا تو لعان ہوتے ہی طلاق ہوجاتی یا نیت کر لینے سے طلاق ہو جاتی۔

ج۔ طلاق چونکہ شوہر کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور لعان میں تفریق شریعت کی جانب سے ہے اس میں زوجین میں سے کسی کا اختیار نہیں ہے۔

د۔ قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ رضؓ سے ثابت ہے کہ خلع میں تفریق طلاق نہیں ہے تو لعان میں بطریق اولیٰ فرقت طلاق نہیں ہے بلکہ فسخ ہے۔

۳۔ لعان کی تفریق سے حرمت مؤبدہ ثابت ہوجاتی ہے اس کے بعد زوجین میں سے کوئی بھی جمع نہیں ہو سکتے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

لا یجتمعان ابداً۔ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

ایسے ہی بیہقی نے ابن عمر رضؓ سے اور ابن عباس رضؓ اور حضرت عمر رضؓ سے روایات ذکر کی ہیں۔ اور اسی کو امام احمد شافعیؒ۔ مالک، ثوری، ابو عبیدہ، ابو یوسف نے اختیار کیا ہے۔ اور امام احمد سے جو روایت کیا گیا ہے کہ:۔

ان اکذب نفسہٗ حلت له وعاد فراشہٗ بحالہ [1]	اگر مرد اپنی تکذیب کر دے تو وہ حلال ہو جائے گی اور خاوند کے لئے اس کی زوجیت برقرار رہے گی۔

یہ روایت شاذہ ہے اور ابو بکر نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اس کو کسی نے روایت کیا ہے اور مغنی نے کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک حاکم تفریق

[1] یہی فتح القدیر میں ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب تکذیب نفس کر لی تو گویا عورت کے عفیفہ ہونے کا اعتراف کر لیا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ لعان ہوا ہی نہیں ج۳ ص ۲۱

نہ کرے۔ میں کہتا ہوں کہ روایت میں تفریق حاکم سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تفریق تو لعان ہی سے ہو جاتی ہے۔ اور لعان والی تفریق، حاکم کی تفریق سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ لعان والی فرقت منجانب اللہ تعالیٰ آتی ہے۔ اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے یہ سعید بن مسیب اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مسلک ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ فرقتِ لعان طلاق ہے[1]۔ اور اسکے مقابلہ میں پہلا قول صحیح ہے کیونکہ وہی لعان کی حکمت سے زیادہ قریب ہے اس وجہ سے کہ جب لعنت واجب ہو گئی تو دونوں ملعون ہو گئے اور شریعت کی حکمت یہ ہے کہ ملعونہ کو فراش نہیں بنایا جا سکتا۔ جیسا کہ کافر کے لئے مسلمہ اور زانی کے لئے عفیفہ فراش نہیں ہو سکتی

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس دلیل کا مقتضا یہ ہے کہ پھر تو کسی سے بھی نکاح حلال نہ ہونا چاہیے ہم کہیں گے یہ حکم صرف ان ہی دونوں کے حق میں ہے کیونکہ لعنت کا تحقق یقینی نہیں ہوا بلکہ اس میں شک ہے کیونکہ جس سبب سے لعان ہوا ہے اس میں شک ہے اور اگر اس میں یقین ہوتا تو حد ثابت ہو جاتی[2]

۴۔ لعان کی وجہ سے مہر ساقط نہ ہوگا کیونکہ اگر مرد سچا ہے تو وہ صداق کے بدلہ استمتاع کر چکا ہے اور اگر جھوٹا ہے تو بطریق اولیٰ مہر ثابت ہے۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ لعان قبل دخول ہوا تو نصف مہر ہونا چاہیئے؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں اور امام احمد سے بھی دو روایتیں ہیں ہر وہ فرقت جو زوج کی جانب سے آئے اس میں آدھا مہر ہوتا ہے جیسا کہ طلاق میں ہوتا ہے اور اگر سبب فرقت زوجہ کی جانب سے ہے مثلاً عیب ہو یا کوئی شرط تو پورا مہر ساقط ہو جاتا ہے۔

۵۔ لعان کے بعد عورت کے لئے عدت گذارنے کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ ہے۔ ایسا ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا۔ اور امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا ہے اس کے لئے سکنیٰ ہے۔ اور قاضی اسماعیل بن اسحٰق نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے

---

[1] حدیث عویمر عجلانی جو صحیح ہے اس سے ثابت ہے کہ بلا تفریق قاضی کے تفریق نہ ہوگی یہی حکم شارع علیہ السلام کا ہے فتح القدیر جلد ۳ صفحہ ۲۱۶

[2] اس قیاس کا مقتضا بھی یہی ہے کہ لعان تفریق نہیں ہے

اور فرمایا ہے کہ یہ فرقت نہ فرقت طلاق ہے اور نہ فرقت موت ہے اور فرقت موت میں بھی تین قول ہیں

ا۔ متوفی عنھا زوجھا کے لئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ ہے۔ اور یہ مذہب امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا ہے۔ کیونکہ سبب موت کی وجہ سے زائل ہو چکا ہے۔

ب۔ اس کا نان نفقہ اور اور سکنیٰ اس کے ترکہ میں سے ہوگا اور وہ تقسیم میراث سے مقدم رہے گا یہ امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے کیونکہ اثر نکاح باقی ہے اور اسی وجہ سے عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔

ج۔ اس کے لئے سکنیٰ ہے نفقہ نہیں ہے۔

۶۔ لعان میں باپ کی طرف سے بچہ کا نسب منقطع ہو جائے گا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم فرمایا ہے کہ بچہ کو باپ کی طرف سے نہ پکارا جائے اور یہی حق ہے اور یہی جمہور کا قول ہے بہت کم حضرات نے کہا ہے کہ بچہ شوہر ہی کی طرف منسوب ہوگا لعان سے صرف حمل کی نفی ہوگی۔ بچہ کی نہیں اور یہ ابو محمد بن حزم کا مسلک ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ان الولد لصاحب الفراش۔ ولد صاحب فراش کے لئے ہے۔

اور اقرار والدین سے (جو کہ لعان کی صورت میں ہوا ہے) اس سے بچہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔ جمہور علماء نے کہا ہے کہ فراش ہونا لعان سے زائل ہو چکا ہے۔ اور صاحب فراش نے خود اپنے حق کی نفی کر دی ہے۔ اسی کو علامہ ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

۷۔ لعان کے بعد بچہ کا نسب ماں سے منسوب ہوگا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے اور یہی امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔ ان حضرات نے ماں کو قائم مقام باپ کے قرار دیا ہے اور سنن اربعہ میں روایت ہے۔

تحوز المرأة ثلاثة مواريث عتيقها ولقيطها وولدها

عورت تین میراث کی حقدار ہے اپنے عتیق۔ اپنے لقیط اور اپنے بچہ کی کہ جس

الذی لاعنت علیہ۔	وجہ سے لعان ہوا تھا۔

اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

جعل میراث ابن الملاعنۃ لامہ ولورثتہا من بعدہا۔	ابن ملاعنہ کی میراث اس کی ماں کی ہے اور اس کے بعد ماں کے وارثوں کی

یہ روایات اصل کے موافق ہیں کیونکہ نسب اصولاً باپ کی طرف تھا جب وہ منقطع ہوگیا تو ماں کے لئے ثابت ہوگیا۔ اور یہی کتاب اللہ کا حکم ناطق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذریت ابراہیم میں سے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا نسب ان کی ماں مریم سے ظاہر فرمایا ہے

۸۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد اس بچہ کو ولد الزنا کہنا جائز نہیں ہے اور جو کہے گا اس پر حد قذف قائم کی جائے گی۔ اسی پر سنت شریفہ دلالت کرتی ہے اور یہی جمہور علماء کا مسلک ہے کیونکہ لعان نے اس تہمت کی نفی کردی ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر بچہ پیدا نہ ہو تو عورت کے قاذف (تہمت لگانے والے) کو حد لگائی جائے گی۔

۹۔ یہ تمام احکامات اس صورت میں ہیں جب مرد اور عورت دونوں نے ایک ساتھ لعان کیا ہو۔ تنہا زوج کے لعان پر یہ احکامات مرتب نہ ہوں گے۔ اور امام ابن تیمیہ نے صرف شوہر کے لعان پر ہی بچہ کی نفی کردی ہے۔

۱۰۔ مطلقہ اور جس کا شوہر مر گیا ہو اس کے لئے نفقہ بھی ہے اور سکنی بھی ہے جبکہ دونوں حاملہ ہوں۔

۱۱۔ نسب کے معاملہ میں قیافہ کا قول قابل تسلیم ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کے لئے حکم فرمایا تھا اور مشابہت کو نسب کے بارے میں کافی دخل ہے۔

۱۲۔ حدیث شریف میں مروی ہے۔

لو ان رجلاً وجد مع امراتہ رجلاً یقتلہ فتقتلونہ۔	اگر کوئی آدمی اپنی عورت کے پاس کسی غیر مرد کو پائے اور اس کو قتل کردے تو تم اس کو قتل کردو۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے گھر میں کسی غیر آدمی کو پائے اور دعویٰ کرے کہ اس نے اپنی عورت کے پاس پایا ہے تو اس کا یہ قول معتبر نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں ہر آدمی جو کسی کو قتل کرنا چاہے گا یہی کہہ دیگا لیکن اسی کے ساتھ یہاں دو مسئلے ہیں

أ۔ دونوں میں تفریق واجب ہے۔

ب۔ اس تفریق کے لئے یہ قول معتبر ہے یا نہیں۔

حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ہے کہ اس آدمی کو قتل نہ کیا جائے گا اور حضرت علیؓ کا مسلک یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ ایک دن حضرت عمرؓ ناشتہ کر رہے تھے کہ ایک آدمی بھاگتا ہوا آیا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک خون آلودہ تلوار تھی اور اس کے پیچھے کچھ لوگ بھاگے ہوئے آرہے تھے۔ وہ آدمی حضرت عمرؓ کے پاس آکر بیٹھ گیا اور اس کے پیچھے بھی بہت سے لوگ آکر بیٹھ گئے اور بولے حضور! اس نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا ہے حضرت عمرؓ نے اس آدمی سے دریافت کیا تو وہ بولا! وہ آدمی میری عورت کے پاس تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے دریافت کیا۔ انھوں نے کہا اس آدمی نے تلوار سے حملہ کیا اور تلوار اس کی عورت کی ران میں اور اس آدمی کی کمر میں لگی۔

حضرت عمرؓ نے وہ تلوار لی اور حرکت دے کر پھر اسی آدمی کو لوٹا دی اور فرمایا۔

اگر یہ لوگ تیرے اوپر زیادتی کریں تو تو بھی زیادتی کرنا۔

اور حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ اگر کوئی آدمی اپنی عورت کے پاس کسی کو پائے تو کیا کرے؟ فرمایا اس آدمی کو چار گواہ پیش کرنا چاہیئے۔

ان دونوں واقعات سے ثابت ہے کہ اس مسئلہ میں حضرات صحابہؓ کے درمیان اختلاف تھا۔ اگر دیکھا جائے تو کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے قصاص کو معاف کر دیا جب کہ اولیائے مقتول نے اس کا اعتراف کر لیا۔ چنانچہ صاحب المغنی نے کہا ہے :

فان اعترف الولی فلا قصاص ولا دیة۔	اگر ولی نے اعتراف کر لیا تو نہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے۔

اور صاحب المستوعب نے فرمایا ہے:

وان وجد مع امراتہ رجلاً ینال منہا مایجب الرجم فقتلہٗ وادعی انہ قتلہٗ لاجل ذلک فعلیہ القصاص ظاہر الحکم۔	اگر کسی آدمی کی عورت کے پاس کوئی مرد پایا گیا اس حالت میں کہ اس سے رجم واجب ہوتا ہے پس اس کو قتل کر دیا اور دعویٰ کیا کہ اس کو اس وجہ سے قتل کیا ہے تو اس پر ظاہر حکم یہ ہے کہ قصاص ہے۔

اس مسئلہ میں گواہوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ دو گواہ کافی ہیں اور دوسری روایت یہ ہے کہ چار گواہ ضروری ہیں۔ اور حضرت زبیر رضی اللہ نے بھی ایک باندی اور ایک آدمی کو قتل کرا دیا تھا۔ اور ایسے ہی ایک روایت یہ ہے۔

• اگر کوئی آدمی کسی کے گھر میں جھانکے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر ضمان نہیں ہے۔

قاضی ابو یعلیٰؒ نے کہا ہے، اس کو امام احمد نے اختیار کیا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کا انتساب امام احمد کی طرف درست نہیں ہے بلکہ صحیح احادیث اس کے خلاف دلالت کرتی ہیں چنانچہ صحیحین میں ہے:

ایک آدمی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ میں جھانک کر دیکھا اور آپؐ کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس سے سر کو رگڑ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں تیری آنکھ پھوڑ دیتا۔

اور ایسے ہی ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ نے روایت کی ہے۔ بہرحال مسئلہ مذکورہ

میں نہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔
اور اس باب میں ایک حدیث متفق علیہ ہے جس کو حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔

حضرت سعدؓ نے عرض کیا حضور! اگر کوئی آدمی اپنی عورت کے پاس کسی کو پائے تو کیا اس کو قتل کر دے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا، خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس کو ضرور قتل کر دینا چاہیئے! آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اپنے سردار کو دیکھو! وہ غیرت مند ہے اور میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔

اس حدیث کو سب حضرات نے قبول کیا ہے۔ اور حدیث کے آخری حصہ میں یہ دلیل ہے کہ اگر قتل کر دیا تو دیت نہیں ہے۔ اور ظاہر شریعت کے اعتبار سے اسکا خون معاف ہے

ثبوتِ نسب

صحیحین میں ہے کہ ایک آدمی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

میری عورت کے ایک کالا بچہ پیدا ہوا ہے (مراد اس کی اس سے انکار تھا) آپؐ نے فرمایا کیا تمہارے یہاں اونٹ ہیں؟ عرض کیا ہیں آپؐ نے فرمایا ان کا رنگ کیسا ہے؟ عرض کیا سُرخ ہے آپؐ نے فرمایا، کوئی سفید بھی ہے؟ عرض کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ رنگ کہاں سے آیا؟ عرض کیا، ممکن ہے کوئی رگ کھل گئی ہو۔ آپ نے فرمایا: یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ حد تعریض سے ثابت نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ لعان محض شبہ سے ثابت نہ ہوگا۔

۲۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ولد فراش (شوہر) کا ہوتا ہے۔
چنانچہ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ میں جھگڑا ہوا۔ حضرت سعد نے عرض کیا، حضورؐ! یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا ہے۔

انھوں نے مجھ سے اقرار کیا تھا کہ یہ لڑکا میرا ہے اور عبد بن زمعہ نے کہا یہ میرے بھائی کا ہے۔ جب حضورؐ نے دیکھا تو عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ پایا تب آپؐ نے زمعہ کے لیے حکم کر دیا۔

الولد للفراش۔ ولد صاحب فراش کا ہے۔

یہ حکم نبوی ثبوت نسب میں اصل ہے۔ اسی پر امت کا اجماع ہے۔ اور ثبوت نسب چار طرح پر ہوتا ہے۔ فراش استلحاق۔ بینہ قیافہ۔ پہلے تین میں اتفاق ہے۔ اور مسلمانوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ نکاح سے فراش ثابت ہو جاتا ہے۔ باندی کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور امت نے تسری کو بھی سبب فراش قرار دیا ہے۔ اور حدیث عائشہ رضؓ سے استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں زمعہ کو صراحۃً صاحب فراش قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو صرف آزاد عورت کے لئے ہی محمول نہیں کیا جا سکتا بلکہ دوسری عورتوں کے لئے بھی یہ حکم ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ باندی پہلے ہی بچہ سے مولیٰ کی فراش نہیں ہو سکتی البتہ اگر مولیٰ اس بچہ کو اپنی طرف منسوب کرے تو ہو جائے گی۔ تو یہ ثبوت نسب استلحاق کی وجہ سے ہے فراشی کی وجہ سے نہیں۔ اور حضرات حنفیہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ باندی فی الجملہ فراش ہے لیکن فراش ضعیف ہے اس لئے پہلا بچہ پیدا ہونے پر صرف استلحاق کے ذریعہ ہی فراشی ثابت ہو کر ثبوت نسب ہوگا۔

اس میں وجہ فرق یہ ہے کہ نکاح کا موضوع وطی اور استفراش ہے اور ملک یمین میں یہ دونوں چیزیں تابع ہیں۔ ان حضرات نے فرمایا ہے حدیث میں فریق مخالف کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں زمعہ کے لئے وطی ثابت نہیں ہے حضورؐ نے اس کو لاحق کر دیا تھا یہ نہیں کہ وہ زمعہ کی فراش تھی۔

۳۔ فقہاء میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ زوجہ کا فراش ہونا کن چیزوں سے ثابت ہو سکتا ہے۔ اس میں تین قول ہیں۔

۱۔ نفسِ عقد سے فراش ثابت ہو جائے گا یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔

ب۔ عقد کے ساتھ امکانِ دخول بھی ضروری ہے۔ یہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مذہب ہے

ج۔ عقد کے ساتھ دخول متحقق ہونا ضروری ہے۔ اس کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اختیار کیا ہے۔

۴۔ یہ چاروں چیزیں جن سے نسب ثابت ہوتا ہے (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) ان میں سے فراش اور استلحاق یہ سبب قوی ہیں۔ اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ استلحاق کا حق صرف باپ کو ہے دادا کو نہیں۔

۵۔ گواہوں کے ذریعہ بھی نسب ثابت ہو جائے گا اس کی صورت یہ ہے کہ دو گواہ گواہی دیں کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا لڑکا اس کی بیوی سے اس کی زوجیت ہی میں پیدا ہوا ہے اگر وارثوں میں سے دو گواہ اس قسم کی گواہی دیں تو بقیہ کے انکار کا اعتبار نہیں ہے۔

۶۔ **قولِ قائف** جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیافہ کے بیان کا اعتبار کرتے ہوئے الحاقِ نسب کا حکم دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں۔

دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم مسرورًا تبرق اسارير وجهه فقال الم تران مجززًا مدلجی نظر انفاً الی زید بن حارثة واسامة بن زید وعلیهما قطیفة قد غطتا رؤسهما وبدت اقدامهما فقال ان هذه الاقدام بعضها من بعض۔	ایک دن حضورؐ میرے پاس خوش خوش تشریف لائے کہ چہرہ چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجزز مدلجی نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ کو دیکھ کر کہدیا حالانکہ ان پر چادر پڑی ہوئی تھی منہ ڈھکا ہوا تھا اور پیر کھلے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ یہ دونوں آدمیوں کے پیر ایک ہی جنس سے ہیں۔

قائف کا یہ قول سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے۔ اگر یہ معاملہ زمانۂ جاہلیت کی سی باتوں اور کہانت کا ہوتا تو آپؐ مسرور نہ ہوتے جبکہ کہانت کے بارے میں آپؐ سے وعید بھی منقول ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا: قائف سے علم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ خطا کرتا تو حضورؐ انکار فرما دیتے اور ایسا ہی گذشتہ حدیث میں گذر چکا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشابہت کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں موجود ہے۔

ان ماء الرجل اذا سبق	جب مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ سے
ماء المرأۃ کان الشبہ	سبقت کرتا ہے تو مرد سے مشابہت
لہ واذا سبق ماءھا	ہو جاتی ہے اور اگر عورت کا کرتا ہے
ماءہٗ کان الشبہ لہا؟	تو عورت سے مشابہت ہو جاتی ہے۔

اس حدیث میں مشابہت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اور احکام میں یہ بہت قوی قرینہ ہے۔ اسی طرح خلفاء راشدین نے قائف کے قول کا اعتبار کیا ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت سے حالت طہر میں دو آدمیوں نے وطی کی پس قائف نے کہا دونوں آدمی اس بچہ میں مشترک ہیں اور وہ دونوں اس کے باپ ہیں اور وہ دونوں اس کے وارث ہونگے۔

۲۔ اسی قسم کی ایک روایت حضرت علیؓ سے مروی ہے۔

حضرات صحابہؓ میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے کہ کسی نے ان دونوں صاحب کے خلاف کیا ہو۔ ان دونوں کا یہ فیصلہ مدینہ منورہ میں مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں ہوا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

حضرات حنفیہ نے کہا ہے کہ تم سب لوگ قیافہ کے بارے میں پیدل اور سواروں کے ذریعہ ہم پر چڑھائی کر دو یہ صرف محض شبہ اور تخمینہ پر ایک حکم ہے شبہ اجانب کے بارے میں پایا جاتا ہے اور اقارب میں اس کی نفی ہو جاتی ہے۔ آپ لوگوں نے اسامہ

اور زید کا قصہ تو ذکر کر دیا اور وہ قصہ بھلا دیا کہ ایک عورت کے کالا بچہ پیدا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی نفی ممکن نہ ہو سکی۔ اگر شبہ کافی ہوتا تو لعان کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اور سنت صحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے کہ لعان کی وجہ سے بچہ کی نفی ہو جاتی ہے لہذا اگر مشابہت پائی جائے تو نسب ثابت نہ ہوگا۔

اور اسامہ رضؓ اور زید کا معاملہ تو یہ ہے کہ منافقین ان کے اوپر اعتراض کیا کرتے تھے لیکن قائف نے شہادت دے دی تو قائف کی یہ شہادت حکم الہٰی کے مطابق تھی اس سے حضورؐ کو مسرت ہوئی۔ یہی معنی دیگر احادیث کے ہیں اور ہم اس کے مخالف نہیں رہا حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا فیصلہ وہ ایسا بھی ہے جیسا کہ تم نے روایت کیا ہے اور اس کے خلاف بھی مروی ہے کہ انھوں نے قائف کے قول کا اعتبار نہیں کیا۔

ولد الزنا کا حکم ابو داؤد نے اپنی سنن میں ابن عباس رضؓ کی روایت ذکر کی ہے:۔

لا مساعاة فی الاسلام من ساعی فی الجاهلية فقد لحق بعصبته ومن ادعى ولدا من غير رشدة فلا يرث ولا يورث۔	اسلام میں زنا نہیں جس نے زمانۂ جاہلیت میں زنا کیا تھا وہ اپنی عصبت سے جا ملا اور جس نے بلا دلیل کے بچہ کا دعوٰی کیا وہ اس کا وارث نہیں اور نہ وہ اس کا وارث۔

مساعات کے معنی زنا کے ہیں۔ اصمعی نے اس کو باندیوں کے ساتھ تو جائز قرار دیا تھا لیکن آزاد عورت کے ساتھ حرام کہا تھا۔ اسی کی تردید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور اس کے ذریعہ نسب کو ثابت نہیں مانا اور جو کچھ جاہلیت میں ہو چکا تھا اس کو معاف کر دیا۔ بہرحال جو بچہ اس طرح پیدا ہو وہ ولد الزنا ہے۔ باندی سے پیدا ہو یا آزاد سے پیدا ہو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ بچہ ماں کے

خاندان والوں کی طرف منسوب ہو گا۔

بعض حضرات نے حضرات علی رضؓ کا فیصلہ بھی استدلال میں پیش کیا ہے کہ جب یہ فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اس سے انکار نہیں کیا۔ اس واقعہ کو سنن ابو داؤد اور نسائی میں زید بن ارقم سے روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند میں یحیی بن عبد اللہ کندی ہے جو قابل حجت نہیں ہے۔ لیکن ابو داود اور نسائی کی وہ روایت جو عبد خیر عن زید بن ارقم ہے اس کے کل رجال ثقہ ہیں اگر عبد خیر کی ابن ارقم سے سند صحیح ہے تو یہ حدیث متصل ہے۔

بہر حال اس حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے اسحٰق بن راہویہ نے کہا ہے کہ سنت یہی ہے اور امام شافعیؒ کا ایک قول قدیم بھی یہی ہے امام احمد سے جب دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا تو انھوں نے حدیث قائف کو ترجیح دی۔

❊ ❊ ❊

۶۷واں باب

حضانت اور نان و نفقہ

حضانت میں کون مستحق ہے

ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے آکر عرض کیا۔ حضورؐ! یہ میرا بچہ ہے جس کے لئے میرا پیٹ برتن تھا اور میری چھاتیاں اس کے لئے سقایہ ہیں اور میری گود اس کے لئے گہوارہ ہیں اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے۔ وہ اس کو مجھ سے جدا کرنا چاہتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تو ہی اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ دوسرا نکاح کرے۔

اور صحیحین میں براءؓ بن عازب نے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی کے قضیہ کے بارے میں روایت کیا ہے جس میں ہے کہ حضرت علیؓ نے عرض کیا: میں زیادہ حقدار ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے عرض کیا: میں زیادہ حقدار ہوں کیونکہ اس کی خالہ میرے گھر میں ہے۔ اور حضرت زیدؓ نے کہا: یہ میرے بھائی کی لڑکی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے لئے فیصلہ فرما دیا اور فرمایا۔

الخالۃ بمنزلۃ الأمّ — خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔

اور اہلِ سنن نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

بچہ کو اختیار دیا تھا کہ وہ ماں اور باپ میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔ اس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اہل سنن نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ عورت نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یہ میرا بچہ ہے اس کو میرا شوہر (اس کا باپ) مجھ سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے تب آپ نے اس بچہ سے فرمایا: ان دونوں میں جس کو چاہے اختیار کرلے یہ تیری ماں ہے اور یہ تیرا باپ ہے بچہ نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اس حدیث کے بارے میں ترمذی نے کہا ہے کہ حسن صحیح ہے اور اسی قسم کی ایک روایت ابو داؤد اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔

احکامات پہلی روایت تو ایسی ہے کہ جس میں علماء کو ضرورت پیش آتی ہے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے علاوہ کوئی حدیث ثابت نہیں ہے کہ نکاح کی وجہ سے حق حضانت ساقط ہو جائے اسی کی طرف ائمہ اربعہ کا رجحان ہے

۲۔ اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ جب بچہ کے بارے میں ماں اور باپ میں اختلاف ہو جائے تو ماں زیادہ حقدار ہے۔ اور یہی فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کیلئے دیا تھا۔ اس کو امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں ابن عبد البر نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے اور چند وجہ سے منقطع ہے اور چند وجہ سے متصل ہے لیکن اہل علم نے اس کو قبول کیا ہے۔ امام ثوری نے عاصم عن عکرمہ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے یہاں دعوی کیا کہ انھوں نے مجھے طلاق دے دی ہے تب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بچہ پر ماں زیادہ مہربان ہوتی ہے وہی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ دوسرا نکاح کرے۔

۳۔ بچہ پر ولایت دو قسم کی ہوتی ہے ایک قسم تو ایسی ہے کہ باپ ماں سے مقدم ہوتا ہے یہ مال اور نکاح کی ولایت ہے، دوسری قسم یہ ہے کہ ماں باپ پر مقدم ہوتی ہے

اور یہ ولایت پرورش (حضانت) اور دودھ پلانے کی ولایت ہوتی ہے۔ اور چونکہ عورتیں تربیت اور پرورش کے معاملہ میں زیادہ شفیق ہوتی ہیں اسی وجہ سے ماں کو باپ پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ اور تقویم اور انتظام اور تعلیم کے معاملہ میں مرد کو فوقیت حاصل ہے اس لئے اس بارے میں بچہ کی مصلحت کی وجہ سے باپ کو فوقیت حاصل ہوتی ہے (یہی وجہ ہے) کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

الخالۃ کالام۔ خالہ مثل ماں کے ہے۔

العم بمنزلۃ الاب چچا مثل باپ کے ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رض کی صاحبزادی کے بارے میں ان کی خالہ کے لئے فیصلہ کیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت صفیہ (اس کی پھوپھی) بھی موجود تھیں اور وہ مدینہ میں تھیں انھوں نے ہجرت بھی کی تھی اور غزوہ خندق کے موقعہ پر وہ آگئی تھیں اور انھوں نے ایک یہودی کو بھی قتل کیا تھا اور یہی وہ پہلی عورت ہیں کہ جنھوں نے مشرکین کے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ اور یہ حضرت عمر رض کی خلافت تک زندہ رہیں۔ بہرحال ان کے ہوتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے لئے فیصلہ کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں ماں کے رشتہ قرابت کا اعتبار ہوگا۔ لیکن یہ استدلال اس وقت تام ہو سکتا ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انھوں نے مطالبہ کیا تھا یا انکار کیا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ انھوں نے کسی عجز کی وجہ سے اپنا حق ترک کر دیا ہو۔

۴۔ امام مالک رح نے دادی پر نانی کو ترجیح دی ہے۔ اور خالہ کو اس کے بعد رکھا ہے اور اہل علم کا خالہ کی خالہ کے بارے میں اختلاف ہے۔

۵۔ اس باب میں بعض اصحاب نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے ہر عصبہ ہر اس عورت پر مقدم رہے گا جو اس بچہ سے رشتہ میں دور کی رشتہ دار ہے اور قریب

والی رشتہ دار سے مؤخر ہو جائے گا۔ اسی ضابطہ کی وجہ سے باپ ماں اور نانی پر مقدم ہوگا اور پھوپی اور چچا پر بھی مقدم ہوگا۔

۶۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضانت میں ولادت متحققہ (ماں) کا اعتبار رہے اور پھر ولادت ظاہرہ (باپ) کا اعتبار رہے پھر ترتیب میراث جاری ہوگی اسی وجہ سے ماں شریک بہن پر باپ شریک بہن مقدم ہوگی۔

۷۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو ارشاد فرمایا:

انتِ احق به مالم تنکحی — جب تک تو نکاح نہ کرے زیادہ حقدار ہے

اس سے معلوم ہوا کہ حضانت میں ماں زیادہ حقدار ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ مدتِ حضانت کے اخراجات باپ کے اوپر ہیں یا ماں کے اوپر ہیں۔ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ماں کو خدمت ولد کی اجرت کا حق حاصل ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ماں کو مفت خدمت کرنا ہوگی۔

۸۔ حدیث شریف کے مطلب میں یہ اختلاف ہے کہ نکاح کرنا علت ہے یا توقیت ہے؟ اس میں بھی دو قول ہیں۔ اگر کسی عورت نے نکاح کر لیا جس کی وجہ سے اس کا حق حضانت ہو گیا اور پھر شوہر نے اس کو طلاق دیدی تو کیا اس کا وہ حق دوبارہ لوٹ آئے گا؟۔ اس لئے اگر نکاح کو علت قرار دیا جائے تو حق واپس ہو جائے گا اور اگر نکاح کو توقیت قرار دیا جائے تو پھر یہ حق واپس نہ ہوگا۔ پہلا قول امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور اکثر علماء کا ہے اور دوسرے قول میں یہ اختلاف ہے کہ طلاق رجعی بھی یا بائنہ بھی اس میں بھی دو قول ہیں امام احمد اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ معاملہ تعقادم قاضی پر موقوف رہے گا بہر حال یہ وہ تفریعات ہیں جو حدیث سے مستنبط ہوتی ہیں۔

۹۔ مذکورہ حدیث کے بارے میں یہ بھی اختلاف ہے کہ اس میں محض نکاح کر لینا مراد ہے یا نکاح مع الوطی مراد ہے اس میں بھی دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ

محض نکاح سے حضانت ختم ہوجائے گی۔ یہ قول امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رح کا ہے۔ اور دوسرا قول امام مالک رح کا ہے۔ اور حدیث شریف میں یہ دونوں احتمال موجود ہیں۔ لیکن اشبہ یہ ہے کہ حضانت کا حق نکاح ہوتے ہی ساقط ہو جائے گا۔

۱۰۔ حق حضانت نکاح کرنے سے ختم ہوجانے میں چار مذہب ہیں۔

ا۔ بچہ خواہ لڑکی ہو یا لڑکا نکاح کرتے ہی حق حضانت ختم ہو جائے گا یہ امام شافعی امام مالک، امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور قول مشہور میں یہی امام احمد کا مذہب ہے۔

ب۔ نکاح کرنے سے حق حضانت کسی حال میں ختم نہیں ہوتا یہ امام حسن بصری۔ ابن حزم کا مسلک ہے

ج۔ اگر بچہ لڑکی ہے تو حق ساقط نہ ہوگا اور لڑکا ہے تو ساقط ہو جائے گا یہی ایک روایت امام احمد کے بارے میں ہے۔

د۔ اگر عورت نے بچہ کے رشتہ دار سے نکاح کر لیا تو حق ساقط نہ ہوگا۔ اور غیر رشتہ دار سے کیا ہے تو حق ساقط ہو جائے گا۔

۱۱۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

انت احق مالم تنکحی — جب تک تو نکاح نہ کرے تو ہی زیادہ مستحق ہے۔

یہ حدیث عموم پر محمول نہ ہوگا کہ ہر ایک ماں کے لیے یہی حکم دیا جائے بلکہ حق حضانت کے لیے چند شرطیں ہیں۔

ا۔ دونوں دین میں متفق ہوں یعنی بچہ اور ماں کا دین ایک ہی ہو۔ اگر ماں کافرہ ہے وہ اپنے بچہ کا دین بدلنے میں کوشش کرے گی جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

انما الولد یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔	بچہ فطرت انسانی پہ پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اور اس باب میں ایک واقعہ امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے

رافع بن سنان کہتے ہیں کہ میں مسلمان ہوگیا اور میری بیوی نے مسلمان ہونے سے انکار کردیا اور حضورؐ کے پاس آئی اور کہا میرے دودھ پیتا بچہ ہے آپؐ نے فرمایا۔ ایک کونے میں بیٹھ جاؤ اور ابورافع سے بھی فرمایا۔ ایک گوشہ میں بیٹھ جا۔ اور دونوں سے کہا بچی کو آواز دو۔ بچی آواز سنکر ماں کی طرف کو جانے لگی تو حضورؐ نے دعا کی الٰہی! اس کو ہدایت دے تو وہ بچی باپ کی طرف چلی گئی۔

ب. ماں کا آزاد ہونا۔ یعنی وہ کسی کی باندی نہ ہو۔

ج. کسی سے نکاح نہ کرنا اور اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

د۔ اتحاد مکان ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی وقت عورت کو سفر کی ضرورت پیش آئے تو بچہ کے والد کا حق ہے کہ وہ حق حضانت ساقط کرادے کیونکہ سفر میں بچہ کا ضرر ہے۔ اور فقہاء نے اس بارے میں سفر حج کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا۔

بہرحال یہ جس قدر دلائل ہیں ان سے قلب کو تسلی نہیں ہوتی درست یہ ہے کہ بچہ کا نفع اور اس کی خیر جس صورت میں ہوگی اس کا خیال کیا جائے گا۔

حدیث شریف پر تفصیلی کلام یہ حدیث گذر چکی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔

انت احق به مالم تنکحی — جب تک تو نکاح نہ کرے تو ہی حقدار ہے۔

اس میں جو ضمیر واقع ہوئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تو نکاح نہ کرے اور شوہر تیرے ساتھ وطی کرے اور اسی کے ساتھ حاکم کا حکم بھی ہو جائے۔ تو حقدار ہے۔ اور یہ دخول (وطی) کی شرط ایسی ہی ہے جیسی کہ آیت مبارکہ:

حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ۔ — جب تک زوج غیر سے وطی نہ ہو جائے۔

اور جن لوگوں نے وطی کی شرط نہیں لگائی ہے انھوں نے صرف نکاح سے مراد عقد لیا ہے اور حاکم کی شرط زوجین کے درمیان اختلاف کی صورت میں ہے۔

بچہ کو اختیار اسی حدیث سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ بچہ کو اختیار نہیں ہے

کہ وہ ماں باپ میں سے کسی کو اختیار کرے۔ کیونکہ اگر بچہ کے اختیار کا اعتبار ہوتا تو یہ نظر یا جاتا۔

یہی مذہب امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہے۔ اب ہم اس مسئلہ میں تفصیلی کلام کرتے ہیں اور جائزہ لیتے ہیں کہ کون مذہب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہے۔

۱۔ حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دی (جیسا کہ گذر چکا ہے) اسی میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فیصلہ کیا کہ ماں حق دار ہے کیونکہ بچہ میں ماں کی بو اور اسکے بطن کا اثر ہے۔

۲۔ اس باب میں امام شافعیؒ نے حضرت عمرؓ کا اثر بھی روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ماں باپ کے درمیان بچہ کو اختیار دے دیا تھا۔ عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ اس بچہ نے ماں کو اختیار کر لیا تھا۔

۳۔ حضرت علیؓ کے بارے میں امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے عمارۃ الجرمی کے بارے میں اس کی ماں کے لئے فیصلہ کیا تھا۔ اسی حدیث میں ہے کہ:

میں اس وقت سات یا آٹھ سال کی تھی کہ حضرت علیؓ نے مجھے اختیار دیا تھا۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کو اختیار دیا تھا کہ وہ ماں باپ میں سے کسی کو اختیار کر لے۔

ا۔ یہاں تک تو حضرات صحابہؓ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اس کے بعد ائمہ مذاہب کے اقوال یہ ہیں۔ اسحٰق بن راہویہ نے کہا ہے کہ ماں سات سال کی عمر تک لڑکی کی حقدار ہے۔ اگر بچہ سات سے کم کا ہو تو اس کو اختیار نہیں دیا جا سکتا۔

ب۔ امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ بچہ اگر لڑکا ہے اور سات سال سے کم کا ہے تو ماں کو حق ہے اور اگر سات سال کا ہے تو اس میں ان کے تین قول مروی ہیں۔

ج۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ بچہ مذکر ہو یا مؤنث ماں کو اختیار ہے۔ جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو اختیار دیا جا سکتا ہے۔

د۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے۔ لڑکی کے بارے میں ماں کو زیادہ حق ہے اور لڑکے کے بارے میں باپ کو زیادہ حق ہے۔ یہاں تک کہ لڑکی بالغ ہو جائے اور لڑکا کھانا کھانے لگے۔

بنت حمزہ رضؓ کا قصہ

اس قصہ میں جناب رسول اللہؐ نے حضرت جعفرؓ کے لئے فیصلہ کیا تھا (تفصیل گذر چکی ہے) کیونکہ بنت حمزہؓ کی خالہ حضرت جعفرؓ کی زوجیت میں تھیں، اسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجیح دی تھی۔ کیونکہ:

۱- مواخاۃ: (جو حضرت زید اور حضرت حمزہؓ کے درمیان تھی) وجہ ترجیح اور وجہ وراثت نہیں ہے۔

۲- دوسری بات بنو عم ہونا وجہ قرابت اور استحقاق ہو سکتا ہے یا نہیں اس میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے علیحدہ علیحدہ اقوال ہیں:

۳- تیسرا حکم جو حضرت جعفرؓ کے لیے تھا تو حدیث میں موجود ہے۔

الخالۃ بمنزلۃ الام — خالہ مثل ماں کے ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے جب ابن حزم کو خلجان پیدا ہوا تو انھوں نے اسکے تمام طرق پر اعتراضات کر دیے اور اسرائیل سے جو روایت ہے وہ ضعیف ہے۔ اور حارث ہانی اور ہبیرہ یہ دونوں مجہول ہیں اور ابو یعلیٰ کی حدیث مرسل ہے اور اس میں ایک راوی مسلم بن سالم غیر معروف ہے۔ اسی طرح اور بہت سے اعتراضات کر دیئے ہیں (اس جگہ علامہ نے نہایت تفصیل سے ابن حزم کے بیان کردہ اعتراضات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور فرمایا ہے کہ ابن حزم کی یہ جرح معتبر نہیں ہے) اسکے بعد فرمایا ہے:

ا- نکاح کرنے کی وجہ سے حق حضانت ساقط نہیں ہوتا یہی مسلک حسن بصری کا ہے اور اسی کو ابن حزم نے اختیار کیا ہے۔ ب: نکاح کی وجہ سے حق حضانت ساقط نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ لڑکی ہو۔ اور اگر لڑکا ہو تو یہ ساقط ہو جاتا ہے۔ ج: اگر بچے کے قریبی رشتہ دار سے نکاح کر لیا تب بھی یہ حق ختم نہیں ہوتا۔ اور اگر اجنبی سے کر لیا تو یہ حق ختم ہو جاتا ہے یہی امام احمدؒ کا مذہب مشہور ہے۔ د: محمد بن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اگر حق حضانت میں نزاع ماں کی طرف سے ہو اور باپ مدعی علیہ ہو تو ماں کا نکاح کرتے ہی حق ختم ہو جائے گا اور اسی میں مدعی خالہ وغیرہ ہوں تو یہ حق نکاح کرنے سے ساقط نہیں ہوگا۔

علاوہ ازیں قصہ بنت حمزہ سے ایک اور مسلک پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر خالہ کا شوہر زندہ ہو تو وہ بھی اسکے لیے حرام رہے گی یعنی وہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسی حدیث میں مذکور ہے:

انت یا جعفر اولیٰ بہا تحتک خالتہا — اے جعفر تو اس کے لیے اولیٰ ہے کیونکہ آپکی زوجیت میں اسکی خالہ ہے اور کسی عورت سے

ولا تنکح المرأۃ علی عمتہا ولا علی خالتہا — اسکی پھوپی اور خالہ پر نکاح نہ کیا جائے۔

۶۸ واں باب

مختلف نفقات کا بیان

بیویوں کا نفقہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک بڑے مجمع کے سامنے ارشاد فرمایا تھا اور یہ واقعہ وفات سے اسی دن سے کچھ زیادہ پہلے کا ہے:۔

واتقوا اللہ فی النساء فانکم	عورتوں کے بارے میں اللہ سے
اخذتموھن بامانۃ اللہ	ڈرو تم نے ان کو اللہ کی امانت سے لیا
واستحللتم فروجھن	ہے اور ان کے فروج کو ایک کلمہ کے
بکلمۃ اللہ ولھن علیکم	ذریعہ حلال کیا ہے اس لئے ان کے لئے
رزقھن وکسوتھن بالمعروف۔	تمہارے اوپر نان ونفقہ ہے۔

اور ابو سفیان کی عورت نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تھی۔ کہ وہ بخیل آدمی ہے، وہ اس قدر نفقہ مجھے نہیں دیتا جو مجھے کافی ہو کیا میں اس کی چوری سے لے سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا:۔

خذا مایکفیك وولدك	اتنا لے سکتی ہے جتنا تجھ اور تیرے بچہ
بالمعروف	کو کافی ہے۔

اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا۔ آپ ہمیں عورتوں کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

اطعموھن مما تاکلون واکسوھن مما تکسون - ولا تضربوھن ولا تقبحوھن۔

ان کو وہ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہ پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔ ان کو مارو نہیں اور ان کو زنا کی طرف منسوب نہ کرو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کتاب اللہ کے مطابق ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ الآیہ

مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں۔ یہ حکم اس کے لئے ہے جو رضاعت پوری کرانا چاہے اور باپ پر ان کا نان ونفقہ دستور کے مطابق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا نفقہ خادم کے برابر کیا ہے اور دونوں میں برابری کی ہے۔ اور ان کو دستور کے مطابق قرار دیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خادم کے نفقہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی ہے۔ اور خادم کے لئے بھی ایسا ہی فرمایا ہے (جیسا کہ زوجہ کے لئے فرمایا ہے چنانچہ بیوی۔ خادم اور اولاد کے نفقہ میں تملیک نہیں ہے بلکہ جسقدر وہ کھائیں۔ اور ایسا ہی امام نسائی نے روایت کیا ہے قرآن پاک میں مذکور ہے:۔

مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ۔

اور اوسط درجہ کا جو تم اپنے اہل کو کھلاتے ہو یا ان کا لباس۔

اور اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا ہے:

الخبز والزیت۔

روٹی اور زیتون۔

اور حضرت عمرؓ نے روٹی اور روغن، روٹی اور تمر روایت کیا ہے اور افضل کھانا گوشت روٹی روایت کیا ہے۔ اور دیگر صحابہؓ نے روٹی کے ساتھ کوئی سالن روایت کیا ہے۔ اور جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہؓ اپنی ازواج پر دستور کے مطابق ہی صرف کیا کرتے تھے۔ کیونکہ نفقہ شرعاً واجب ہے۔ اگر اس میں شرعاً کوئی مقدار ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور بیان فرما دیتے۔ اس لئے عرف کے مطابق واجب ہونا کتاب اور سنت سے ثابت ہے۔ اس میں غلہ داخل نہیں ہے کیونکہ اس میں پیسنے وغیرہ کا معاملہ رہتا ہے۔ البتہ عورت دراہم یا غلہ کا مطالبہ کرے تو اس کو حق ہے۔

کھانے کی مقدار بعض حضرات نے نفقہ میں غلہ کو واجب قرار دیا ہے اور یہ مسلک امام شافعیؒ کا ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ ایک فقیر کی خوراک مُدِّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہوتی تھی۔ یہی مقدار کم سے کم ہے جو کفارہ میں دی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نفقہ اہل میں کفارہ کا اعتبار کیا ہے (جیسا کہ مذکورہ آیت میں گذر چکا ہے) اور مالدار کے لئے دو مُدین اور یہ اکثر میں داخل ہے اور متوسط درجہ کا نفقہ ڈیڑھ مد ہے۔

اور قاضی ابو یعلی نے کہا ہے اس میں دو رطل واجب ہیں اسی کا کفارہ میں اعتبار ہے اس میں کا اختلاف نہیں ہے عرف اچھے اور برے نفقہ میں اختلاف ہے۔ اور جمہور علماء نے فرمایا ہے حضرات صحابہؓ سے اس بارے میں کوئی مقدار مروی نہیں ہے۔ چنانچہ کفارہ یمین۔ کفارہ ظہار اور فدیہ صوم میں یہی مذکور ہے کوئی مقدار نہیں ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

من وطی فی نہار رمضان — جس نے دن میں وطی کی رمضان المبارک
اطعم ستین مسکینًا۔ — میں وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

بہر حال قرآن اور سنت سے یہی ثابت ہے اس میں کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔ اور حضرت علیؓ نے کفارہ یمین کے بارے میں فرمایا ہے کہ صبح و شام مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ (جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے) اور یہی بات حضرات تابعین سے ثابت ہے۔ یہی اہل مدینہ اور اہل عراق کا مسلک ہے۔ امام احمدؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ کفارہ کے نفقہ کی تو مقدار ہے زوجہ کے

نفقہ کی مقدار مقرر نہیں ہے کیونکہ کفارہ میں عزت اور مالداری کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ نفقہ زوجہ میں اعتبار ہے۔ اور اس میں حضرت عمرؓ کا ارشاد روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا ہے

لکل مسکین صاعاً من تمر او شعیر او نصف صاع من بر۔	ہر مسکین کے لئے ایک صاع تمر یا جو یا آدھا صاع گیہوں۔

حضرت عمرؓ سے دوسری روایت یہ ہے۔

خمسة اصواع عشرة مساكين۔	پانچ صاع دس مسکینوں کے لئے۔

اور یہی مقدار حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے ایک مد اور اس کے ساتھ سالن کے لئے بھی فرمایا ہے۔ اور حضرات تابعین میں سے سعید بن مسیب نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی طعام مسکین کا ذکر ہے اس سے مراد نصف صاع ہے۔ اور اور صحیحین میں حدیث شریف ہے جس کو کعب بن عجرہ نے روایت کیا ہے کہ کفارہ اذی میں (یعنی حالت احرام میں سر کے بال صاف کرانا کسی تکلیف کی وجہ سے)

اطعم ستة مساكين نصف صاع۔ طعاماً لكل مسكين۔	کھانا کھلائے چھ مسکینوں کو آدھا صاع کھانا ہر مسکین کو

اسی نصف کو تمام کفارات میں مقدار خوراک تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور یہی مقدار نفقہ زوجہ میں ہے کیونکہ حق وجوب میں کفارات اور نفقات دونوں برابر ہیں اس کے علاوہ دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ جزاء صید میں بھی کفارہ مقرر ہے اور وہ بھی بقدر طعام مسکین ہے۔ اور اسی پر امت کا اجماع ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسکو اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا۔	اور آپ کیا جانتے ہیں عقبہ کیا ہے (وہ) غلام آزاد کرنا یا کھانا کھلانا تنگی کے دنوں میں یتیم کو۔

٢۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۔ — کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اطعام میں تملیک بھی جاری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو کھانا کھلایا۔ اور حضرت زینب کے ولیمہ میں روٹی اور گوشت تھا۔ اور ایسے ہی حضرت صفیہ کے ولیمہ میں ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اوسط درجہ کا کھانا ہے جو اہل کو دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔

گذرے زمانہ کا نفقہ

ہند زوجہ ابی سفیانؓ کے قصہ سے یہ بات ثابت ہے کہ گذرے ہوئے وقت کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا:-

لا يعطيها ما يكفيها۔ — وہ اس قدر نہیں دیتے جو کافی ہو سکے

تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آئندہ بقدر کفایت لے سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اس کا آپؐ نے حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ بیوی اور دیگر اقارب کے نفقہ کے بارے میں یہ اختلاف پیدا ہوا ہے کہ آیا گذشتہ وقت کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے یا باقی رہتا ہے اس میں تین قول ہیں

١۔ زمانہ ماضی کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔

٢۔ زمانہ ماضی کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا جب کہ قریبی رشتہ دار بچہ ہو اور یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔

٣۔ زوجہ کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ دیگر اقارب کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔ امام شافعی، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہی ہے۔

جن حضرات (امام ابو حنیفہؒ) نے زمانہ ماضی کا نفقہ ساقط قرار دیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔ اگر حاکم نے نفقہ مقرر کیا تھا تو وہ ساقط نہ ہوگا اور بعض شوافع اور حنابلہ نے کہا ہے کہ حاکم کے فیصلہ کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ اور ابو البرکات نے فرمایا ہے

کسا قارب کا نفقہ اگر قرضہ کے طور پر حاکم نے دلایا تھا وہ ساقط نہ ہوگا۔ ان حضرات نے نفقہ زوجہ اور نفقہ قریب میں چند وجوہ سے فرق کیا ہے۔

۱۔ نفقہ قریب صلہ رحمی ہے۔

۲۔ نفقہ زوجہ واجب ہے خواہ شوہر مالدار ہو یا غریب ہو ایسے ہی بیوی خواہ مالدار ہو یا غریب ہو۔

۳۔ نفقہ زوجہ اس کے مستغنی ہونے کے باوجود بھی شوہر پر واجب رہتا ہے۔

۴۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی زمانہ ماضی کا نفقہ ادا کر دیا کرتے تھے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکریوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ اپنی بیویوں کا نفقہ ادا کریں یا ان کو طلاق دے دیں اور اگر طلاق دیں تو اسی کے ساتھ زمانہ ماضی کا نفقہ بھی ادا کریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم کی کسی نے مخالفت نہیں کی تھی۔ اور ابن منذر نے کہا ہے کہ چونکہ نفقہ زوجہ۔ کتاب اور سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اس لئے اتنی قوی دلیلوں کے ذریعہ ساقط ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

اور جن حضرات نے ساقط قرار دیا ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ قصہ ہند زوجہ ابی سفیان میں حضورؐ نے زمانہ مستقبل کا نفقہ دلایا ہے زمانہ ماضی کا نہیں دلایا تھا۔ اس لئے گذشتہ وصول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زمانہ ماضی کے نفقہ سے چونکہ استغنا ثابت ہو چکا ہے اس لئے اس کو واجب کرنا غیر معقول ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال تام نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ اگر وہ طلاق دیں تو نفقہ بھیجیں تو ہو سکتا ہے کہ اس سے عدت کے نفقہ کی طرف اشارہ ہو۔

نفقہ کی جگہ قیمت

نفقہ کی جگہ اس کی قیمت ادا کرنا اس کی اصل نہ کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے اور نہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت اور نہ حضرات تابعین سے ثابت اور نہ ائمہ اسلام سے ثابت۔ اللہ تعالیٰ نے تو

نفقہ کے ساتھ معروف کی قید لگائی ہے۔ اور معروف میں قیمت مقرر کرنا نہیں آتا ہے۔ بلکہ معروف میں کھلانا۔ پہنانا داخل ہے۔ اور قیمت مقرر کرنا یہ ایک قسم کا معاوضہ ہے اور معاوضہ بلا رضامندی کے جائز نہیں ہے البتہ اگر زوجین متفق ہو جائیں تو جائز ہے۔

استحقاق تفریق اگر شوہر غربت کی وجہ سے نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو عورت تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے چنانچہ دارقطنی نے روایت کیا ہے:

المراۃ تقول لزوجھا اطعمنی او طلقنی۔ — عورت اپنے شوہر سے کہے یا تو کھانا دیجئے یا طلاق دیجئے۔!

اور حماد بن سلمہ نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ جو آدمی اپنی عورت کا نفقہ ادا نہ کر سکے ان میں تفریق کرادی جائے۔ اور ایسا ہی حضرت ابوہریرہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اور سعید بن مسیب نے اسی کو سنت قرار دیا ہے۔ اور سنت سے مراد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہو سکتی ہے۔ اس کو زیادہ سے زیادہ مرسل کہا جا سکتا ہے اور اس مسئلہ میں فقہا کے چند قول ہیں۔

۱۔ شوہر پہ جبر کیا جائے یا تو وہ نفقہ ادا کرے یا طلاق دے دے۔ اور ایسا ہی سفیان نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔

۲۔ اگر شوہر نفقہ ادا نہ کر سکے تو حاکم عورت کو طلاق دے دے یہ امام مالکؒ کا قول ہے لیکن انھوں نے فرمایا ہے کہ حاکم کو کم از کم ایک مہینہ کی مہلت دینی چاہیئے۔ اور مہر وصول کرانے میں دو سال کی مہلت دینی چاہیئے۔ اس کے بعد حاکم طلاق رجعی دے دے۔

۳۔ امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔

۱ زوجہ کو اختیار ہے کہ چاہے وہ اسی حالت پر قناعت کرے اس صورت میں نفقہ شوہر کے ذمہ قرضہ رہے گا

اور اگر چاہے تو نکاح فسخ کردے۔

ب۔ زوجہ کے لئے حق فسخ نہیں ہے لیکن اس کے اوپر سے زوج کی بالادستی ختم ہو جائیگی لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ اسکو حق فسخ حاصل ہے۔ اس بارے میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ یہ تفریق فسخ ہے یا طلاق ہے؟۔ اگر یہ طلاق ہے تو حاکم کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اس صورت میں اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کر دے تو پھر حاکم طلاق دے سکتا ہے۔ اور فسخ کی صورت میں بھی حاکم کی طرف رجوع کیا جائے گا تاکہ حالات ثابت کیے جا سکیں۔

مرد کا نفقہ عورت پر

اور اس مسئلہ میں ایک مذہب اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر مرد عاجز ہو تو پھر عورت ہی کو مرد کا نفقہ برداشت کرنا پڑے گا اور یہ ابن حزم کا مسلک ہے اور اس کا غیر ہونا بلاشک ظاہر ہے۔ ابن حزم نے محلّی میں بیان کیا ہے کہ:

اگر شوہر اپنا خرچہ اٹھانے سے عاجز ہو اور عورت مالدار ہو تو پھر عورت کو اس کا خرچہ اٹھانا پڑے گا۔ اور اگر مرد پھر مالدار ہو جائے تو عورت کو رجوع کا حق نہیں ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف لا تکلف نفس الا وسعھا ولا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہ وعلی الوارث مثل ذلک[1]	اور باپ پر ان کا (ماں کا) نفقہ اور لباس دستور کے مطابق ہے اور کسی نفس پر بقدر اس کی طاقت ہی کے تکلیف دی جا سکتی ہے (زیادہ نہیں) والدہ کو اور والد کو بچہ کی وجہ سے ضرر نہیں دیا جا سکتا اور وارث پر بھی اسی کے مثل ہے۔

[1] قیاس ملاحظہ ہو۔ یعنی زوجہ بھی چونکہ اپنے زوج کی وارثہ ہے اس وجہ سے اس پر بھی زوج کا نفقہ ہے۔ بات بچہ کے بارے میں ہے اور جب ماں کر دی باپ پر۔

اور عورت چونکہ وارث ہے اس لئے اس پر نفقہ نص قرآن سے ثابت ہے۔ لیکن ابن حزم پر تعجب ہے اگر وہ سیاق کلام پر غور کرتے تو اس کے خلاف معلوم ہوجاتا کیونکہ قرآن پاک میں موجود ہے

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ۔ — اور باپ پر (ماں کا) نفقہ اور لباس ہے۔

اور ھن کی ضمیر زوجات کی طرف ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وارث پر بھی اس کے مثل ہے تو اصل میں وارث وہ ہے جس پر نفقہ ہے اور والدات کا نفقہ والد پر ہے۔ اور تعجب ہے کہ ابن حزم نے اس آیت مبارک پر غور نہیں کیا۔

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ۔ — صاحب وسعت بقدر اپنی وسعت خرچ کرے۔

عدم فسخ نکاح

اور اللہ تعالی نے بقدر طاقت ہی انسان کو مکلف قرار دیا ہے۔ اس لئے عدم قدرت سبب تفریق نہیں ہو سکتا۔ اور امام مسلم نے قصۂ ایلاء کو تفصیلاً روایت کرتے ہوئے ازواج مطہرات کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

هن حولي كما ترى يسألنني النفقة۔ — وہ میرے گرد ہیں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ وہ مجھ سے نفقہ مانگتی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کے پاس اور حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کے پاس پہونچے اور ان کی گردنوں کو جا پکڑا اور فرمایا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے۔ تو انھوں نے عرض کیا: اب ہم نہیں طلب کریں گے۔

اس واقعہ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا اپنی صاحبزادیوں کو مارنا اس سے ثابت ہے کہ اگر نفقہ ان کا حق ہوتا تو وہ حق کے مطالبہ پر نہ مارتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نفقہ ان کا حق نہیں تھا اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب نفقہ حق نہیں ہے تو عورت کو

نکاح فسخ کرانے کا بھی حق نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ نفقہ شوہر کے ذمہ دین (قرضہ) قرار دیا جا سکتا ہے[1] اور اس میں سہولت کا انتظار کرنا نص قرآن سے ثابت ہے اور حضرات صحابہؓ میں فراخی اور تنگی دونوں برابر رہی ہیں لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق نہیں دیا[2]

اور ازواج مطہرات کے واقعہ سے تو مزید یہ بات بھی ظاہر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مطالبہ سے ناراض ہو گئے۔ اور ایک مہینہ تک ان کو چھوڑے رکھا[3] اگر اس میں کوئی حقیقت ہوتی تو تنگی کے زمانہ میں اور زیادہ نہ سہی کم از کم ایک عورت تو اپنا دعویٰ دائر کر دیتی مگر ایک واقعہ بھی فسخ نکاح کے بارے میں نہیں ہے۔ چنانچہ جب ابو رفاعہ کی عورت نے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کر لیا اور حضورؐ کی خدمت میں ان کی شکایت کی کہ وہ بہت کمزور (نامرد) ہیں تو آپؐ نے فرمایا۔

شاید تو تفریق کرانا چاہتی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ تفریق اور فسخ کے واقعات حضرات صحابہؓ میں بہت کم پیش آتے تھے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقر اور مالداری دونوں چیزیں ہی بندوں پر مسلط کر دی ہیں ایک وقت میں کوئی فقیر ہے تو دوسرے وقت میں مالدار ہے۔ اور فقر کے وقت نکاح فسخ ہوا کرتے تو اس میں بہت عمومیت پیدا ہو جاتی۔

احادیث پر تبصرہ

اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں مذکور ہے۔

امراۃ تک تقول | تیری عورت کہتی ہے مجھ پر خرچ
انفق علی والا طلقنی۔ | کرو ورنہ مجھے طلاق دے دے۔

---

[1] فقہ جب عورت کا حق نہیں تو پھر زوج پر قرضہ کیسا؟ عجیب قیاس ہے۔ سچ ہے فقہ حنفیہ کے علاوہ دیگر حضرات کو نہیں آتا۔
[2] یہ اسلامی تہذیب و معاشرت کی بات ہے اس سے انکار حق ثابت نہیں ہو سکتا
[3] نفقہ چہ معنی دارد حضور پر تو مہر بھی واجب نہیں تھا حضورؐ کے ذاتی معاملہ کو جو آپ کے خصائص میں سے ہے امتیوں کے لئے قیاس کرنا نادانی ہے۔

یہ کلام نبوت سے نہیں ہے بلکہ حضرت ابوہریرہؓ نے خود فرمایا ہے۔ چنانچہ سعید بن سعید نے حدیث بیان کرنے کے بعد اس زیادتی کو بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کی وہ روایت جس کو سعید بن مسیب نے روایت کیا ہے وہ منکر ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کو موقوف قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور یہ روایت بالمعنی ہے۔ ممکن نہیں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوہریرہؓ نے یہ سنا ہو۔

انہ سئل عن الرجل لایجد ما ینفق علی امراتہ فقال یفرق بینهما۔

اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کے پاس اپنی عورت کا نفقہ ادا کرنے کو نہیں تھا۔ فرمایا: ان کے درمیان تفریق کر دی جائے۔

اس مسئلہ میں شریعت کے اصول اور قواعد کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے کسی عورت کو دھوکہ دیا کہ وہ بہت مالدار ہے۔ اور اس عورت نے اس شخص سے نکاح کر لیا اور پھر اس کو معلوم ہوا یا خاوند نے عورت کا خرچ بند کر دیا تو اس کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر عورت کو پہلے ہی سے اس کی غربت معلوم تھی تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے۔ اور جمہور فقہاء نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر شوہر مہر کے لئے بھی تنگدست ہو تو اس کو فسخ کرانے کا حق نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے اور یہی مسلک امام احمدؒ کے مسلک سے زیادہ صحیح ہے۔

طلاق بائنہ میں نفقہ

امام مسلم نے فاطمہ بنت قیس کا واقعہ روایت کیا ہے کہ انکے شوہر ابو عمرو بن حفص نے (حالت سفر میں) طلاق بائنہ دیدی اور اپنے ایک وکیل کو تھوڑے سے جَو دیکر فاطمہؓ کے پاس بھیجا۔ جس پر وہ بہت ناراض ہوئیں تو ابو عمرو نے کہا قسم خدا کی ہمارے ذمہ اس کا کچھ نہیں ہے۔ تب فاطمہ بنت قیسؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لیس لک علیہ نفقۃ — تیرے لئے اس پر نفقہ نہیں ہے۔

اور آپؐ نے اس کو عدت گذارنے کا امر فرمایا اور فرمایا جب عدت پوری ہو جائے آنا عدت کے بعد وہ آئیں اور عرض کیا کہ ابوجہم اور معاویہ ابن ابی سفیان نے پیغام دیا ہے آپؐ نے فرمایا۔ ابوجہم تو کسی وقت اپنی لاٹھی ہی نہیں رکھتا اور معاویہ بہت غریب ہیں تو اسامہ بن زید سے نکاح کرلے۔ فاطمہ بنت قیس نے انکار کر دیا۔ پھر حضورؐ نے فرمایا تو دوبارہ کہنے پر اسامہ بن زید سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اُس میں بہت خیر ظاہر فرمائی جس پر وہ دوسری عورتوں پر غبطہ کیا کرتی تھیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

لا نفقۃ لک ولا سکنیٰ۔ — نہ تیرے لئے نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ ہے

اور روایت میں تین طلاق کا ذکر ہے۔ جب حضورؐ سے دریافت کیا گیا تو آپؐ نے یہی فرمایا اور اس کو حکم دیا کہ ام شریک کے یہاں رہ کر عدت گذارو! اور اس کے بعد فرمایا عبداللہ بن ام مکتوم کے یہاں رہ کر عدت گذارو وہ نابینا آدمی ہے اور عدت پوری ہونے کے بعد آپؐ نے حضرت اسامہ بن زید سے اس کا نکاح کر دیا۔ اور ایک روایت میں اسی واقعہ کے بارے میں مذکور ہے کہ جب حضرت علیؓ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

واللہ مالک نفقۃ الا — قسم خدا کی تیرے لئے نفقہ نہیں ہے

ان تکون حاملاً۔ — مگر یہ کہ حاملہ ہو۔

جب قبیصہ بن ذویب نے ایک آدمی کو بھیج کر حضرت فاطمہ بنت قیس سے دریافت کیا تو انھوں نے یہی بیان کیا اس پر مروان (راوی حدیث) نے کہا: میں نے یہ حدیث صرف ایک عورت سے سنی ہے جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں۔ مروان کی جب یہ بات فاطمہ بنت قیس کے پاس پہونچی تو انھوں نے کہا: میرے اور تمہارے درمیان قرآن فیصلہ کریگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ — اور نہ نکالو! ان کو گھروں سے اور

بُیُوْتِھِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ (الی قولہ) لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ (الی قولہ) نہیں معلوم تجھے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات ظاہر فرمائے۔

حضرت فاطمہ بنت قیس نے فرمایا یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے لئے حق رجعت ہو۔ لہٰذا تم کیسے کہتے ہو کہ اگر حاملہ ہو تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔ ابو داؤد نے عیاش بن ربیع اور حارث بن ہشام کے اس قول کے بعد "کہ اس کے لئے نفقہ نہیں ہے" روایت کیا ہے فاطمہ بنت قیس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ نے بھی اس سے یہی فرمایا (علامہ نے چند سند سے روایت کرنے کے بعد) اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

انما النفقۃ والسکنیٰ للمرأۃ اذا کان لزوجھا علیھا الرجعۃ۔

نفقہ اور سکنیٰ اس عورت کے لئے ہے جس کے لئے مرد پر عورت کی طرف رجعت کا حق ہو۔

اور امام نسائی کے نزدیک بھی یہ سند صحیح ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ جب عدت پوری ہو جائے تو یا دستور کے مطابق روک لو یا شرافت کے ساتھ علیحدہ کر دو۔ اور ضحاک نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا۔

شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کچھ ظاہر فرما دے۔

اس سے مراد رجعت ہے۔ اور حسن اور قتادہ نے کہا کہ اس سے ثابت ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں نہ ہوئی تھیں بلکہ طلاق رجعی تھی اس سے معلوم ہوا کہ نفقہ زوجہ کے لئے ہے لیکن جب اس کو طلاق بائنہ دے دی گئی تو وہ اجنبیہ ہو گئی تو پھر اس کے لئے نفقہ کا

سوال ہی نہیں ہے۔

حدیث فاطمہ بنت قیس پر اعتراضات

پہلا اعتراض اس حدیث پر سب سے پہلا اعتراض تو حضرت عمرؓ کا ہے ابو اسحق نے کہا ہے کہ میں اسود بن یزید کیسا تھ بڑی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ شعبی بھی تھے انھوں نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث روایت کی کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اس کے لئے نہ سکنیٰ مقرر فرمایا اور نہ نفقہ مقرر فرمایا۔ یہ سن کر اسود نے ایک مٹھی کنکریاں لے کر مارا اور کہا تم ایسی بات کہتے ہو؟۔ حضرت عمرؓ نے یہ ارشاد فرمایا ہے

لا نترك كتاب الله وسنة	ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت
نبينا صلى الله عليه وسلم	ایک عورت کے قول سے نہ چھوڑیں گے
لقول امرأة لا ندري احفظت	نہیں معلوم کہ اس کو یاد رہا یا بھول
ام نسيت لها السكنى والنفقة قال الله	گئی اس کے لئے سکنیٰ اور نفقہ ہے اللہ
تعالى لا تخرجوهن الخ۔	تعالیٰ نے فرمایا ہے لاتخرجوھن۔

اس روایت میں حضرت عمرؓ نے خبر دی ہے کہ عورت کے لئے نفقہ اور سکنیٰ ہے اور اس حدیث کے مرفوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ جب صحابیؓ نے یہ کہدیا کہ سنت یہ ہے تو وہ مرفوع ہے چہ جائیکہ حضرت عمرؓ فرمائیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ اور حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت میں تعارض ہو گیا تو حضرت عمرؓ کی روایت کو قبول کیا جائیگا کیونکہ وہ ظاہر قرآن کے بھی موافق ہے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ اور ایسا ہی اعمش نے ابراہیم سے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا اعتراض صحیحین میں ہے کہ ہشام بن عروہؓ نے اپنے والد (عروہ) سے روایت کیا ہے کہ یحیی بن سعید بن العاص نے بنت

عبد الرحمن بن الحکم سے نکاح کیا اور پھر اس کو طلاق دے دی۔ حضرت عروہ رضؓ کو یہ بہت معیوب معلوم ہوا تو انھوں نے کہا فاطمہ بنت قیس رضؓ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا (عروہ کہتے ہیں) میں یہ سن کر حضرت عائشہ رضؓ کے پاس حاضر ہوا۔ تو حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا یہ فاطمہ بنت قیس کے لئے کوئی خیر کی بات نہیں ہے

اور صحیحین میں ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عروہ رضؓ نے حضرت عائشہ رضؓ سے عرض کیا کہ ابن الحکم کی فلاں بیٹی کو اس کے شوہر نے طلاق بائنہ دے دی ہے۔ اور وہ وہاں سے چلی گئی حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا" اس نے برا کیا جو گھر سے چلی گئی" تب حضرت عائشہ رضؓ سے عرض کیا گیا کہ فاطمہ بنت قیس کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا الخ۔

اور جامع صحیح میں یہ بھی روایت ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس ایک وحشی کے مکان میں رہا کرتی تھیں۔ اس جگہ خطرہ کی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منتقل ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ اور عبد الرزاق نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت فاطمہ رضؓ بنت قیس رضؓ سے فرمایا تھا: تجھے تیری اس زبان نے نکلوایا ہے۔

اسامہ بن زید کا اعتراض

حضرت اسامہ بن زید رضؓ سے جب یہ عرض کیا گیا کہ فاطمہ بنت قیس رضؓ عدت کی حالت ہی میں گھر سے چلی گئی تھیں۔ تو حضرت اسامہ رضؓ نے کہنے والے کے وہی مارا جو ان کے ہاتھ میں تھا۔

اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے حدیث فاطمہ رضؓ کو روایت کیا ہے کہ ان سے مروان نے حدیث بیان کی ہے۔ اور مروان نے کہا۔ کہ میں نے اس روایت کو صرف ایک ہی عورت سے سُنا ہے اور سعید بن مسیب نے فرمایا ہے:۔

اس عورت کے واقعہ نے لوگوں کو مشکلات میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ زبان دراز قسم کی تھیں۔

اور سلیمان بن یسار نے کہا ہے کہ فاطمہ بنت قیس کا گھر سے نکلنا بد خلقی کی وجہ سے تھا اور ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے کہا ہے کہ فاطمہ بنت قیس کی روایت حضرت عمر رضی کی صریح روایت کے معارض ہے (جیسا کہ گزر چکا ہے) اور ابن حزم نے محلّی میں کہا ہے کہ حضرت عمر رضی کی روایت جلالت قدر کی وجہ سے مقدم رہیگی غرض کہ اس روایت میں چار خامیاں ہیں (۱) اس کی راوی ایک عورت ہے جس کے تو ابع میں سے دو شاہد نہیں ہیں۔

۲۔ یہ روایت قرآن پاک کے خلاف ہے۔

۳۔ اس عورت کا گھر سے نکلنا کسی حق کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی اخلاقی کمزوری کی وجہ سے تھا۔

۴۔ یہ روایت حضرت عمر رضی کی روایت کے معارض ہے۔

دوسرا اعتراض اس حدیث پہ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ کے خلاف ہے اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب مجمل ہے اور دوسرا مفصل ہے۔

۱۔ اگر یہ روایت قرآن کے مخالف ہے تو یہ ایک قسم کی تخصیص ہے اس لئے اس کا حکم تخصیص کا حکم ہوگا۔ جیسا کہ۔

۱۔ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِىٓ اَوْلَادِكُمْ۔ — اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے۔

اس میں کافر، غلام، قاتل کی تخصیص ہے کہ وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ — اس کے علاوہ تمہارے لئے حلال نہیں

اس حکم سے جمع بین امرأتین مثلاً دو بہنیں۔ پھوپی بھتیجی۔ خالہ بھانجی خارج ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک نے طلاق بائنہ والی کو خارج نہیں کیا نہ وہ نکل سکے اور نہ اسکو کوئی نکال سکے بلکہ یہ حکم رجعی طلاق والی اور بائنہ طلاق والی دونوں کو عام ہے۔ اسی طرح یہ حدیث کتاب اللہ کے مخالف نہیں ہے

ج۔ تیسری بات یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیس کا نکلنا صرف زبان درازی کی وجہ سے تھا، یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ عورت افضل صحابیہؓ میں سے اور مہاجرات میں سے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو حضورؐ اس سے فرما دیتے: عدت گذرنے تک زبان کو قابو میں رکھو۔

تیسرا اعتراض

تیسرا اعتراض اس روایت پر یہ بھی ہے کہ یہ حضرت عمرؓ کی روایت کے معارض ہے۔ امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ یہ بات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں ہے کہ انھوں نے فاطمہ بنت قیس کے بارے میں یہ فرمایا تھا بلکہ دار قطنی نے کہا ہے کہ سنت فاطمہ بنت قیس کے ہاتھ میں ہے۔ بلکہ اگر حضرت عمرؓ کی تین طلاق والی روایت کے بارے میں کوئی سنت ہوتی تو وہ یہ فرماتے کہ اس کے لئے بھی سکنیٰ اور نفقہ ہے۔ پھر حماد بن ابراہیم نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

لها النفقة والسکنیٰ — اس کے لئے نفقہ اور سکنیٰ ہے۔

اس لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ پر بھی جھوٹ بولا گیا ہے اور حضور پر بھی۔ پھر یہ حدیث ابراہیم کی وجہ سے متصل نہیں کیونکہ ابراہیم حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ہیں چنانچہ اس مسئلہ میں میمون بن مہران اور سعید بن مسیب میں مناظرہ ہوگیا تھا جب میمون نے حضرت فاطمہؓ کی اس حدیث کو روایت کیا تو سعید بن مسیب نے فرمایا کہ اس عورت نے تو لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ تو میمون نے کہا اگر انھوں نے حضورؐ سے یہ روایت کر دیا ہے تو اس میں فتنہ کی کیا بات ہے؟ بلکہ ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ ہے۔

اس کے علاوہ تمام فقہاء حضرات نے فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کو دلیل میں پیش کیا ہے۔ اور بعض احکام میں امام مالک اور امام شافعیؒ نے اس کو اختیار کیا ہے اور جمہور نے طلاق بائنہ والی عورت سے اسی حدیث کی وجہ سے نفقہ کو ساقط قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث سے بہت سے مسائل بیان کیے ہیں جب یہ بات ہے تو خیال فرمائیے کہ بہت سے

احکام میں تو یہ حدیث قبول ہے اور بعض میں قبول نہیں ہے تو یہ کیا بات ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ قرآن پاک میں ہے کہ

۱۔ اَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ۔	۱۔ ان کو وہاں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔
۲۔ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔	۲۔ ان کو نقصان نہ دو کہ ان کے لئے تنگی کر دو اگر وہ حمل والی ہیں تو ان پر وضع حمل تک خرچہ کرو!

یہ آیات طلاق بائنہ والی عورت کے لئے ہیں نہ کہ طلاق رجعی والی عورت کے لئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسکنوھن کی ضمیر اور اولات حمل الخ کی ضمیر کا مرجع ایک ہی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ آیت میں صرف ایک ہی ضمیر نہیں ہے بلکہ متعدد ہیں تو یہ کہا جائے گا کہ دو قسم کی ضمیریں ہیں۔ ایک قسم سے رجعیہ کی تخصیص ہوتی ہے اور دوسری قسم میں احتمال ہے کہ وہ بائنہ والی کے لئے ہیں یا رجعی والی کے لئے ہیں یا دونوں کا مفہوم ان میں داخل ہے۔

اقارب کا نفقہ ابو داؤد نے کلیب بن منفعۃ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟۔ تو آپ نے فرمایا:

اپنی ماں کے ساتھ اور اپنے باپ کے ساتھ اور اپنی بہن کے ساتھ اور اپنے بھائی کے ساتھ۔ اور اس غلام کے ساتھ جس کے تم مالک ہو۔

یہ حق واجب ہے اور صلہ رحمی ہے۔

اور صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ ماں کا نام لیا اور چوتھی مرتبہ باپ کا نام لیا پھر اقرب فالاقرب اور ایسے ہی امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابو داؤد نے حضرت عائشہؓ سے اور نسائی نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے اپنے نفس پر صدقہ کرو پھر اپنے

اہل کے لئے اور اہل سے جو بچے تو قرابداروں کے لئے اور ان سے اگر بچے تو پھر اسی طرح (یعنی عمومیت کے ساتھ)

یہ تمام احادیث ان آیات کی تفسیر ہیں:

۱- وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى-	اللہ کی عبادت کرو اور اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو۔
۲- وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ	اور دو! رشتہ داروں کو حق ان کا

اور اسی کے مثل حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا چنانچہ ایک بچے کے عصبہ کو گرفتار کیا گیا اور حکم دیا کہ وہ اس کا نفقہ برداشت کرے اور ایسے ہی زید بن ثابتؓ نے حکم دیا تھا۔ انھوں نے فرمایا۔ اگر کسی کے ماں اور چچا ہو تو ماں پر بقدر میراث نفقہ آئے گا اور چچا پر اس کے حصہ کے بقدر چنانچہ حضرات صحابہؓ میں سے کسی نے ان دونوں کی مخالفت نہیں کی۔

۳- وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ	اور وارث پر اسی کے مثل ہے۔

تمام امت کے علماء نے اس کی تفسیر یہی کی ہے۔ اور فقہاء کرام کے اس بارے میں چند اقوال ہیں:

۱- اقارب کے نفقہ پر جبر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ صلہ رحمی ہے۔ یہی شعبی کا مسلک ہے

۲- نفقہ باپ کے قریبی رشتہ داروں پر واجب ہے۔ اور خاص کر ماں پر واجب ہے اور یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے اور یہ بہت تنگ مسلک ہے۔

۳- اقارب کا نفقہ عمودی ہے یعنی حالات (تنگی اور فراخی) کے اعتبار سے واجب ہے اور اس مذہب میں زیادہ وسعت ہے۔

۴- ہر ذی رحم محرم پر نفقہ واجب ہے اور اتحاد دین کی صورت میں واجب ہے اور اختلاف دین کی صورت میں واجب نہیں ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اور اس میں امام شافعیؒ کے مذہب سے بھی زیادہ وسعت ہے

۶۹واں باب

رضاعت کے احکامات

حکم رضاعت

صحیحین میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱- ان الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ۔ — رضاعت سے وہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

آپ نے حضرت حمزہ رضؓ کی صاحبزادی کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ میرے لئے حلال نہیں ہے کیونکہ حمزہ میرے رضاعی بھائی بھی ہوتے ہیں اور فرمایا:

۲- یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب۔ — رضاعت سے وہی رشتہ حرام ہے جو نسب کی وجہ سے حرام ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے:

۳- لا تحرم المصۃ ولا المصتان — ایک دو مرتبہ چوسنا حرام نہیں کرتا

وفی روایۃ لا تحرم الاملاجۃ ولا الاملاجتان۔ — اور ایک روایت میں۔ املاجہ کا لفظ ہے یعنی پستان کو منہ میں لینا۔

اور جامع بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۴۔ انما الرضاعة من المجاعة — رضاعت تو پیٹ بھرنے سے ہے

اور جامع ترمذی میں حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے:

۵۔ لا یحرم من الرضاعة الا ما فتق الامعاء فی الثدی و کان قبل الفطام۔ — وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتیں دودھ سے بھر جائیں اور دودھ چھڑانے سے پہلے ہو۔

امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے:

۶۔ لا رضاع الا ما کان فی الحولین۔ — رضاعت دو سال کے اندر ہے۔

اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے:

۷۔ لا یحرم من الرضاع الا ما انبت اللحم و انشز العظم۔ — وہی رضاعت حرام کرتی ہے جس سے گوشت پیدا ہو اور ہڈی مضبوط ہو۔

بہرحال ان سنت شریفہ سے چند قسم کے احکامات ثابت ہیں جن میں سے بعض متفق علیہ ہیں اور بعض میں اختلاف ہے۔

پہلا حکم — حدیث اول میں جو کچھ مذکور ہے وہ حکم متفق علیہ ہے حتیٰ کہ وہ حضرات کہ جو یہ کہتے ہیں کہ کتاب اللہ پر سنت کے ذریعہ زیادتی جائز نہیں ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں اور یہ حکم ویسا ہی ہے جیسا کہ یہ حکم ہے کہ دو بہنوں اور پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع نہ کرنا چاہیے۔ اور چونکہ دودھ پلانے والی اور اس کا شوہر بچہ کے ماں باپ ہو گئے اور بچہ ان کی اولاد ہو گیا ہے اس طرح سے یہ حرمت عام ہو گئی ہے یعنی دودھ کی طرف سے بھی اور بچے کی طرف سے بھی اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے:

۱۔ یحرم من الرضاع ما یحرم — رضاعت سے وہی رشتہ حرام ہے

من النسب۔ جو نسب سے حرام ہے۔

۲۔ یحرم من الرضاع مایحرم من الولادۃ۔ نسب سے وہی حرام ہے جو ولادت کی وجہ سے حرام ہے۔

ان احادیث میں ولادۃ اور نسب کو لیا ہے حالانکہ حرمت مصاہرت سے بھی واقع ہوتی ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

ھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا و صھرا۔ وہ خدا کہ جس نے نطفہ سے انسان بنادیا پس کیا اس کا نسب اور صہر

آیت مبارک سے ثابت ہے کہ انسانوں کے درمیان علاقہ اور نسبت دو وجہ سے قائم ہوتی ہے یعنی ولادت سے اور صہارت سے اور یہ دونوں سبب حرمت ہیں اور ایسے ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی مومنین کے لئے حرام ہیں لیکن اس جگہ حرمت سے مراد محرمیت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کی طرف کسی کو دیکھنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

فاسئلوھن من وراء حجاب۔ ان سے پردہ کے پیچھے سے پوچھو!

لیکن امہات المومنین سے جو حرمت کا حکم ہے وہ حکم ان کے اقارب کی طرف متعدی نہ ہوگا جیسا کہ رضاعت اور نسب میں متعدی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی (امہات المومنین) کی لڑکیاں مومنین کے لئے بہن کے درجہ میں نہیں ہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے حلال ہیں اس پر تمام مسلمین کا اتفاق ہے۔ چنانچہ ام الفضل حضرت میمونہ کی بہن حضرت عباس کے نکاح میں تھیں۔ اور حضرت اسماء، حضرت عائشہ رض کی بہن حضرت زبیر رض کے نکاح میں تھیں۔ اور اسی طرح محرمات میں سے بیٹے کی بیوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وحلائل ابنائکم الذین اور بیویاں تمہارے بیٹوں کی جو تمہارے

مِنْ اَصْلَابِکُمْ۔ نطفہ سے ہیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ابن کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے رضاعی بیٹا مراد نہیں ہوتا ہے لیکن آیت میں صلب کی قید سے متبنی کو خارج کیا ہے اس لئے رضاعی بیٹا اس سے خارج نہیں ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہلہ بنت سہیل کو حکم دیا کہ وہ سالم مولی ابی حذیفہ کو دودھ پلائیں تاکہ وہ اس کا محرم ہو جائے۔

دوسرا حکم دوسرا حکم جو سنت شریفہ سے ماخوذ ہے وہ یہ کہ دودھ کی نسبت مرد سے بھی ہے اسلئے حرمت جس طرح عورت (دودھ پلانے والی) سے متعلق ہے ایسے ہی اس کے شوہر سے بھی متعلق ہے اور یہی حق ہے۔ اس میں اگر کسی نے اختلاف کیا ہے تو وہ قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ سنت شریفہ ہی اتباع کے لائق ہے اس کے علاوہ کو ترک کر دیا جائے گا وہ خواہ کسی بھی شخص کا قول ہو۔

جن حضرات نے مرد کے بارے میں دودھ کے اس تعلق کو حرام نہیں قرار دیا ہے وہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جن محرمات کو بیان کیا ہے ان میں دودھ کی نسبت دودھ پلانے والی عورت سے ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

۱- وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ۔ اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے۔

اس میں لام عہد کیلئے ہے جس سے رضاعت مذکورہ مراد ہے۔ یعنی ماں کی رضاعت اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

۲- وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ اور ان کے علاوہ تمہارے لئے حلال ہے۔

ان آیات کے پیش نظر حرمت کو اگر حدیث سے ثابت کیا جائے تو اس سے کتاب اللہ کا

نسخ لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ:

" رضاعت عورت کی جانب سے ہوتی ہے

مرد کی جانب سے نہیں ہوتی۔"

اس کے مقابلہ میں جمہور علماء کرام نے فرمایا ہے کہ سنت صریحہ کتاب اللہ کے خلاف نہیں بلکہ آپ لوگوں کی فہم کا قصور ہے کیونکہ۔ قرآن پاک کی آیت سے دو چیزیں ثابت ہیں مثلاً رضاعی بہن حرام ہے یا نہیں۔ بالغرض اگر وہ نص سے حرام نہیں ہے تو سنت شریف نے آیت مبارکہ "اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ" میں تخصیص پیدا کی ہے اور یہ عام میں تخصیص ہے نہ کہ نسخ اس لئے سنت سے جو تحریم ثابت ہے وہ تحریم جدید ہے جو نص کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے مذکورہ آیت کا حکم اخت رضاعی کو بھی شامل ہے اس لئے وہ بھی حرام ہے۔ کیونکہ اخوات لفظ قرآن پاک میں۔ اخت نسبی اور اخت رضاعی دونوں کو شامل ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افلح کے بارے میں فرمایا تھا۔

ائذنی لافلح فانه عمك۔ — افلح کو اجازت دے دو وہ تمہارے چچا ہوتے ہیں۔

چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کی نسبت سے افلح کیلئے چچا ہونا ثابت کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سنت شریفہ کتاب اللہ کی مراد کو بیان کرتی ہے اس کی مخالف نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کی طرف جو نسبت کر دی ہے وہ بھی دعویٰ باطل ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا اعتبار کیا ہے چنانچہ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ ایک آدمی کے دو عورتیں تھیں۔ ایک نے ایک لڑکی کو دودھ پلا دیا اور دوسری نے لڑکے کو دودھ

پلادیا۔ کیا ان دونوں بچوں کا آپس میں نکاح جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا نہیں۔ کیونکہ یہ ایک ہی دودھ شمار ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی حضرت عائشہ رضؓ کا فتویٰ ہے۔

اس حکم میں یہ بھی دلالت ہے کہ جس طرح دودھ کی نسبت سے مرد میں حرمت کا لحاظ رکھا گیا ہے اسی طرح سے زنا سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی بلکہ یہ حرمت اس سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ جو جزئیت اور بعضیت دودھ سے پیدا ہوتی ہے وہی جزئیت اور بعضیت (بلکہ زیادہ قوی) نطفہ سے پیدا ہوئی ہے۔ یہی قول جمہور مسلمین کا ہے۔ اور کوئی صحابی رضؓ ایسا نہیں ہے کہ جس نے اس کو مباح قرار دیا ہو بلکہ امام احمد نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ جو زنا سے پیدا شدہ لڑکی سے نکاح کرے اس کو قتل کر دیا جائے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ۔ ایک دو گھونٹ حرام نہیں ہیں جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ولا یحرم الا خمس رضعات۔ پانچ گھونٹ سے کم حرام نہیں۔

یہ وہ مقام ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے اسلاف اور اخلاف کی ایک بڑی جماعت نے قلیل رضاعت (تھوڑے دودھ) اور کثیر دودھ کو باعث حرمت قرار دیا ہے اور یہی حضرت علی، حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے اور یہی قول سعید بن مسیب۔ حسن۔ قتادہ۔ حماد۔ اوزاعی۔ ثوری کا ہے اور یہی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ اور لیث بن سعد نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے۔

دوسری جماعت نے کہا ہے کہ تین گھونٹ سے کم میں رضاعت ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہی قول ابو ثور۔ ابی عبیدؒ، ابن المنذر۔ داؤد بن علی کا ہے۔ اور یہی دوسری روایت امام

احمد سے بھی ہے۔ اور ایک تیسری جماعت نے کہا ہے کہ پانچ گھونٹ سے کم میں رضاعت نہیں — اور یہی ابن مسعودؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ عطا۔ طاؤس سے مروی ہے اور یہی تین روایتوں میں سے ایک روایت حضرت عائشہؓ کی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت یہ ہے کہ سات گھونٹ سے کم میں رضاعت نہیں ہے اور ان کی تیسری روایت یہ ہے کہ دس گھونٹ سے کم میں رضاعت نہیں ہے۔ اور پانچ والا قول امام شافعیؒ اور امام احمد کا ہے اور یہی قول ابن حزم کا ہے۔ پہلی جماعت کی دلیل یہ ہے

یحرم من الرضاع ما یحرم — رضاعت سے وہی رشتہ حرام ہے

من النسب۔ — جو نسب سے حرام ہے۔

یہ قلیل وکثیر سب کو شامل ہے اور یہی قرآن پاک کے اطلاق کے موافق ہے۔ چنانچہ صحیحین میں عقبہ بن الحارث کی روایت ہے کہ انھوں نے اُم یحیی بنت ابی حاب سے نکاح کیا اسی اثنا میں ایک حبشی باندی آئی اور اس نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ یہ واقعہ حضور کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؐ نے یہ دریافت کیا تو نے کیوں دودھ پلایا اور یہ دریافت نہیں کیا کہ کتنا دودھ پلایا۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اس حرمت میں قلیل اور کثیر دونوں برابر ہیں جیسا کہ وطی کا معاملہ ہے کیونکہ گوشت اور ہڈیوں کی نشو ونما میں بہر حال قلیل سے بھی مدد حاصل ہوتی ہے اس کے علاوہ جن لوگوں نے تعداد کی قید لگائی ہے ان کا آپس میں تعداد کے بارے میں اختلاف ہے اس لئے مضطرب اور مختلف فیہ چیز کو دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

اور جن حضرات نے تین گھونٹ کی قید لگائی ہے انھوں نے مذکورۃ الصدر حدیث کو دلیل میں پیش کیا ہے۔ اور مسلم شریف نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ کیا ایک دفعہ دودھ چینے سے حرمت واقع ہو جائے گی آپؐ نے فرمایا نہیں ا۔ یہ حدیث

صحیح ہے اور صریح ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے عموم آیت کے تحت تین گھونٹ کے لئے حرمت کو ثابت کر دیا گیا ہے۔

جن حضرات نے پانچ گھونٹ کی قید لگائی ہے انھوں نے بھی مذکورۃ الصدر حدیث کو دلیل میں پیش کیا ہے۔ اور روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی حکم تھا اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ احکامات میں سب سے زیادہ عالم ہیں۔ اور اس مسئلہ میں دو ضعیف مذہب اور بھی ہیں ایک مذہب سات کے بارے میں ہے اور دوسرا مذہب دس کے بارے میں ہے۔ اور ان کا ضعف ظاہر ہے۔

چوتھا حکم | چوتھا حکم مدت رضاعت کے بارے میں ہے۔ اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعی۔ امام احمد۔ امام ابویوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ مدت دو سال ہے۔ اس کے بعد نہیں یہی قول۔ حضرت عمرؓ۔ ابن مسعودؓ۔ ابوہریرہؓ۔ ابن عباس۔ اور ابن عمروؓ کا ہے اور ایسا ہی سعید بن مسیب وغیرہ تابعین نے روایت کیا ہے۔

دوسری جماعت نے کہا ہے کہ دودھ چھڑانے سے قبل جو رضاعت بھی ہوگی وہ باعث حرمت ہے۔ اور امام اوزاعی نے فرمایا ہے۔ اگر سال بھر میں ہی دودھ چھڑا دیا پھر دو سال کے اندر اندر دودھ پلا دیا تو وہ باعث حرمت نہیں ہے۔

ایک تیسری جماعت نے کہا ہے کہ بچپن میں جو بھی رضاعت ہوگی وہ باعث حرمت ہے اس کے لیے کوئی مدت نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ مدت رضاعت تیس مہینہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی ایک دوسری روایت امام ابو یوسف کے قول کے مطابق ہے۔ امام مالک دو سال اور اس کے آس پاس کو حرام قرار دیتے ہیں اس کے بعد نہیں۔ اور اس میں بھی چند دنوں کا اعتبار ہے زیادہ کا نہیں زیادہ سے زیادہ ایک یا دو مہینے کا۔ اور بعض نے ان سے تین مہینے بھی روایت کیا ہے چنانچہ

انھوں نے فرمایا ہے :-

اگر کسی بچہ کا دودھ دو سال سے پہلے چھڑا دیا اور وہ بچہ دودھ سے مستغنی تھا۔ اس کے بعد اگر اس بچہ کو دودھ پلا دیا تو یہ باعث حرمت نہیں ہے۔

اور اہل کوفہ کی ایک جماعت نے مدت رضاعت تین سال مقرر کی ہے اور عمر بن عبدالعزیز نے سات سال کی عمر تک اجازت دی ہے۔ اور اسلاف اور اخلاف کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اگر بوڑھا بھی دودھ پی لے تو وہ بھی باعث حرمت ہے۔

ابن شہاب نے روایت کی ہے کہ مجھے عروہ بن زبیرؓ نے خبر دی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہلہ بنت سہیل سے فرمایا کہ وہ سالم کو دودھ پلا دے۔ چنانچہ انھوں نے دودھ پلا دیا اور وہ سالم کو اپنا بیٹا ہی سمجھا کرتی تھیں۔ اسی کو حضرت عائشہؓ نے اختیار کیا چنانچہ وہ اپنی بہن ام کلثوم کو فرمایا کرتی تھیں کہ وہ فلاں کو دودھ پلا دیں تاکہ وہ شخص ان کا محرم ہو جائے۔

اور عبدالرزاق نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ عطا بن ابی رباح سے ایک آدمی نے کہا کہ مجھے ایک عورت نے دودھ پلا دیا حالانکہ میں بڑا تھا۔ کیا میں اس سے نکاح کر سکتا ہوں؟ عطا نے فرمایا۔ اس سے نکاح نہ کر۔ میں نے عرض کیا۔ کیا یہ آپ کی رائے ہے؟ فرمایا ہاں یہ میری رائے ہے اور حضرت عائشہؓ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے ایسا ہی حضرت علیؓ سے مروی ہے اور اسی بنا پر ابن حزم نے کہا ہے :-

ورضاع الکبیر ولو انہ	بڑے کو دودھ پلانا اگرچہ وہ بوڑھا
شیخ یحرم کما یحرم	ہو حرام کر دیتا ہے جیسا کہ بچہ کو
رضاع الصغیر۔	دودھ پلانا۔

دو سال کا حکم جن حضرات نے دو سال مدت رضاعت مقرر کی ہے ان کی دلیل ہے وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو

اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔ [1]	دو سال پورے۔ اس کے لئے ہے جو پورا کرنا چاہے رضاعت کو۔

اس کے دو سال کے بعد حرمت نہیں ہوگی۔ یہی دودھ پینے کی مدت ہے اور اسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اور یہی پستان کا زمانہ کہلاتا ہے اور یہی اہل عرب کا لغت معروف ہے اور ایسا ہی حدیث سے ثابت ہے :

ان ابراھیم مات فی الثدی وان لہ مرضعا فی الجنۃ تتم رضاعہ۔	ابراہیم کی شیر خوارگی میں وفات ہوئی اس کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی ہے جو اس کی رضاعت پوری کرائے گی۔

اور یہی معنی اس حدیث کے ہیں :

لا رضاع الا ما فتق الامعاء۔	رضاع وہی ہے جس سے آنتیں بھر جائیں۔

شیخ کبیر میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے۔ اور اس سے بھی زیادہ صراحت حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ہوتی ہے :

لا رضاع الا ما کان فی حولین۔	رضاعت دو سال کے اندر ہی ہے۔

اور یہی معنی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے ہیں۔ اور اگر رضاع کبیر سے حرمت ثابت ہو جاتی تو جس وقت حضرت عائشہؓ کے رضاعی بھائی ان سے ملنے گئے تو حضور کو ناگوار ہوا

[1] امام ابو حنیفہؒ کا مستدل یہ ہے۔ وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔ اس کے حمل اور دودھ کا زمانہ تیس مہینے ہے۔ اس میں ادنیٰ مدت حمل چھ مہینے نکالنے کے بعد مدت رضاعت دو سال باقی رہ جاتی ہے (ہدایہ)

معلوم ہوا کہ حرمت ثابت نہیں ہوئی ورنہ حضور گو ناگوار نہ ہوتا اس لئے حضرت سہلہ کی حدیث کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ واقعہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ کا ہے کیونکہ یہ واقعہ اس آیت کے بعد پیش آیا تھا۔

اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ۔ ان کو ان کے باپ کے نام سے پکارو!

یہ آیت ابتداء ہجرت میں نازل ہوئی تھی۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی روایات کا یہ حال ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ خیبر کے زمانہ میں مسلمان ہوئے اور ابن عباسؓ فتح مکہ سے قبل مدینہ منورہ آئے اور سالم کا قصہ ان سے پہلے پیش آچکا تھا۔

بوڑھے کی رضاعت

جو حضرات رضاع کبیر کو بھی باعث تحریم قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہلہ اور سالم کا واقعہ صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ سالم مولیٰ ابی حذیفہ بڑے تھے ان کے ڈاڑھی تھی۔ اور مذکورہ آیت مبارکہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ وہ قید واجبی ہے اس سے بعد کی رضاعت کی نفی نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک میں موجود ہے۔

وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ۔ تمہاری وہ مائیں جنھوں نے دودھ پلایا ہے۔

اس میں حولین کی قید نہیں ہے۔ اور رضاع کبیر کے سلسلہ میں احادیث متواتر ہیں اور ان کو ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بہت سے تابعین نے روایت کیا ہے اس لئے اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ یہ حضرت سالم کے لئے تخصیص تھی جیسا کہ بعض ازواج مطہرات نے روایت کیا ہے:۔

ما نرى هذا الا خاصا لسالم وما ندري لعله رخص لسالم۔ ہم اس کو سالم ہی کے لئے خاص جانتے ہیں اور نہیں معلوم کہ یہ سالم کے لئے رخصت تھی۔

لیکن یہ ظن ہے جو سنت کے معارض نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔	گمان حق کے بارے میں کفایت نہیں کرسکتا۔

اور حضرت سہلہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا۔ میں اس بوڑھے کو کیسے دودھ پلا سکتی ہوں؟۔ یہ مذکورہ آیات کے لئے بیان ہے جو ہجرت والی آیت کے بعد پیش آیا تھا۔ اور اگر حضرت سالم کے لئے تخصیص ہوتی تو حضورؐ فرما دیتے کہ یہ سالم کے بعد کسی لئے جائز نہیں ہے۔ اور حدیث شریف:

انما الرضاعة من المجاعة۔	رضاعت پیٹ بھرنے پر ہے۔

اس میں بڑے آدمی کے دودھ پینے کے لئے دلیل ہے۔ کیونکہ بڑے کا دودھ پینا اس کی بھوک کے لئے کفایت کرتا ہے۔ اور حدیث سہلہ بنت سہیل نہ منسوخ ہے۔ نہ عام ہے نہ وہ تخصیص کے لئے ہے بلکہ ضرورت کے وقت اس میں رخصت ہے۔ اس لئے وہ بچہ کی رضاعت کے لئے اثر انداز نہیں یہی علامہ ابن تیمیہ کا مسلک ہے (یعنی بچہ کی مدت رضاعت پر اس حدیث سے کوئی اثر نہیں پڑتا)

⁂ ⁂ ⁂

۷۰ واں باب

عدّت اور اس کے احکامات

اقسامِ عدّت

قرآن پاک میں جن عدتوں کا تذکرہ ہے وہ چار قسم کی ہیں۔ حاملہ عورت کی عدت خواہ وہ مطلقہ رجعیہ ہو یا بائنہ ہو یا عدت وفات ہو یہ عدت تمام قسم کی تفریق کی عدت کو شامل ہے:۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

اسی آیت سے جمہور صحابہؓ نے استدلال کیا ہے کہ وہ حاملہ عورت جس کا شوہر وفات پاگیا ہو اس کی عدت بھی وضع حمل ہے۔ اگرچہ اس کا شوہر ابھی غسل کے تختہ پر لٹایا گیا ہے اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور ایسا ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سبیعہ اسلمیہ عورت کو فتویٰ دیا تھا۔

۲۔ عدت کی دوسری قسم طلاق والی عورت کی عدت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اَلْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۔ مطلقہ عورتیں روکے رہیں اپنے کو تین حیض۔

۳۔ تیسری قسم کی عدت اس عورت کی ہے جس کو حیض نہ آتا ہو خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ یا آئسہ ہو ان دونوں عدتوں کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے:۔

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ۔

جو عورتیں حیض سے مایوس ہو جائیں تمہاری عورتوں میں سے۔ اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔

۴ چوتھی عدت بیوہ عورت کی عدت ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

جو آدمی تم میں سے مرجائیں اور بیویاں چھوڑیں۔ تو وہ چار مہینے دس دن رکی رہیں۔

کتاب اللہ میں یہ چار عدتیں واضح طور پر مذکور ہیں لیکن ان کی مراد میں علماء کرام میں اختلاف ہوا ہے۔

اختلافات فقہاء

اسلاف کا سب سے پہلا اختلاف تو اس بارے میں یہ ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو اور اس کے شوہر کی وفات ہو جائے تو حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور صحابہ کی ایک جماعت نے یہ فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں جو مدت سب سے زیادہ ہو اس کو اختیار کیا جائے گا یہی ایک قول امام مالکؒ کا ہے ایک مرتبہ اس مسئلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباس کا مناظرہ ہو گیا تھا حضرت ابو ہریرہ نے وضع حمل کو فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ دونوں میں سے جو مدت زیادہ ہو۔ جب یہ معاملہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس پہونچا تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ کے موافق فیصلہ فرمایا اور انہوں نے حدیث سبیعہ سے استدلال کیا تھا کہا گیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور جمہور صحابہ اور تابعینؒ اور ان کے بعد ائمہ اربعہ نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ اس عورت کی عدت وضع حمل ہے اگرچہ اس کا شوہر ابھی غسل کے تختہ پہ لیٹا ہو۔ اور جمہور علماء نے اس کے بارے میں فرمایا ہے۔

۱۔ صحیحین میں ہے کہ سبیعہ اسلمیہ کے شوہر کا جب انتقال ہوا تو وہ حاملہ تھیں جب وضع حمل ہوا تو انھوں نے نکاح کرنا چاہا تو ابو سنابل نے اس سے کہا کہ آپ نکاح نہیں

کر سکتیں جب تک کہ دوسری عدت بھی نہ گذر جائے۔ سبیعہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: ابو سنابل نے غلط کہا ہے تو جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

ب۔ یہ آیت مبارکہ:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ — حمل والی کی مدت وضع حمل ہے۔

اس دوسری آیت کے بعد نازل ہوئی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ — جو تم میں سے مر جائیں اور بیویاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن رکی رہیں۔

متاخرین علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ دوسری آیت نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے بھی سورۂ طلاق والی آیت (واولات الاحمال) کا نزول بعد میں قرار دیا ہے۔

ج۔ اور وضع حمل والی آیت میں اس پر بھی دلالت ہے کہ اگر کسی کے دو بچے توام (ایک ساتھ) پیدا ہوں تو اس وقت تک عدت پوری نہ ہوگی جب تک مکمل وضع حمل نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ بچہ زندہ ہو یا مردہ ناقص ہو یا کامل ہر طرح وضع حمل سے عدت پوری ہو جائے گی۔

د۔ اور چار مہینے والی آیت میں دلالت ہے کہ اگر کسی کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو یہ مدت گذرتے ہی عدت پوری ہو جائے گی یہ تو جمہور علماء کا قول ہے لیکن امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی عورت کی عادت ہو کہ اس کو سال میں صرف ایک ہی بار حیض آتا تھا تو اس کی عدت اس وقت تک پوری نہ ہوگی کہ جب تک اس کو ایک حیض نہ آجائے اور اگر حیض نہ آئے تو اس کو یوم وفات سے نو مہینے پورا کرنا ہوں گے۔ اور امام مالکؒ کی دوسری روایت جمہور کے مطابق ہے۔

قروء سے مراد کیا ہے

اس میں اختلاف ہے کہ قروء سے مراد حیض ہے یا طہر ہے۔ اکابر صحابہ نے فرمایا ہے کہ اس سے حیض مراد ہے یہی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعود اور بہت سے صحابہؓ اور بہت سے تابعینؒ نے فرمایا ہے اور یہی ائمہ حدیث نے فرمایا ہے۔ اور اسی کی طرف امام احمدؒ نے بعد میں رجوع کر لیا تھا۔ اور یہی امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کا مذہب ہے۔

دوسری جماعت نے کہا ہے کہ اقراء سے مراد طہر ہے۔ یہ حضرت عائشہؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے۔ ابن ابان۔ امام شافعیؒ ——— امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے۔

اور مصنف میں عبدالرزاق نے روایت کیا ہے :۔

لا تبین حتی تغتسل من الحیضة الثالثة و تحل لها الصلوٰة۔	عورت کو طلاق بائنہ اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک وہ تیسرے حیض کا غسل نہ کرے اور اس کے لئے نماز حلال نہ ہو جائے۔

اس طرح اس سے زیادہ صحابہ نے قروء سے مراد حیض لیا ہے۔ لیکن جن حضرات نے طہر مراد لیا ہے ان کا بھی دو جگہ اختلاف ہے۔

ا۔ طہر سے پہلے دم ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

ب۔ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو تیسرا حیض شروع ہو تو کیا شروع ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی یا نہیں۔ ان دونوں کے بارے میں امام احمدؒ امام شافعیؒ کے دو دو قول ہیں۔

ج۔ اس بارے میں ایک تیسرا اختلاف یہ بھی ہے کہ اگر عورت کو عادت کے مطابق حیض آیا ہے تو تیسرا حیض آتے ہی عدت پوری ہو جائے گی۔ اور اگر عادت مقررہ نہیں تھی تو پھر جب تک

ایک دن رات نہ گذر جائے اس وقت تک عدت پوری نہ ہوگی پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ تیسرا دم عدت میں محسوب ہوگا یا نہیں۔ اسی اختلاف پر رجعت کا فائدہ مرتب ہوگا۔

قروء سے مراد حیض

جن حضرات نے قروء سے مراد حیض لیا ہے انھوں نے چند طرح پر دلیل بیان کی ہے:۔

یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ۔ روکے رہیں اپنے کو تین حیض

اس میں یا تو طہر ہی مراد لیا جائے یا حیض ہی مراد لیا جائے۔ یا دونوں کا مجموعہ مراد لیا جائے اور یہ تیسری صورت محال ہے۔ اس لئے لفظ مشترک کے ۲ دو معنی میں سے اگر ایک کو ترجیح ہو جائے تو وہی مراد لینا بہتر ہے اور اس آیت میں قروء سے مراد حیض لینا زیادہ بہتر ہے۔

ا۔ کیونکہ اگر طہر مراد لیا جائے تو پھر معتدہ کو ۲ دو قروء اور بعض تیسرا کافی ہے اس طرح اس پر تیسرے کا اطلاق مجازاً ہو جائے گا۔ لیکن یہ بعید از قیاس ہے کیونکہ ثلاثہ عدد مخصوص ہے

ب۔ لفظ قروء۔ حیض کے معنی میں مراد لینا۔ طہر کے معنی سے زیادہ ظاہر ہے۔

اور علامہ جوہری نے کہا ہے کہ القراء۔ فتح کے ساتھ حیض ہے اس کی جمع اقراء اور قروء آئی ہے۔ اور حدیث شریف میں بھی ہے: لاصلوٰۃ ایام اقرائکِ اور قرء کے معنی طہر کے بھی ہیں اور یہ لفظ ایسا ہے جو اضداد کو مشتمل ہے:

اور ابوعبید نے کہا ہے کہ اقراء کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی ہیں اور ابن فارس نے کہا ہے کہ قراء اوقات طہر کو کہتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے:۔

اقرأت المرأۃ۔ عورت حیض سے خارج ہو گئی۔

ج۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کلام شارع علیہ السلام میں قراء کا لفظ صرف حیض ہی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک ہی جگہ پر حیض اور طہر دونوں کے معنی میں استعمال ہوا ہو۔ اور اس کی تائید قرآن پاک کی آیت سے بھی ہوتی ہے:۔

۱- وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ - عورتوں کیلئے حلال نہیں کہ وہ چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحم میں پیدا کیا ہے۔

اور اس سے مراد حیض ہے اور عام مفسرین نے اس جگہ حمل مراد لیا ہے درحقیقت رحم میں جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ حیض ہی ہے۔ لیکن اس جگہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ یہاں طہر مراد ہے۔

۲- وَالّٰٓـئِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـئِيْ لَمْ يَحِضْنَ - جو عورتیں حیض سے مایوس ہو جائیں تمہاری عورتوں میں سے اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو۔

ان آیات میں ہر مہینہ کو ایک حیض کے مقابل قرار دیا ہے اور عدم حیض پر حکم معلق کیا ہے نہ کہ عدم طہر پر۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے:-

طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتھا حیضتان - باندی کی دو طلاق اور اس کی عدت دو حیض۔

اس کو ابو داؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

طلاق الامۃ ثنتان وعدتھا حیضتان - باندی کی دو طلاق اور اس کی عدت دو حیض۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔

ان تعتد ثلاث حیض - تین حیض عدت کے گذار!

لیکن اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک طہر ہے حیض نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ راوی نے ان کی روایت کو بیان کیا ہے رائے کو نہیں۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کو امر فرمایا تھا کہ وہ اپنی عدت حیض سے پوری کرے

اور ترمذی نے بھی اس کو ایسے ہی روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

قروء سے مراد طہر ہے

جن حضرات نے قروء سے مراد طہر لیا ہے انھوں نے دو طرح پر کلام کیا ہے اس کا پہلا جزو تو دلائل پر مبنی ہے اور دوسرا جزو فریق مخالف کے دلائل کا جواب ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔	اے نبی جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے لئے طلاق دو۔

اس آیت میں لام۔ وقت کے لئے یعنی وقت عدت جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں لام وقت کے لئے ہے:

۱- وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیَامَةِ۔	اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو قائم کریں گے
۲- اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ۔	نماز قائم کر سورج کے مائل ہونے کے وقت۔

اور مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے:

فتلك العدة التی امر اللّٰه ان تطلق لها النساء.	یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ نے حکم عورتوں کے لئے دیا ہے کہ اس کے لئے عورتوں کو طلاق دی جائے۔

یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ اس جگہ عدت سے مراد طہر ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ۔	مطلقہ عورتیں اپنے کو تین حیض روکے رہیں۔

اسی آیت میں قروء سے مراد طہر ہے چنانچہ عروہؓ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا

هل تدرون ما الاقراء الاقراء الطهر۔ جانتے ہو اقراء کیا ہے؟ اقراء طہر ہے۔

اسی وجہ سے حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے:۔

یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اقراء سے مراد طہر ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے اور عورتیں اپنے معاملات سے زیادہ واقف ہوتی ہیں۔

اور اس کی اعشیٰ کے قول سے بھی تائید ہوتی ہے وہ کہتے ہیں۔

افی کل عام انت جاشم غزوۃ یشد لاقصاھا عزیم عزائکا

مورثۃ مالا وفی الحی رفعۃ لما ضاع فیھا من قروء نسائکا

اس بیت میں قروء سے مراد طہر ہے۔

۲ - کلام کا دوسرا جزء جس میں فریق مخالف کے دلائل کا جواب دیا گیا ہے یہ ہے:۔

آیت مبارکہ والمطلقات الخ اور یاایھا النبی الخ کی تفسیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت عدت کی تفسیر طہر سے کی ہے اس لئے اب اس پر مزید کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے علاوہ ازیں اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے قول کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ وہ عورت بھی ہیں اور امت کی سب سے بڑی عالمہ ہیں۔ اور انہوں نے اقراء سے مراد طہر لیا ہے۔

ب۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ ثلاثۃ عدد خاص ہے اور وہ تین پر بولا جاتا ہے اور تین سے کم پر جمع کا لفظ نہیں بولا جاتا یہ بھی قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

الحج اشھر معلومات حج کے مہینے معلوم ہیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ وہ مہینے شوال۔ ذوقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں کہ جن پر اشہر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

ج۔ علامہ جوہری کی بات سے بھی استدلال کامل نہیں ہوتا کیونکہ امام شافعی امام لغت بھی ہیں اور ائمہ میں سے بھی ہیں انھوں نے قروء سے مراد طہر لیا ہے۔ اور ابو عبیدہ نے بھی

یہی کہا ہے کہ قروء، طہر کے معنی کے لئے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ اور اس آیت سے بھی استدلال تام نہیں ہے:

وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ۔ — عورتوں کے لئے حلال نہیں کہ وہ چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحم میں پیدا کیا ہے۔

اس آیت میں دو ہی چیزیں مراد لی ہیں۔ حیض اور حمل لیکن چھپانے کی حرمت سے یہ دلالت واضح نہیں ہے کہ قروء جو آیت مذکورہ میں ہے وہ بھی حیض ہے۔ کیونکہ اگر طہر مراد لیا جائے تو تیسرے یا چوتھے حیض کے شروع ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں اگر عورت نفقہ وغیرہ کے لالچ سے اس کو چھپائے تو وہ حرام ہے اسی سے ثابت ہوا کہ قروء سے مراد طہر ہے نہ کہ حیض۔

د۔ اور یہ دلیل کہ مذکورہ آیت میں تین مہینوں کو تین حیض کے مقابل مقرر کیا گیا ہے۔ اس سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قروء سے مراد حیض ہے بلکہ اس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ آئسہ ہونے کی علامت عدم حیض ہے۔ اس لئے اس کو عدت مہینوں سے شمار کرنی چاہیئے۔

س۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے بھی استدلال تام نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے غریب قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں مظاہر ہیں جو مجہول ہیں۔ ان کی صرف یہی ایک روایت ہے، دوسرے اس میں ابو حاتم رازی ہیں وہ بھی ضعیف ہیں۔ ان کو یحیی بن معین اور ابو عاصم نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اگر ان کو غیر مجروح بھی تسلیم کر لیا جائے تو دارقطنی نے قاسم سے روایت کیا ہے کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا تم نے حضورؐ سے سنا ہے تو انھوں نے صاف کہدیا میں نے یہ حضورؐ سے نہیں سنا۔

ص۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے بھی استدلال تام نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عطیہ عوفی ہیں ان کو بہت سے ائمہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بلاشک و شبہ حضرت ابن عمرؓ سے جو چیز ثابت ہے وہ یہ ہے کہ اقراء سے مراد طہر ہے کیونکہ ان کا اور حضرت عائشہؓ

کا مذہب طہر ہی کے بارے میں ہے۔

ط۔ اور یہ دلیل کہ قرار، جمع سے مشتق ہے اور حیض زمانہ طہر میں جمع ہوتا رہتا ہے اس کے بھی چند جوابات ہیں۔

۱۔ جو لفظ جمع سے مشتق ہے وہ معتل یائی ہے جیسے قضی یقضی اور اس جگہ مہموز ہے اور اسی سے قریۃ ماخوذ ہے۔ قریۃ النمل چیونٹیوں کا گھر جس میں وہ جمع ہوتی ہیں اور مہموز والا باب اس کے معنی ظہور اور خروج کے ہیں۔ اسی سے قراۃ القرآن ماخوذ ہے

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ ہمارے اوپر اس کا جمع کرنا اور بیان کرنا ہے۔

اس آیت کے معنی میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ قرآنہ کے معنی بیانہ ہیں اور اسی قبیل سے:

فلان یقرئ علیک السلام۔ فلاں آدمی تیرے اوپر سلام ظاہر کرتا ہے۔

ایسے ہی بولا جاتا ہے۔

قرأت المرأۃ حیضۃ۔ عورت نے اپنا حیض ظاہر کر دیا۔

۲۔ اس جگہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دیگر صحابہؓ کا مسلک یہ ہے کہ قراء کے معنی حیض کے ہیں۔ یہ دراصل ایسا قول ہے کہ جس میں فقہ بہت ہے کیونکہ جب عورت کا حیض منقطع ہو جاتا ہے تو وہ بعض وجہ سے طاہرہ ہوتی ہے اور بعض وجہ سے حائضہ ہوتی ہے جن وجوہات سے وہ حائضہ ہوتی ہے وہ زیادہ ہیں اور جن وجوہ سے وہ طاہر ہوتی ہے وہ کم ہیں۔ وہ عورت صحت صوم، وجوب صلوٰۃ کے بارے میں تو طاہرہ کے حکم میں ہے اور قراءۃ قرآن۔ مسجد میں جانا۔ طواف کرنا، حرمت وطی حرمت طلاق کے بارے میں وہ حائضہ کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے اکابر صحابہؓ اور خلفاء راشدین نے اس عورت سے نکاح کے بارے میں احتیاط سے کام لیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جب تک وہ یقیناً حیض سے خارج

نہ ہو جائے اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے۔

۳۔ اعشٰی کے قول کا ہم انکار نہیں کرتے ہیں لیکن قروء طہر کے معنی میں بھی آتا ہے۔

مذکورہ دلائل کا جواب مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہے کہ قروء سے مراد طہر ہے۔ ان دلائل کے جوابات سطور ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جمع کا اطلاق تین سے کم پر بھی ہوا ہے۔ یہ دلیل ناقص ہے کیونکہ فریق اول کی دلیل میں ثلاثۃ گنتی ہے نہ کہ جمع ہے اور یہ لفظ خاص ہے۔ کتاب اللہ میں بہت جگہ گنتی مذکور ہے وہ گنتیاں کسی طرح بھی منصوص گنتی سے کم پر اطلاق نہیں ہوئی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

۱۔ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللّٰهِ۔	۱۔ مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں۔
۲۔ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا۔	۲۔ اور ٹھہرے وہ اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ نو سال۔
۳۔ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔	۳۔ روزے تین دن کے حج کے دنوں میں اور سات روزے جب تم لوٹو۔ یہ دس دن پورے ہیں۔
۴۔ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ۔	۴۔ مسخر کر دیا اس پر سات رات اور آٹھ دن۔

ایسے ہی ثلاثۃ قروء عدد ہے جمع کا صیغہ نہیں ہے کہ جس میں کمی کا احتمال ہو اس لئے الحج اشہر سے استدلال درست نہیں ہے۔ بالفرض۔ اگر جمع کا اطلاق تین سے کم پر بھی ہوتا ہے تو یہ مجاز ہے حقیقۃً نہیں ہے کیونکہ میراث کے مسائل میں دو پر بھی جمع کا حکم دیا گیا ہے علاوہ ازیں اس جگہ قروء جمع کثرت ہے اگر اقراء جمع قلت ہوتا تو یہ احتمال کسی حد تک درست تھا۔

۲۔ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صغیرہ کی عدت تین مہینے کامل ہیں اور یہ تین مہینے حیض کا بدل ہیں اس لئے وہ بھی کامل ہوں گے ۔

۳۔ اگر کسی چار سالہ لڑکی کو خون آجائے تو اس کو قرء ضرور کہیں گے لیکن اس کے باوجود وہ لڑکی ذات الاقراء نہیں کہی جائے گی نہ عرفاً اور نہ شرعاً اور نہ لغتہً۔

۴۔ سنن میں حدیث شریف ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دم کے بارے میں شکایت کی تو اس سے حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔

انما ذلک عرق فانظری	یہ ایک قسم کا عرق ہے دیکھ جب تجھے حیض
فاذا جاء قرءک فلا تصلی	آئے تو نماز نہ پڑھنا اور جب تیرا حیض
واذا مرّ قرءک فتطہری	گذر جائے پس تو پاک ہو جائے تو پھر نماز
ثم صلی ما بین القرء	پڑھ اس درمیان میں جو تیرے دونوں
الی القرء۔	حیضوں کے درمیان وقت ہے۔

اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس میں چار جگہ قرء آیا ہے جس کے معنی طہر کے نہیں ہیں بلکہ حیض کے ہیں۔ اور اس حدیث کو حفاظ کی ایک جماعت نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابو ملیکہ نے روایت کیا ہے کہ میری خالہ فاطمہ بنت ابی حبیش حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں دوزخ میں نہ چلی جاؤں کیونکہ مجھ سے ایک سال دو سال کی نماز چھوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضورؐ کے آنے تک انتظار کرو، جب حضورؐ آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یہ فاطمہ ہیں ایسا ایسا کہتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس سے یہ کہو:۔

فلتدع الصلوٰۃ فی کل	ہر مہینہ حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ
شہر ایام قرئھا۔	دیا کرے۔

حاکم نے کہا ہے یہ حدیث صحیح ہے (اور یہ حدیث چند طرق سے اور بھی مروی ہے)

۵۔ ہماری یہ دلیل کہ ہم نے مہینہ کو حیض کا بدل قرار دیا ہے اپنی جگہ درست ہے کیونکہ آیت مبارکہ ہے۔

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ۔ — تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو جائیں۔

اس آیت میں عدم حیض ہی آئسہ ہونے کے لئے بدل ہے۔ اور اسی کا مہینہ بدل ہے۔ نہ کہ طہر کا بدل ہے۔ اور یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے۔

۶۔ حضرت عائشہؓ کی حدیث کو معلول قرار دینا اس وقت درست ہوتا کہ اگر ہم طلاق کو عورت کی جانب سے تسلیم کر لیتے ہیں ہم طلاق کا اعتبار مرد کی جانب سے کرتے ہیں چنانچہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

طلاق العبد تطلیقتین — غلام کی طلاق دو ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:۔

قرء الامۃ حیضتان۔ — اور باندی کا قروء دو حیض ہیں۔

اس طرح حدیث اعتراض سے پاک وسالم ہے اور اس پر تنقید کی گنجائش نہیں ہے۔

آزاد اور باندی کی عدت جن حضرات نے عدد ثلاث (تین) کی عمومیت سے استدلال کیا ہے ان کے نزدیک آزاد اور باندی دونوں کی عدت برابر ہے یہی ابن حزم نے کہا ہے ان کا استدلال۔ ثلاثۃ قروء اور عدت وفات میں اربعۃ اشہر وعشراً اور فعدتھن ثلاثۃ اشھر آیات سے ہے اور حمل کی صورت میں وضع حمل ہے۔ اس باب میں اللہ تعالیٰ نے حرۃ اور امۃ میں کوئی فرق نہیں کیا ہے

و یہی ابن سیرین نے کہا ہے اور مکحول نے فرمایا ہے:۔

عدۃ الامۃ فی کل شیء کعدۃ الحرۃ۔ — ہر چیز میں باندی کی عدت آزاد کی عدت کی طرح ہے۔

لیکن جمہور علماء اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ باندی کی عدت نصف ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے اور ایسا ہی امام مالک نے نافع سے روایت کیا ہے :۔

عدۃ الامۃ حیضتان وعدۃ الحرۃ ثلاث حیض۔	باندی کی عدت دو حیض اور آزاد کی عدت تین حیض۔

اور یہی حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے۔ اور اسی پر تمام مسلمانوں کا عمل رہا ہے۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی یہی فرمایا ہے :۔

عدۃ الامۃ حیضتان۔	باندی کی عدت دو حیض ہے۔

قاسم نے کہا ہے کہ باوجودیکہ اس بارے میں نہ تو کتاب میں کچھ ہے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ ہے لیکن ہم نے مسلمانوں کا عمل اسی پر دیکھا ہے۔ اور چونکہ یہ بات اصحاب ظواہر کے خلاف تھی اس وجہ سے انھوں نے اس پر تنقید کی ہے۔ اور انھوں نے فرمایا ہے کہ یہ بات حضرت ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں ہے بلکہ ابراہیم نخعی نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کر دیا ہے حالانکہ انھوں نے ابن مسعودؓ سے نہیں سنا لیکن ان حضرات کا یہ اعتراض کمزور ہے کیونکہ ابراہیم اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان جو شیوخ ہیں وہ ثقہ ہیں اس لئے ابراہیم کی روایت ابن مسعودؓ سے ایسی ہی ہے جیسا کہ ابن مسیب کی حضرت عمرؓ سے امام مالک کی ابن عمرؓ سے کیونکہ ان کے درمیان جو واسطے ہیں وہ معتبر ہیں اور ثقہ ہیں۔ اس کو بھی رہنے دیجئے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت نے بھی یہی فرمایا ہے۔ یہ حضرات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ واقف ہیں اور اگر حضرات تابعین کے اقوال کو جمع کر لیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ یہ سب حضرات عدت امۃ کے بارے میں نصف کے ہی قائل ہیں۔ جہاں تک آیات کے سیاق کو دیکھا جائے وہ صرف آزاد عورتوں کے بارے میں ہے باندیوں کے بارے میں نہیں چنانچہ آیت مبارکہ :۔

والمطلقات یتربصن بانفسہن	مطلقہ عورتیں روکے رہیں اپنے کو

(الی قولہ) فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (الی قولہ) پس نہیں حرج ان دونوں پر

فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔ جو فدیہ دے عورت۔

کو پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ حکم آزاد عورتوں کے بارے میں ہے۔ کیونکہ باندی کی طرف سے فدیہ سید دیتا ہے نہ کہ باندی پر۔ ایسے ہی عدت وفات ہیں۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ جو لوگ تم میں سے مرجائیں (الی قولہ)

(الی قولہ) فِيمَا فَعَلْنَ فِي وہ جو کچھ اپنے بارے میں دستور کے

أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ مطابق کریں۔

یہ بھی آزاد عورت کے لئے ہے کیونکہ باندی کو اپنے نفس کا حق حاصل ہی نہیں ہے۔ یہ تو عدت اصلیہ کا حال ہے اور عدت عَدَدْ اسی کی فرع ہے اور بدل ہے۔ عدت وضع حمل میں دونوں برابر ہیں۔

اسلاف اور اخلاف میں سے آزاد اور باندی کی عدت میں برابری کے بارے میں صرف ابن سیرین اور مکحول ہی تنہا ہیں۔ ابن سیرین کا یہ عالم ہے کہ وہ بھی جزم کے ساتھ نہیں کہتے ہیں اور مکحول نے اپنے قول کی سند ہی ذکر نہیں کی ہے۔ انھیں سے امام احمد نے حکایت کر دیا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اجماع صحابہؓ اور جمہور امت کا مسلک یہ ہے جو حضرت عمرؓ سے صحیح سند سے ثابت ہے۔

کہ جو باندی بالغ نہ ہوئی ہو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

اور یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ مجاہد۔ حسن۔ ربیعہ۔ لیث۔ زہری نے فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مہینے آئسہ اور صغیرہ کے حق میں بدل ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن حضرات نے یہ فرمایا ہے ان حضرات نے باندی کی عدت کے نصف پر فتویٰ دیا ہے۔

ب۔ دوسرا قول اس باب میں یہ ہے کہ باندی کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہے۔ اس کو اثرم اور میمونی نے روایت کیا ہے اور یہی قول حضرت علیؓ کا ہے۔ اور یہی سعید بن مسیب اور ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے۔ اور شریعت میں اس کی مثال بھی موجود ہے مثلاً۔

محرم جزائے صید کے بارے میں اگر آدھا مد خرچ کرنا نہ چاہے تو اس کو اس آدھے مُد کے بدلے پورے ایک دن کا روزہ رکھنا ہوگا۔

ج۔ تیسرا قول یہ ہے کہ باندی کی عدت بھی تین مہینے پورے ہیں۔ یہی امام شافعیؒ سے ایک روایت ہے لیکن یہ بات استبراء رحم کے سلسلہ میں ہے۔ اور اس باب میں باندی اور آزاد دونوں برابر ہیں کیونکہ نطفہ چالیس دن میں علقہ ہوتا ہے پھر علقہ چالیس دن میں مضغہ ہوتا ہے۔ اس تیسرے مرحلہ پر حمل ظاہر ہو جاتا ہے۔

عدت آئسہ جس عورت کو حیض آنا بند ہو گیا ہو اس کی عدت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ	تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے
مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ	مایوس ہو جائیں۔ اگر تمہیں شک ہو
فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ۔	تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔

لیکن سن ایاست کے بارے میں بہت اختلاف اور اضطراب ہے۔ بعض نے پچاس سال حد مقرر کی ہے یہی ایک قول امام احمد کا ہے اور ان کا مستدل حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔

اذا بلغت خمسين سنة	جب عورت پچاس سال کی ہو جائے
خرجت من حد الحيض۔	تو وہ حیض کی حد سے خارج ہو جاتی ہے۔

اور بعض حضرات نے ساٹھ سال حد مقرر کی ہے۔ یہ امام احمد کی دوسری روایت ہے انھوں نے عرب اور غیر عرب عورتوں میں یہ حد مقرر کی ہے۔ عرب عورتوں کے لئے ساٹھ سال اور عجمی عورتوں کے لئے پچاس سال۔ اور تیسرا قول ساٹھ اور پچاس کے درمیان کا بھی ہے۔ امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی نص منقول نہیں ہے انھوں نے عورت کے اقارب کا لحاظ رکھا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ سن ایاس کی کوئی حد نہیں۔ مختلف عورتوں میں مختلف حد ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ عورت کے پچاس سال کے بعد بچہ پیدا نہیں ہوتا البتہ عربیہ عورت کے پچاس سال کے بعد بھی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا سن ایاس ساٹھ سال ہے اور قرشیہ عورت کے ساٹھ سال میں بھی بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بعض حضرات نے پچاس اور چالیس سال سے پہلے بھی سن ایاس کو تسلیم کیا ہے۔ بہرحال حد کچھ بھی مقرر ہو آئسہ عورت کی عدت وہ ہے جو نص قرآن سے ثابت ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا ارشاد ظاہر قرآن کے موافق ہے انھوں نے فرمایا ہے۔

جس عورت کو طلاق دی گئی اس کو ایک یا دو حیض آکر بند ہو گئے اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کیوں بند ہوئے اس کو ۹ ماہ انتظار کرنے کے بعد تین مہینے عدت کے گذارنا چاہیئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

۱- وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ۔	اور قواعد ان عورتوں کے جواب نکاح کی خواہش مند نہیں ان پر کوئی گناہ نہیں کہ اتار دیں اپنے کپڑے اتنے کہ زینت ظاہر نہ ہو۔

اور رجا (امید) ضد ایاس (ناامیدی) کا نام ہے۔ اور عورتوں کے بارے میں قاعدہ ہے کہ ان کو اس وقت رغبت باقی نہیں رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

۲- وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا۔	وہی ذات جس نے مایوسی کے بعد پانی اتارا

قنوط (ناامیدی) ایاس ہی کے مشابہ ہے قنوط کی حالت میں ابھی یقیناً نہیں معلوم ہوتا کہ بارش ہوگی

۳- حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا	جب رسول ناامید ہو گئے اور خیال کرنے لگے کہ وہ جھوٹے ثابت ہوں گے تو ان کے

جَاءَهُمْ نَصْرُنَا۔ | پاس ہماری مدد آئی۔

اس میں بھی دلیل ہے کہ ایاس رسولوں کے قلوب میں بھی آجاتا ہے چنانچہ قصہ نوح علیہ السلام میں مذکور ہے:۔

۴۔ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔ | اور نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں جتنے مومن ہو چکے ان کے علاوہ ایمان نہ لائیں گے۔ پس ان کے عمل سے مایوس نہ ہو۔

۵۔ فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا۔ | جب وہ مایوس ہو گئے تو علیحدہ ہو گئے سرگوشی کے لئے۔

ان آیات سے یہ بات ظاہر ہے کہ یاس میں یقین باقی نہیں رہتا ہے۔ بہرحال اسی بارے میں لغات کی بہت سی مثالیں ہیں ہمارے شیخ نے فرمایا ہے کہ اس بارے میں عورتوں کے متعلق کوئی عادت مستمرہ نہیں ہے اور کتاب اور سنت میں اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیۃ مبارکہ میں۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ (اگر تمہیں شک ہو) فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا وَاِنِ ارْتَبْنَ (ان کو شک ہو۔ اور اہل تفسیر کی ایک جماعت نے یہی فرمایا ہے۔ ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔

حضور سے صحابہؓ نے عرض کیا مدینہ منورہ میں عورتوں کی عدت کے بارے میں لوگ وہ باتیں کہتے ہیں جو کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہیں۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اور ابن جریر نے روایت کیا ہے جب سورۂ بقرہ کی آیات نازل ہوئیں تو مدینہ منورہ میں ان صغیرہ اور کبیرہ عورتوں کے بارے میں اختلاف ہوا تو اس کے بعد سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی وَاللَّائِي الخ

عدتِ وفات عدت وفات موت کی وجہ سے واجب ہوتی ہے خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور قرآن پاک اور احادیث کی عمومیت اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور اسی پر بھی اتفاق ہے

کہ دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے۔ دو جگہ اختلاف ہے۔ ایک تو مہر مثل کے واجب ہونے پر اگر کوئی مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ امام ابو حنیفہ مہر مثل کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اور امام مالک اور امام شافعیؒ مہر مثل واجب قرار نہیں دیتے۔ اور مہر مثل کے وجوب پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بھی ہے۔

۲۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ موت کی وجہ سے ربیبہ کی حرمت ثابت ہو جائے گی یا نہیں جیسا کہ دخول کی وجہ سے ربیبہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور اس میں صحابہؓ کے دو قول ہیں۔

عدت وفات کیوں مقرر ہوئی ہے اس کی حکمت کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ برات رحم کی وجہ سے عدت مقرر ہوئی ہے۔ اور اس بارے میں بہت سے دلائل ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا حکم ہے جس کے بارے میں کوئی وجہ معقول نہیں ہے مگر یہ بات خود غیر معقول ہے کیونکہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے کہ جس کی وجہ معقول نہ ہو۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ رعایت حق زوجین کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے۔ اور ہمارے شیخ نے فرمایا ہے:-

ان عدۃ الوفاۃ ھی حرم	وفات کی عدت یہ حرم ہے نکاح کے ختم ہونے
لانقضاء النکاح ورعایۃ لحق الزوج۔	کا اور رعایت ہے حق زوج کی۔

اسی وجہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج آپؐ کے بعد حرام ہیں یا یہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اور زمانہ جاہلیت کا یہ طریقہ تھا کہ سال بھر تک یہ عدت رہتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس میں تخفیف فرمادی اور چار مہینے دس دن مقرر کر دیئے۔ جب سعید بن مسیب سے عرض کیا گیا کہ دس دن کے اضافہ میں کیا حکمت ہے فرمایا۔ ان دس دنوں میں نفخ روح ہوتا ہے اس طرح اس عدت میں برآت رحم کامل طور پر واضح ہو جاتی ہے۔

عدت طلاق

عدت طلاق صحبت کے بعد واجب ہو جاتی ہے۔ یہ بھی واجب ہے۔ اس میں حق زوج حق ولد۔ اور اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ حق زوج تو رجعت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور حق اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ اس نے قرآن پاک میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔ حق ولد اثبات نسب کے بارے میں

تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ بچہ کس کا ہے۔ اور عورت کا حق اس میں وجوب نفقہ ہے، اور یہ بات کہ عدت حق زوج ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے:

۱۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا۔

ایمان والو! جب مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو طلاق دو چھونے سے پہلے تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں ہے۔

اسی آیت میں "فما لکم" الخ میں دلیل ہے کہ عورت پر مرد کے لئے عدت واجب ہے۔

۲۔ وَبُعُوْلَتُھُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِیْ ذٰلِکَ۔

اس بارے میں ان کے شوہر واپسی کے زیادہ حق دار ہیں۔

اس سے بھی ثابت ہے کہ عدت شوہر کا حق ہے، لیکن یہ عدت جو حق شوہر یا حق طہر یا حق زوجہ کے لئے ہے اس کی مدت تین قروء یا تین مہینے ہیں تاکہ اس عرصہ میں شوہر اپنے فیصلہ پر غور کرے کہ وہ عورت کو چھوڑ دے یا واپس لے لے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ۔

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پہونچ جائیں تو ان کو کسی کے ساتھ نکاح کے لئے لٹکائے نہ رکھو جب وہ آپس میں دستور کے مطابق راضی ہو لیں۔

اسی آیت میں بلوغ اجل سے مراد مدت کا گذر جانا ہے اور مندرجہ ذیل آیت میں

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔

جب ان کی مدت گذر جائے تو ان کو دستور کے مطابق روک سکتے ہو۔

اس جگہ قریب ہونا مراد ہے یعنی پہلی آیت میں مدت کا ختم ہو جانا مراد ہے اور دوسری آیت میں مدت کا قدرے باقی رہنا مراد ہے۔ یعنی تیسرے حیض کا ختم ہو جانا یا تیسرے حیض کا شروع ہونا

مراد ہے (اس جگہ علامہ نے مسئلہ طلاق اور عدت کی تمام ابحاث کا اعادہ۔ کیا ہے۔

عدت رجعی اور بائن

اور طلاق رجعی کی عدت مرد کے لئے ہوتی ہے۔ عورت کے لئے اس میں نفقہ اور سکنیٰ ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے لیکن کیا یہ سکنیٰ مثل زوجہ کے ہے کہ شوہر جہاں چاہے منتقل کردے؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت نہ تو خود جاسکتی ہے اور نہ اس کو منتقل کیا جاسکتا ہے اور پہلا قول امام شافعیؒ کا ہے بائنہ والی کے لئے سکنیٰ نہیں ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کے لئے فرمایا تھا۔

عدت کے اندر رجعت کا معاملہ۔ کیا یہ حق زوج ہے کہ اگر وہ چاہے تو اس کو ساقط کردے یا اس میں حق اللہ ہے؟ اور اگر زوجین عدت میں خلع پر راضی ہوجائیں، تو اس میں طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی۔ پہلا مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ لیکن صواب یہ ہے کہ رجعت حق اللہ تعالیٰ ہے۔ زوجین کو حق نہیں ہے کہ اس کو ساقط کردیں۔ اور خاوند کو حق نہیں ہے کہ طلاق بائنہ واقع کردے اگرچہ زوجہ بھی اس پر راضی ہوجائے جیسا کہ زوج کو حق نہیں ہے کہ وہ بلا عوض کے آپس کی رضامندی سے نکاح فسخ کرلیں۔

خلع میں عدت

خلع والی عورت کی عدت ایک حیض ہے اور اسی کو ہمارے شیخ نے اختیار کیا ہے۔ اور اس بارے میں ہم سند کے ساتھ احادیث ذکر کریں گے۔ امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے اپنی عورت کو مارا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو بلایا اور فرمایا کہ اس کو چھوڑ دے۔ انھوں نے چھوڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا۔

۱- يتربص بحيضة واحدة وتلحق باهلها۔ — وہ ایک حیض ٹھہری رہے۔ اور اس کے بعد اپنے رشتہ داروں میں چلی جائے۔

۲- اختلعت من زوجي ثم جئت عثمان فسألت ماذا علي من العدة — ۲. میں نے اپنے زوج سے خلع کیا پھر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے

قال لا عدة عليك الا ان یکون حدیث عهد بك فتمکثین حتی تحیضین حیضة۔

دریافت کیا۔ میرے اوپر کتنی عدت ہے فرمایا کچھ عدت نہیں یہاں تک کہ شروع کے حیض تک رکی رہے۔

اور ابوداؤد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول صلعم نے ثابت بن قیس رض کی عورت کو ایک حیض کی عدت گذارنے کا حکم فرمایا۔ اور اسی سند سے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور چونکہ منشاء عدت برائت رحم ہے اور وہ ایک حیض سے ہوجاتا ہے اس لئے ایک حیض کافی ہے۔

بیوہ کی عدت

بیوہ عورت اسی گھر میں عدت گذارے گی جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے۔ اور طلاق بائنہ والی عورت جہاں چاہے وہاں عدت گذار سکتی ہے۔ سنن میں حدیث ہے کہ ابوسعید خدری رض کی بہن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دریافت کیا کہ۔ کیا میں بنی خدرہ میں جاسکتی ہوں کیونکہ میرا شوہر اپنے چند غلاموں کی تلاش میں گیا تھا اس کو دشمنوں نے قتل کردیا ہے۔ اور انھوں نے کوئی مملوکہ مکان نہیں چھوڑا ہے اور نہ نفقہ چھوڑا ہے۔ حضور نے فرمایا ہاں جاسکتی ہو۔ میں ابھی حجرۂ شریفہ یا مسجد ہی میں تھی کہ آپ نے مجھے پھر بلایا اور فرمایا کیا واقعہ ہے میں نے پھر تمام واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا۔

امکثی فی بیتك حتی یبلغ الکتاب اجله۔ فاعتددت فیه اربعة اشهر وعشرا۔

اپنے گھر رکی رہو یہاں تک کہ کتاب اللہ کی مدت پوری ہوجائے۔ کہا۔ چنانچہ میں نے وہیں چار مہینے دس دن کی عدت پوری کی۔

ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور ابن عبدالبر نے کہا ہے حدیث معروف ہے اور مشہور ہے اور ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں زینب رض ہے اور وہ مجہول ہے اس سے صرف سعید بن اسحٰق ہی نے روایت کیا ہے۔ اور وہ عدالت کے ساتھ مشہور نہیں ہیں۔ لیکن اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں ذکر کیا ہے۔ اور زینب کو مجہول کہنا غلط ہے وہ

تابعہ میں اور ابن حبان نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور امام احمد نے بھی ....اس کو اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ اور دوسرے ثقہ حضرات نے بھی ان سے روایت کیا ہے اور کسی نے بھی ان کے بارے میں ایک حرف طعن کا نہیں کہا ہے۔ اور یحیی بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور نسائی اور دار قطنی نے بھی ثقہ ہی قرار دیا ہے۔

بیوہ کی عدت کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد کے لوگوں میں اختلاف ہے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیوہ کو عدت میں باہر جانے کی اجازت دے دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جب حضرت طلحہ بن عبید اللہ کی شہادت واقع ہوئی تو وہ اپنی بہن ام کلثوم کو لے کر مکہ معظمہ عمرہ کے لئے گئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کو چار مہینے دس دن عدت گذارنے کو فرمایا ہے۔ اس کے لئے قید نہیں ہے وہ جہاں چاہے عدت گذار سکتی ہے۔ اور ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اس کو بھی عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ اور طاؤس اور عطا نے فرمایا ہے عدت بائنہ والی اور بیوہ عورت حج کو بھی جا سکتی ہیں اور عمرہ کو بھی جا سکتی ہیں اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے۔

اور وہب بن منبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ایک عورت کے شوہر کا ایک شہر میں انتقال ہو گیا۔ کیا وہ اسی شہر میں عدت گذارے یا اپنے گھر آ جائے؟ یہ مذہب اہل ظاہر کا ہے اور ان کے نزدیک دو دلیلیں ہیں۔ ایک تو وہ قول جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اور دوسری یہ آیت دلیل ہے۔

فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ	اگر وہ نکلیں تو تمہارے اوپر گناہ نہیں
عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ ۔	وہ جو کچھ کریں۔

حضرت عطا نے فرمایا ہے آیت میراث نازل ہونیکے بعد سکنیٰ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اسلئے عورت جہاں چاہے عدت گذار سکتی ہے۔

دوسری جماعت نے کہا ہے اور اس جماعت میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعین داخل ہیں انھوں نے

فرمایا ہے جس جگہ شوہر کا انتقال ہوا ہے اسی منزل میں عورت عدت گذارے گی۔ چنانچہ ابن مسیب نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے چند عورتوں کو (جو حج کے لئے یا عمرہ کے لئے آئی تھیں) ذو الحلیفہ سے واپس کردیا تھا۔ اور ایسا ہی عبد الرزاق نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے روایت کیا ہے۔ اور نافع نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی بیٹی عدت وفات گذار رہی تھیں وہ دن میں آکر ان سے حدیث بیان کرتیں اور رات کو اپنے گھر چلی جاتی تھیں۔ اور عبد الرزاق نے حضرت ابن مسعودؓ کا ایسا ہی فتویٰ ہمدان کی عورتوں کے بارے میں روایت کیا ہے، اور ابو عوانہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا کہ میرا باپ بیمار ہے اور میں عدت وفات میں ہوں کیا میں ان کی تیمارداری کر سکتی ہوں۔ فرمایا ہاں لیکن رات اپنے گھر میں گذارنا۔ اور جب شعبی سے اس مسئلہ میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا حضرت ابن مسعودؓ کے اکثر شاگرد اس مسئلہ میں بہت شدت اختیار کرتے تھے اور وہ گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اور ایسے ہی حضرت علیؓ حضرت جابرؓ سے مختلف حضرات نے روایت کیا ہے۔ اور سعید بن مسیب نے یہ بھی روایت کیا ہے۔

وہ عورت اگر دن میں باہر چلی جائے اور رات کو اپنے گھر میں آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی قول امام احمد۔ امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔ اور یہی علمائے حجاز۔ شام۔ عراق اور مصر نے فرمایا ہے۔ اور ان کی دلیل حدیث فریعہ بنت مالک ہے اس کو حضرت عثمانؓ نے بھی قبول کیا ہے اور اس کے مطابق حضرات مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں فتویٰ دیا ہے اور کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اور ہم اس مسئلہ میں اختلاف کا انکار نہیں کرتے ہیں لیکن اس اختلاف کا فیصلہ سنت شریفہ کرے گی علامہ ابن عبد البر نے فرمایا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو حق وہی ہے جو سنت کے موافق ہو چنانچہ اہل عزیمت حضرات نے ابن عمرؓ کا قول اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں وہ گھر میں رہنا عورت پر واجب ہے جب کہ وارثوں نے بھی اس کی اجازت دے دی ہو اور عورت

کے لئے اس گھر میں کوئی نقصان بھی نہ ہو۔ اور اگر وارث اس سے کرایہ طلب کریں تو عورت کے لئے وہاں سے تبدیل ہونا جائز ہے۔

اس کے بعد یہ اختلاف ہے کہ اگر تبدیلی چاہے تو کیا وہ قریبی منزل میں جائے یا جہاں چاہے جا سکتی ہے؟ اس میں بھی دو قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ وہ منتقل ہو جائے کیونکہ عورت پر فعل سکنیٰ واجب ہے نہ کہ اس کا کرایہ ادا کرنا۔ یہ قول امام احمد اور امام شافعی کا ہے۔ اور اگر یہ عورت حاملہ ہے تو اس میں بھی دو روایتیں ہیں ایک تو یہی اور دوسری یہ ہے کہ مال وارث میں سے اس کا حق سکنیٰ ہے وہ منتقل نہ ہوگی بلکہ وارث اس کا کرایہ ادا کریں گے۔ اور اگر وہ ادا نہ کریں تو حاکم جبراً ادا کرائے گا۔ اور عورت کے لئے منتقل ہونا جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اسی سکنیٰ سے حق اللہ تعالیٰ متعلق ہے۔ اور اس کو کوئی باطل نہیں کر سکتا بخلاف سکنیٰ نکاح کے کہ وہ حق زوجین ہے۔ اور یہی حکم سکنیٰ طلاق رجعی کا ہے۔

تیسری روایت یہ ہے کہ بیوہ کے لئے ہر حال میں سکنیٰ ہے۔ اس طرح امام شافعی اور امام احمد کے مذہب کی تین روایتیں ہوئیں۔ اور یہی امام مالک کا مذہب ہے۔ اگرچہ وہ مکان شوہر کے قرضہ میں بیچا جاچکا ہو تب بھی وہ عدت تک وہیں رہے گی۔

حنفیہ حضرات فرماتے ہیں کہ مطلقہ رجعیہ اور بائنہ کے لئے نہ دن میں نکلنا جائز اور نہ رات میں نکلنا جائز البتہ بیوہ عورت دن میں اور رات کا کچھ حصہ گھر سے باہر گذار سکتی ہے لیکن شب باشی اپنے ہی گھر کرے گی۔ فرق یہ ہے کہ مطلقہ کے لئے نفقہ مال زوج سے ہوتا ہے اور بیوہ کے لئے کوئی نفقہ نہیں ہوتا اس کو اپنی ضرورت کے لئے گھر سے جانا ناگزیر ہے۔

بہر حال یہ تمام مذاہب کا خلاصہ ہے اور اس بارے میں ہر ایک مذہب کا ماخذ حدیث فریعہ بنت مالک۔ حدیث فاطمہ بنت قیس اور آیت گذر چکی ہیں۔ حدیث فریعہ بنت مالک پر بعض حضرات نے احتمال قائم کیا ہے کہ بہت سے حضرات صحابہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غزوہ احد۔ غزوہ بیر معونہ۔ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے اور ان کے بعد ان کی

بیوہ ڈی نے عدت گذاریں اگر کوئی عورت اس وقت اس گھر میں ہی رہی جہاں رہتے ہوئے انتقال ہوا تھا تو یہ ایک ایسی بات تھی جو عام اور مشہور ہوتی چہ جائیکہ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر مخفی رہے۔ اور اگر یہ طریقہ سنت جاریہ کے طور پر تھا تو پھر حضرت فریعہ بنت مالک رضی اللہ عنہا کو اجازت کی ضرورت پیش نہ آتی۔

دوسرے حضرات نے اس احتمال کے رد میں کہا ہے۔ کہ اس سے سنت صحیحہ اور صریحہ کا رد لازم نہیں آتا جب کہ اس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ اور بہت سے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے قبول کیا اور اگر عورتوں کی روایت نہ قبول کی جائے تو بہت سی احادیث متروک ہو جائیں گی۔ پھر کتاب اللہ سے بھی وجوب منزل ثابت نہیں ہے بلکہ کتاب اللہ اس سے خاموش ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ام المومنین نے حدیث فریعہ بنت مالک کو ترک کر دیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ حدیث ان کو نہ پہونچی ہو۔ اور اگر پہونچی ہو تو ممکن ہے کہ انہوں نے اس کی کوئی تاویل کر لی ہو اور عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ:۔

غزوہ احد میں بہت سے آدمی شہید ہوئے۔ ان کی عورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا حضور ہمیں وحشت نے آگھیرا ہے کیا ہم اپنے رشتہ داروں کے یہاں رات گذار سکتی ہیں آپ نے فرمایا دن میں تو جہاں چاہے رہو لیکن جب نیند کا وقت ہو جائے تو اپنے گھر واپس آجاؤ۔

یہ مرسل ہے ممکن ہے مجاہد نے اس کو ثقہ تابعی سے سنا ہو یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے سنا ہو اور تابعین بھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے وہ بھی خیر القرون کے دوسرے دور سے ہیں اور انہوں نے بھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے ان سے جھوٹی روایت کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ بخلاف تابعین کے علاوہ مراسیل کے۔ ان کا یہ حکم نہیں ہے۔ کیونکہ بعد میں مراسیل کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رہے۔

کیفیات عدت بیوہ

صحیحین میں ہے زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں ابو سفیان کی وفات کے بعد ام حبیبہ کے پاس گئی انہوں نے خوشبو طلب فرمائی

اس میں کچھ زردی بھی تھی۔ اس کو انھوں نے استعمال کیا (اپنے جسم پر ملا) پھر فرمایا قسم خدا کی مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

لا یحل لامرأة تؤمن باللہ	مسلمان عورت کے لئے حلال نہیں کہ
والیوم الآخر تحد علی میت	وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ
فوق ثلاث الا علی زوج اربعة	سوگواری کرے مگر اپنے زوج کے لئے
اشھر و عشراً۔	چاہیے چار مہینے دس دن۔

اور یہی زینبؓ نے، زینب بنت جحش سے روایت کیا ہے اور ام سلمہؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک عورت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور عرض کیا کہ میری بیٹی کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے کیا وہ سرمہ لگا سکتی ہے۔ آپؐ نے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ یا تین مرتبہ یہی فرمایا "نہیں" پھر فرمایا۔

عدت چار مہینے دس دن ہے تم عورتیں زمانہ جاہلیت میں سال بعد تک اونٹ کی مینگنیاں اٹھایا کرتی تھیں۔

زینبؓ نے کہا کہ جب کسی کا شوہر مرجاتا تو وہ (عدت کے لئے) بری جگہ میں داخل کر دی جاتی اور بدترین لباس پہن لیتی تھی۔ کوئی خوشبو استعمال نہیں کر سکتی تھی اسی طرح سال گذر جاتا تھا سال ختم ہونے پر ایک گدھا لایا جاتا یا کوئی بکری یا پرندہ اور وہ اس کے جسم سے متصل کر دیا جاتا اور وہ فوراً ہی مرجاتا تا۔ اس کے بعد اس کی عدت ختم ہو جاتی تھی۔ اور ام عطیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگواری نہ کرے مگر شوہر کے لئے چار مہینے دس دن ہیں۔ اس میں وہ نہ رنگا ہوا کپڑا پہنے۔ نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے۔

اور ام سلمہؓ کی روایت میں اس قدر اور ہے:۔

اور نہ خضاب لگائے۔

اور حضرت ام سلمہؓ سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا عورت سرمہ لگا سکتی ہے تو فرمایا:۔

نہیں اگر کوئی مجبوری ہو تو اجازت ہے رات میں لگائے اور دن کو صاف کر دے۔

اور ام سلمہؓ نے روایت کیا ہے کہ جس وقت ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو حضورؐ تشریف لائے میں اس وقت "صبر" لگا رہی تھی۔ آپؐ نے دریافت کیا یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ صبر ہے اور اس میں خوشبو ہے آپؐ نے فرمایا۔

یہ چہرہ کو جوان بناتا ہے اس کو دن میں نہ لگاؤ۔ رات کو لگاؤ تو دن کو اتار دو اور نہ خوشبو کی کنگھی کرو اور نہ مہندی لگاؤ یہ بھی خضاب ہے میں نے عرض کیا پھر کیا کروں فرمایا سر کو ڈھکے رہو۔

ان تمام احادیث سے متعدد احکام ثابت ہیں۔

۱۔ سوگواری شوہر کے علاوہ دوسرے کے لئے تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے۔

۲۔ سوگواری شوہر کے لئے واجب ہے اور دوسرے کے لئے جائز ہے۔ اور شوہر کے لئے سوگواری کے وجوب پر امت کا اجماع ہے۔ اس میں صرف امام حسن۔ حکم بن عُیینہ نے اختلاف کیا ہے حضرت حسنؒ نے فرمایا ہے کہ تین طلاق والی اور بیوہ عورت سرمہ لگا سکتی ہے۔ اور کنگھی بھی کر سکتی ہے اور خوشبو بھی لگا سکتی ہے اور منتقل بھی ہو سکتی ہے اور حکم نے شعبہ سے روایت کیا ہے کہ سوگواری (احداد) کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب جعفرؓ کا انتقال ہوا تو آپؐ ان کے گھر تشریف لے گئے اور بیوہ سے فرمایا۔ جب تین دن گذر جائیں تو جو چاہے لباس پہننا اور دوسری سند سے یہ مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"پاکی اختیار کرو اور سرمہ لگاؤ!"

یہ حدیث۔ احداد والی احادیث کو منسوخ کرتی ہے کیونکہ یہ ارشاد بعد کا ہے۔ لیکن علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کی وجہ سے ان احادیث کو رد نہیں کیا جا سکتا جس کے راوی ماہرین حدیث ہیں۔

اس مسئلہ میں دوسری بات یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ سوگواری کا تعلق گنتی کے مہینوں کے ساتھ ہے لیکن حاملہ کا حکم یہ نہیں ہے۔ وضع حمل ہوتے ہی اس کی عدت اور احداد دونوں ختم ہو جاتے ہیں اور ہر چیز کے استعمال کی اس کو اجازت ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اگر مدت حمل زیادہ ہو جائے، تو کیا حکم ہے، جواب یہ ہے کہ اس کا وجوب اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

۳۔ احداد (سوگواری) کے معاملہ میں صغیرہ کبیرہ۔ آزاد۔ غلام۔ مسلم۔ کافر سب عورتیں برابر ہیں۔ یہی قول جمہور اور امام شافعی۔ امام مالکؒ کا ہے صرف اشہب اور ابن نافع اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ ذمیہ عورت پر احداد نہیں ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے اور صغیرہ بھی اس سے خارج ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ احداد صرف مومنہ پر مقرر کی ہے۔ کافرہ اس کی مکلف نہیں ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ مومنین سے کسی فعل کی حالت کی نفی اس کی متقاضی نہیں ہے کہ کافروں سے بھی اس کی نفی ہے۔ اور یہی معاملہ اثبات حکم کا ہے۔ مثلاً سونے کا زیور مسلمانوں کے لئے حلال نہیں ہے، یہ دلیل نہیں ہے کہ سونا غیروں کے لئے بھی حلال نہیں ہے، شریعت کے تمام حلال وحرام کا تعلق اصل ایمان سے ہے۔ اور جو لوگ ایمان سے خالی ہیں وہ اس کے مکلف نہیں ہیں

۴۔ احداد باندی اور ام ولد پر لازم نہیں ہے۔ ———— ابن منذر نے کہا ہے کہ مجھے اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہے۔ اور مطلقہ بائنہ کے لئے احداد ہے یہی ابن مسیب۔ ابو عبید، ابو ثور۔ ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا مذہب ہے اور یہی ایک روایت امام احمدؒ کی ہے۔

خصائل عدت

عدت کی حالت میں عورت جن چیزوں سے پرہیز کرے گی وہ چار ہیں اور اسی پر نص دلالت کرتی ہے حدیث شریف میں مذکور ہے۔

لا تمس طیبًا۔ خوشبو نہ لگاؤ۔

اور اس کی حرمت پر کسی کا اختلاف نہیں ہے اور حدیث ام حبیبہؓ سے یہی ثابت ہے اور خوشبو میں مشک۔ عنبر اور۔ تمام قسم کے خوشبودار تیل داخل ہیں۔

۲۔ زینت سے پرہیز کیا جائے اس میں خضاب لگانا نقش و نگار اختیار کرنا رنگین لباس پہننا داخل ہے

خضاب کے بارے میں حدیث شریف میں بھی مذکور ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو باعث فتنہ ہیں۔

۳۔ سرمہ لگانا یہ بھی نص صریح سے ثابت ہے۔ اور ابن حزم نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ چاہے آنکھیں بیکار ہوجائیں مگر سرمہ نہ لگائیے۔ اس بارے میں حدیث ام سلمہؓ بھی موجود ہے اور سرمہ لگانا سب سے زیادہ فتنہ کی چیز ہے اس لئے اس سے اجتناب ضروری ہے۔ لیکن جمہور علماء مثلاً امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو رات کو لگانے کی رخصت ہے۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہؓ کی دوسری حدیث میں مذکور ہے اور اس حدیث کو امام مالک نے اپنی موطا میں بھی داخل کیا ہے۔ لیکن حدیث متفق علیہ سے اس کی اجازت بالکل نہیں ہے۔ اور امام مالک نے صفیہ بنت عبید سے روایت کیا ہے کہ وہ جس وقت اپنے شوہر ابن عمرؓ کی عدت گذار رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں دکھنے لگیں۔ لیکن انھوں نے سرمہ نہیں لگایا یہاں تک کہ ان کی آنکھیں خراب ہونے کے قریب ہوگئی تھیں۔ ابوعمر نے کہا ہے کہ یہ بات نظر شرعی کے خلاف ہے کیونکہ نظر شرعی یہ ہے کہ ضرورت اور اضطرار میں حرام چیزیں مباح ہوجاتی ہیں۔ اسی اصول کی تائید میں امام مالکؒ نے حضرت ام سلمہؓ کا فتویٰ نقل کیا ہے وہ فتویٰ اس حدیث کی تفسیر ہے جس کو ام سلمہؓ نے روایت کیا ہے۔ اور اسی کو اہل فقہ نے اختیار کیا ہے۔ اور اسی کو امام مالک اور امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار فرمایا کرتے تھے کہ عورت ضرورۃً اور دواءً سرمہ لگا سکتی ہے۔ اگرچہ اس سرمہ میں خوشبو ہو کیونکہ خوشبو مقصود نہیں بلکہ سرمہ مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح سے عورت کو ناخن کترانے۔ زیرناف بال تراشنے جائز نہیں۔

۴۔ لباس کی زینت بھی عورت کے لئے حرام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

ولا تلبس ثوباً مصبوغاً عورت رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے

اسکی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ کپڑا جو رنگین ہی بنا ہے اور دوسرے وہ کپڑا جو رنگین بنالیا گیا ہے۔
اس میں بھی دو قسم کے رنگ ہیں ایک وہ جن سے زینت مقصود نہیں ہوتی مثلاً کالا رنگ اس کی اجازت ہے۔

دوسرے زینت والا رنگ اور لباس، دونوں ناجائز ہیں اور یہی امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔

عدت میں نقاب

خرقی نے اپنی مختصر میں کہا ہے کہ بیوہ عورت زمانہ عدت میں۔ خوشبو۔ زینت، دوسرے گھر میں قیام کرنے۔ سرمہ لگانے اور نقاب سے پرہیز کرے لیکن مجھے امام احمد کی یہ روایت نہیں ملی۔ اسحق نے کہا۔ میں نے امام احمد سے نقاب کے بارے اور تیل کے بارے میں دریافت کیا فرمایا، کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ بیوہ عورت کے لئے زینت اختیار کرنا مکروہ ہے۔ اور ابوداود نے امام احمد سے روایت کیا ہے کہ بیوہ عورت۔ تین طلاق والی عورت۔ احرام والی عورت کو خوشبو سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس روایت میں بیوہ اور محرمہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں نقاب سے بچیں۔ اور نقاب کے معنی میں برقع بھی ہے اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر سوت رنگ کر کپڑا تیار کیا گیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں دو وجہیں ہیں:

ا۔ حرام ہے کیونکہ اس سے بھی زینت حاصل ہوتی ہے۔

ب۔ حرام نہیں ہے۔ جیسا کہ ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے ثوب عصب (وہ کپڑا جس کا سوت رنگ کر بنا گیا ہو) کی اجازت دی ہے۔ اس کو قاضی نے ذکر کیا ہے۔ ابن سہیلی نے کہا کہ ورس اور عصب۔ ایک گھاس ہے جو یمن میں پیدا ہوتی ہیں ان سے رنگے ہوئے کپڑے کی حضورؐ نے اجازت دی ہے۔

❊ ❊ ❊

۱۷ واں باب

استبراء رحم اور اس کے احکام

استبراء رحم صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوطاس کے لئے ایک لشکر کو بھیجا جس نے وہاں پہونچ کر کامیابی حاصل کی بہت سے قیدی ہاتھ آئے حضرات صحابہؓ ان قیدی عورتوں (باندیوں) کے ساتھ وطی کرنے سے گریز کر رہے تھے کیونکہ ان کے خاوند مشرکین زندہ تھے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

۱۔ والمحصنات من النساء الا ما ملكت ايمانكم اور پاکباز عورتیں مگر باندیاں۔

یعنی وہ تمہارے لئے حلال ہیں جب ان کی عدت پوری ہو جائے۔ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے

۲۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حرم وطی السبایا حتی یضعن ما فی بطونھن۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدی عورتوں سے وطی کو حرام کیا ہے تاوقتیکہ وضع حمل نہ ہو جائے۔

اور ابو داؤد اور مسند احمد میں حدیث شریف ہے:

۳۔ لا توطأ حامل حتی تضع حاملہ عورت سے وضع حمل تک اور

(۱) لغت کے اعتبار سے رحم کو صاف کرنے کے لئے کہا جاتا ہے مراد یہ ہے کہ حیض آنے کا انتظار کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ عورت حاملہ تو نہیں ہے اس کے لئے صرف ایک حیض آنا کافی ہوتا ہے۔

ولا غیر ذات حمل حتی تحیض حیضۃً۔ | بالغ عورت سے جب تک حیض نہ آجائے۔

اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے:۔

۴- من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یسقی ماءہ ولد غیرہ | جو مومن ہے اس کو چاہیے کہ جب تک دوسرے کا بچہ پیٹ میں ہے وطی نہ کرے۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے یہ حدیث حسن ہے اور ابو داؤد نے روایت کیا ہے:

۵- لا یحل لامرءٍ یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یقع علی امرأۃ من السبی حتی یستبرأھا۔ | مومن کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی قیدی عورت سے استبراء رحم تک وطی کرے۔

ور اسی طرح امام احمد نے بھی روایت کیا ہے، امام بخاریؒ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

٦- اذا وھبت الولیدۃ التی توطاء او بیعت او عتقت فلتستبراء بحیضۃ ولا تستبرأ العذراء۔ | جب بالغ باندی ہبہ کی جائے یا بیچی جائے یا آزاد کی جائے تو اس سے وطی نہ کی جائے۔ اور ایک حیض سے استبراء کیا جائے اور کنواری سے استبراء کی ضرورت نہیں ہے۔

احکامات استبراء

ان احادیث سے بہت سے احکامات ثابت ہیں۔

۱- قیدی عورت سے اس وقت تک وطی نہ کی جائے جب تک کہ اس کے استبراء رحم کے بارے میں معلوم نہ ہو جائے اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل ہونا چاہیئے اور غیر حاملہ ہے تو ایک حیض آنا چاہیئے اور اگر کوئی عورت ایسی ہے کہ اسکو حیض نہیں آتا تو اسکے بارے میں کوئی صراحت نہیں ہے بلا اس کے بارے میں اختلاف ہے امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے عموم احادیث کی وجہ سے استبراء رحم کو واجب قرار دیا ہے اور اس باب میں بہت سے آثار صحابہؓ بھی ہیں حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا ہے:۔۔

من ابتاع جاریۃ قد بلغت المحیض فلیتربص بھا حتیٰ تحیض فان کانت لم تحض فلیتربص بھا خمسا واربعین لیلۃ	جس کسی نے ایسی باندی کو خریدا جو بالغ ہے تو حیض آنے تک رُکا رہے اور اگر حائضہ نہیں ہے تو ۴۵ رات رکا رہے۔

اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیر حائضہ عورتوں کے لئے تین مہینے عدت مقرر فرمائی ہے اسی طرح استبراء رحم باندی کی عدت ہے۔ اور عبد الرزاق نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اگر باندی کنواری ہو تو اگر وہ چاہے تو استبراء رحم کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میرے حصہ میں ایک باندی آئی تھی اور اس کے گلے میں چاندی کا ہار تھا۔ میں نے اس کا بوسہ لیا اور لوگ دیکھتے تھے۔ اور اس بارے میں علماء نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے۔

"ہر وہ باندی جو ابھی حمل سے محفوظ ہو اس کے لئے استبراء رحم لازم نہیں ہے۔ اور جس کے بارے میں غلبہ ظن حاملہ ہونے کا ہو تو اس کے لئے استبراء رحم جائز ہے۔"

اسی قاعدہ کے اوپر بہت سے مسائل متفرع ہوئے ہیں اور ابو العباس بن سریج اور عباس بن تیمیہ نے کہا ہے کہ۔

"ہر وہ باندی کہ جس پر تجدید ملک ہو رہی ہو اس کے لئے استبراء لازم نہیں اس بارے میں حضورؐ سے کوئی نص عام ثابت نہیں ہے، خواہ وہ باندی کسی حال میں ہو صرف اولاس کی باندیوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ حاملہ سے وضع حمل تک اور اور غیر حاملہ سے حیض آنے تک وطی نہ کی جائے۔"

اور اسی بارے میں رویفعؓ نے کہا ہے۔

من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا ینکح ثیبا من السبایا حتی تحیض۔	جو مومن ہو تو وہ ثیبہ عورت قیدی سے حیض آنے تک وطی نہ کرے۔

یہ ایک صحابیؓ کا مذہب ہے اور اس کا خلاف موجود نہیں ہے بہر حال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر جب غور کیا جائے گا تو یہی معلوم ہوگا کہ حاملہ سے وضع حمل تک اور غیر حاملہ سے حیض آنے تک وطی نہ کی جائے۔

۲۔ استبراء طہر کے ذریعہ نہیں بلکہ حیض کے ذریعہ ہوگا یہی قول جمہور کا ہے اور یہی صواب ہے اور امام مالکؒ اور شافعیؒ فرماتے ہیں ایک طہر کامل ہونے کے بعد جب حیض شروع ہو جائے تو استبراء حاصل ہو جائے گا لیکن یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے خلاف ہے (جیسا کہ اوپر احادیث گذر چکی ہیں) بس مقتضائے قیاس یہی ہے کہ استبراء حیض کے ذریعہ ہوگا احادیث میں طہر کے لئے کوئی دلالت نہیں ہے۔

۳۔ اس حیض کا بھی اعتبار نہیں ہے جس کا کچھ حصہ مشتری کے یہاں گذرا اور کچھ حصہ بائع کے یہاں گذرا بلکہ پورا حیض مشتری کے یہاں ہونا چاہیئے اور صاحب الجواہر نے کہا ہے: اگر باندی آخری ایام حیض میں فروخت ہوئی تو باقی حیض استبراء نہیں ہے اور اگر شروع حیض میں فروخت ہوئی تو اس کا اعتبار ہے لیکن اس کے خلاف دلیل یہ ہے کہ احادیث میں حیض کامل کی قید ہے۔

۴۔ اگر باندی حاملہ ہے تو استبراء رحم وضع حمل سے ہوگا اس کے اوپر تمام امت کا اجماع ہے۔

۵۔ قبل وضع حمل وطی جائز نہیں ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اور یہ امام احمدؒ کی خوبی ہے کہ انھوں نے زانیہ عورت کے نکاح کو کلیۃً ناجائز قرار دیا ہے۔ اور ان سے اختلاف رکھنے والے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں ان کا قول سنت صریحہ کے بالکل خلاف ہے شارع علیہ السلام نے وطی اور نکاح امکان حمل کی وجہ سے عدت میں ناجائز قرار دیے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت اور مرد کے درمیان تفریق کر دی تھی وہ عورت حاملہ تھی اور عورت پر حد جاری فرمائی تھی۔ اور اس کے لئے مہر مقرر فرمایا تھا۔ اس سے ثابت ہے کہ زنا کے حمل میں عقد باطل ہے۔

۶۔ حدیث شریف میں یہ جو مذکور ہے کہ حاملہ سے وضع حمل تک اور حائضہ سے حیض آنے تک

وطی نہ کی جائے اس سے یہ ثابت ہے کہ حالت حمل میں حیض نہیں آتا ہے اور اگر حیض آجائے تو وہ دم فاسد ہے اور استحاضہ کے حکم میں ہے۔ جس میں روزہ۔ نماز۔ طواف، قرأۃ قرآن وغیرہ جائز ہیں۔ اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ خون۔ دم حیض نہیں ہے۔ اور امام مالک اور اسحٰق وغیرہ فرماتے ہیں کہ دم حیض ہے۔ اور یہی امام احمد نے فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں:۔

حضرت عائشہؓ سے حاملہ عورت کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ اگر اس کو خون آجائے تو وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ حیض ہے۔

اور بیہقی نے روایت کیا ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ نے قسم کھا کر بیان کیا تھا۔ لیکن حضرت عائشہؓ سے ایک دوسری روایت ہے جس کو عطاء نے روایت کیا ہے کہ:۔

الحبلیٰ لا تحیض اذا رأت الدم صلت۔	حاملہ کو حیض نہیں آتا جب وہ دم دیکھے تو نماز پڑھے

لیکن اس کا یحییٰ قطان نے انکار کیا ہے۔ اور حضرات۔ اس خون کو دم حیض قرار نہیں دیتے ہیں انھوں نے فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باندیوں کی دو قسم کی ہیں (۱) حاملہ اس کی عدت وضع حمل ہے (۲) غیر حاملہ۔ اس کی عدت حیض ہے۔ اور حیض آنا برأت رحم کی علامت ہے۔ اگر حیض حمل کی حالت میں بھی قرار دیا جائے تو یہ علامت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے مطلقہ کی عدت تین حیض ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کو فرمایا تھا:۔

۱۔ فلیراجعھا ثم یطلقھا طاھراً او حاملاً۔	اس سے رجعت کر پھر پاک ہو یا حاملہ ہو تو چاہو تو طلاق دے دو۔

اس سے ثابت ہے کہ حالت حمل میں جو خون دیکھا جاتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا۔ اور امام احمد نے روایت کیا ہے:۔

۲۔ لا یحل لأحد ان یسقی ماءہ زرع غیرہ۔ ولا یقع علی امۃ حتی تحیض او یتبین حملھا۔ — کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ دوسرے کی کھیتی میں اپنا پانی داخل کرے اور کسی باندی سے وطی نہ کرے یہاں تک کہ حیض نہ آجائے یا حمل ظاہر نہ ہو جائے۔

اس حدیث میں وجود حیض کو علامت قرار دیا ہے کہ رحم حمل سے خالی ہے۔ اور حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

۳۔ ان اللّٰہ رفع الحیض عن الحبلیٰ وجعل الدم مما تغیض الارحام۔ — اللہ تعالیٰ نے حاملہ سے حیض کو ہٹا لیا ہے اور حیض وہ ہے جو رحم سے خارج ہو۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے:۔

۴۔ ان اللّٰہ رفع الحیض عن الحبلیٰ وجعل الدم رزقاً للولد۔ — اللہ تعالیٰ نے حاملہ سے حیض کو ہٹا لیا ہے اور خون کو بچہ کا رزق قرار دیا ہے۔

اور حضرت عائشہؓ سے جو یہ روایت ہے:

الحامل لا تصلی۔ — حاملہ نماز نہ پڑھے۔

اس سے مراد زمانہ ولادت سے ایک دو یوم پیشتر دم جاری ہوتا ہے اس طرح حضرت عائشہؓ کے دونوں قول کا جمع ممکن ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ دوران حمل میں جو خون آتا ہے اس سے عدت پوری نہیں ہو سکتی یہ بھی دلیل ہے کہ وہ حیض نہیں ہے۔

باکرہ کا حکم وہ عورتیں جو قابل وطی ہیں لیکن باکرہ ہیں ان کے بارے میں اگر یہ حکم ہے کہ استبراء واجب نہیں ہے تو یہ ظاہر ہے لیکن اگر یہ ہے کہ استبراء واجب ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا بوسہ لینا اور اس کے ساتھ مباشرت حرام ہے۔

بہر حال وجوب استبراء کا مطلب یہ ہے کہ وطی کے حرام ہونے سے دواعی وطی کا حرام ہونا لازم نہیں ہے۔

اور اگر عورت ثیبہ ہے تو اس سے بوس وکنار بھی قبل استبراء جائز نہیں ہے اور حسن بصری نے فرمایا ہے کہ خریدی ہوئی باندی کے بارے میں صرف وطی حرام ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کا حکم وہی ہے جو حائضہ اور صائمہ عورت کا ہوتا ہے۔ اور اس کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ کا اثر گذر چکا ہے۔

اس قول کے قائلین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مملوک باندی اور معتدہ میں فرق ہے۔ معتدہ عورت تو اجنبیہ کے حکم میں ہے، اس سے نہ وطی حلال اور نہ دواعی وطی حلال یہ حکم مملوک کا نہیں ہے۔ اس سے صرف وطی حرام ہے اور علت استبراء رحم ہے۔ اس سے دواعی وطی کا حرام ہونا لازم نہیں آتا ہے۔ اس لئے وہ حائضہ اور صائمہ سے زیادہ مشابہ ہے۔ اور اس کی نظیر بھی ہے مثلاً: کسی عورت سے زنا کیا۔ اس سے وطی قبل استبراء رحم جائز نہیں ہے اور دواعی وطی جائز ہیں۔

قیدی عورتوں کا حکم

قیدی عورتوں کے بارے میں وطی کے علاوہ دیگر چیزوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور اس میں فقہاء کے دو قول ہیں:۔

۱۔ ایسی عورتیں مثل اجنبی عورتوں کے ہیں، ان سے دواعی وطی بھی حرام ہیں۔

۲۔ دواعی وطی حرام نہیں ہیں۔ یہی حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے۔

ان دونوں قولوں میں وجہ فرق ظاہر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ استبراء کی ابتداء مدت بیع سے قرار دی جائے گی یا قبضہ سے قرار دی جائے گی اس میں بھی دو قول ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ بیع میں خیار کی شرط ہے تو پھر کونسی مدت کا اعتبار ہوگا؟ اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو گذر چکا ہے۔

آئسہ کا استبراء

آئسہ کے استبراء رحم کا مسئلہ بطور اشارہ اور تنبیہ ثابت ہے کیونکہ حرہ کی عدت تین قروء ہے اور آئسہ کی عدت تین مہینے ہے۔ اس لئے اس کے استبراء رحم کی مدت ایک مہینہ ہے۔ یہی ایک قولؒ امام احمد اور امام شافعیؒ کا ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ اس کے استبراء رحم کے لئے بھی تین مہینے ضروری ہیں، اس کی وجہ امام احمدؒ نے بیان فرمائی ہے:۔

تین مہینے حمل کی وجہ سے مقرر ہوئے ہیں، کیونکہ حمل تین مہینہ سے کم میں ظاہر نہیں ہو سکتا، یہی بات عورتوں کے نزدیک مشہور ہے لیکن ایک مہینہ کی بات تو اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

اور امام احمدؒ کی ایک دوسری روایت اور ہے جس میں ڈیڑھ مہینہ استبراء رحم کے لئے مقرر فرمایا ہے چنانچہ عطاء نے کہا ہے: اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کے لئے ۴۵ دن ہیں اور یہی آئسہ کے لئے عدت ہے۔ اور امام احمدؒ سے ایک اور روایت ہے جس میں استبراء رحم کی مدت دو مہینے مقرر ہے۔ اور امام احمدؒ سے یہ روایت مشہور ہے اور اس قول کی دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے کیونکہ مہینہ قائم مقام قروء کے ہے اور ڈیڑھ قروء کوئی چیز نہیں ہے اس لئے دو مہینے اس کا بدل ہیں لیکن (شروع میں) خرقی کا جو قول مذکور ہے وہ قیاس کے زیادہ موافق ہے۔

٭ ٭ ٭

۷۲ واں باب

بیوعات۔ اقسام اور احکام

بیوعاتِ حرام

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ نے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے:۔

ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام قیل یارسول اللہ ارأیت شحوم المیتۃ فانھا تطلی بھا السفن وتدھن بھا الجلود ویستصبح بھا الناس فقال لا ھو حرام ثم عند ذلک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاتل اللہ الیھود لما حرم علیھم الشحم جملوہ ثم باعوہ فاکلوا ثمنہ۔

اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سور۔ بتوں کی بیع کو حرام کیا ہے عرض کیا گیا: مردار کی چربی کے بارے میں فرمائیے اس سے کشتیوں پر روغن کیا جاتا ہے اور کھالوں کو تیل لگایا جاتا ہے اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں فرمایا: نہیں وہ حرام ہے اللہ تعالے یہود کو ہلاک کرے جب ان پر چربی کو حرام کر دیا گیا تو اس کو حسین بنایا پھر اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔

اور اسی قسم کی ایک روایت صحیحین میں حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے اس میں ہے کہ حضرت سمرہ رضؓ نے شراب فروخت کی تو حضرت عمر رضؓ نے فرمایا اللہ تعالی سمرہ کو قتل کرے کیا اس کو

معلوم نہیں ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے یہود پر لعنت کی ہے الخ۔ اور امام بیہقی اور حاکم نے بھی اس کو مسند عمر میں روایت کیا ہے اس میں اتنا اضافہ اور ہے:۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تھے کہ آپ نے اپنی چشم مبارک کو آسمان کی طرف اٹھایا اور مسکرا کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہود پر لعنت کی (تین بار) اللہ تعالیٰ نے یہود پر چربیاں حرام کی تھیں الخ۔

اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ اذا حرم اکل	اللہ تعالیٰ نے جب کسی چیز کو حرام کیا
شیٔ حرم ثمنہٗ۔	تو اس کی قیمت بھی حرام کر دی۔

یہ جامع کلمات تین چیزوں کی حرمت پر دلالت کر رہے ہیں۔ حرام مشروب سے عقل فاسد ہوتی ہے اور حرام کھانے سے طبیعت فاسد ہوتی ہے۔ اور حرام چیزیں دین کو فاسد کر دیتی ہیں اور شرک اور فتنہ پیدا کر دیتی ہیں اب معلوم ہونا چاہیے۔

۱۔ تحریم بیع خمر سے مراد ہر نشے کی بیع ہے خواہ وہ بہنے والی شے ہو یا خشک شے ہو غرضکہ ہر نشہ والی چیز خمر کے حکم میں ہے چنانچہ حضرات صحابہؓ سے مروی ہے:۔

الخمر ما خامر العقل۔	خمر وہ ہے جو عقل کو بیکار کر دے

جس طرح اشیاء ستہ کی بیع کی علت کے تحت تفاضل (بڑھوتری) ناجائز ہے اسی طرح نشہ کی علت کی وجہ سے ہر نشہ والی چیز حرام ہے اور کسی چیز کے نام بدلنے سے حکم نہیں بدلتا ہے اور جب کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ آپؐ کی امت اس (نشے) میں بہت مبتلا ہوگی تو آپؐ نے فرما دیا تھا:۔

کل مسکر خمر۔	ہر نشہ والی چیز خمر ہے۔

اور یہی ائمہ لغت نے اختیار کیا ہے۔

حرمت بیع میتہ | مردار کی بیع میں وہ چیز داخل ہے جو اپنی موت مری ہو۔ یا بغیر ذبح شرعی

کے قتل ہوئی ہو۔ وہ کل بھی حرام اور ان کے اجزا بھی حرام ہیں اسی وجہ سے حضرات صحابہؓ کو مردار کی چربی کے بارے میں اشکال ہوا تھا (جیسا کہ گذر چکا ہے) اس کو آپؐ نے حرام قرار دیا ہے. آپؐ نے فرمایا:

لا هو حرام۔ نہیں وہ حرام ہے۔

ان الفاظ کے معنی سمجھنے میں اختلاف ہوگیا ہے کہ آیا بیع مراد ہے یا افعال مراد ہیں۔ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ اس جگہ بیع مراد ہے کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس میں تو فلاں فلاں منافع ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا "نہیں وہ حرام ہے"۔ یعنی بیع بدستور حرام ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ شحوم میتہ کے جواز کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسا کہ آپؐ سے حضرت عباسؓ نے اذخر کے بارے میں دریافت فرمایا تھا اور جواب میں فرمایا " الا الا ذخر"؛

اور امام احمد اور ان کے شاگردوں نے فرمایا: تحریم افعال مراد ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا "ہو حرام" یہ نہیں فرمایا "ہی حرام" اور ضمیر کا مرجع "قریب کی طرف ہے اور بعض احادیث میں لا ہی حرام" ہی مذکور ہے۔ اس طرح یہ ضمیر یا تو شحوم کی طرف لوٹتی ہے یا عموم افعال کی طرف۔ دونوں حالت میں تحریم افعال ثابت ہے۔ اور اس معنی کو حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے ترجیح ہوتی ہے " اگر گھی میں چوہا گرجائے تو کیا کیا جائے؛

ان کان جامداً فالقوها وما حولها وکلوه وان کان مائعًا فلا تقربوه۔

اگر منجمد ہو تو چوہے اور اس کے اطراف سے گھی کو نکالدو اور کھاؤ اور اگر گھی بہتا ہو تو اس کے پاس نہ جاؤ۔

اور اس گھی کے فوائد میں چراغ میں استعمال بھی ہے لہذا اس کے قریب بھی نہ جانا چاہیئے۔ بہرحال جنھوں نے معنی اول کو ترجیح دی ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ حضورؐ سے ثابت ہے کہ آپؐ نے میتہ کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ انتفاع حرام نہیں ہے اور اگر حضرت جابرؓ کی حدیث کے سیاق پر غور کیا جائے تو یہی ظاہر ہے کہ سوال بیع کے بارے میں تھا

حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث شریف میں دونوں احتمال موجود ہیں اس لئے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس کو حرام قرار دیا ہے اس وقت تک حرام نہ کہنا چاہئیے اور امام احمد کی دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ چراغ کے لئے استعمال جائز ہے۔

اجزائے میتہ کی بیع

اجزائے میتہ میں جس طرح گوشت۔ چربی۔ پٹھے داخل ہیں۔ بال، صوف داخل نہیں ہیں کیونکہ ان میں حیات حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی ہے۔ ایسا ہی جمہور اہل علم نے فرمایا ہے اور کہا ہے کہ میتہ کے بال اور اون پاک ہیں بشرطیکہ حیوان نجس العین نہ ہو۔ یہی امام ابو حنیفہ۔ امام مالک۔ امام احمد وغیرہم نے فرمایا ہے۔ صرف امام شافعی صاحب ان کو نجس کہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ اسم میتہ میں یہ بھی داخل ہیں جیسا کہ دوسرے اجزا داخل ہیں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے:۔

ادفنوا الأظفار والدم والشعر فانها میتة۔ — ناخن۔ خون۔ بال کو دفن کر دیا کرو یہ بھی میتہ ہیں۔

اور قیاس یہ ہے کہ بال بھی حیوان سے متصل ہوتے ہیں اور زندگی سے نمو پاتے ہیں۔ لہذا موت کی وجہ سے یہ بھی ناپاک ہو جاتے ہیں جیسا کہ بقیہ اجزاء ناپاک ہو جاتے ہیں اس لئے وہ ایسے ہی نجس ہیں جیسا کہ خنزیر کے بال نجس ہیں۔ اور جب حضرت میمونہؓ کی بکری مر گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔

ھلا اخذتم اھابھا فدبغتموہ فانتفعتم بہ۔ — اس کی کھال کیوں نہیں حاصل کر لی اگر کو دباغت دے کر فائدہ اٹھاتے۔

اگر بال پاک ہوتے تو آپ ضرور فرماتے کہ ان کو علیحدہ کر لو کیونکہ وہ آسانی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں دوسرے فریق نے کہا ہے کہ میتہ کے بال اور صوف پاک ہیں ان کی دلیل یہ ہے

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ۔ الآیۃ — ان کا اون اور بال سامان ہیں فائدہ کے لئے ایک مدت تک۔

یہ آیت مردے اور زندہ دونوں کو شامل ہے۔ آیت میں عمومیت ہے۔ اور حدیث میمونہ میں اتنا اور اضافہ مروی ہے۔

قالوا وکیف ھی میتۃ قال — کہا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ تو مردار ہے

انما حرم لحمھا۔ — فرمایا۔ اس کا گوشت حرام ہے۔

اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ گوشت کی جنس کے اجزا حرام ہیں اور بال وغیرہ پاک ہیں اور بالوں میں حیات موجود نہیں ہوتی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

ما ابین من حی فھو میتۃ۔ — کسی زندہ سے جو جدا کئے جائیں پس مردار ہیں

اور یہ ظاہر ہے کہ بالوں کے جدا ہونے سے حیوان کو کوئی الم نہیں ہوتا ہے۔ رہی بالوں کے نمو کی بات وہ دلیل حیات نہیں ہے۔ اور حیات کی دو قسم ہیں۔ حیات حس و حرکت اور حیات نمو اور تغذیہ پہلی حیات طہارت اور غیر طہارت میں اثر انداز ہوتی ہے۔ دوسری طہارت اثر انداز نہیں ہوتی۔

اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کا یہ معاملہ ہے کہ اسکی سند میں عبداللہ بن عبدالعزیز ہے جن کے بارے میں ابوحاتم رازی نے فرمایا ہے کہ اسکی احادیث منکر ہیں ابن جنید نے کہا ہے کہ ہم جھوٹی احادیث روایت نہیں کر سکتے۔

میتہ کی ہڈی اور کھال

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

ان اللہ تعالیٰ — اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو حرام کرتا ہے

اذا حرم شیئاً حرم ثمنہ۔ — تو اس کی قیمت کو بھی حرام کرتا ہے۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اذا حرم اکل شیئ — جب کسی چیز کا کھانا حرام ہوا تو اس کی

حرم ثمنہ۔ — قیمت بھی حرام ہوتی ہے۔

یعنی جس چیز کا کھانا حرام ہے اس کی بیع بھی حرام ہے لیکن کھال۔ دباغت کی وجہ سے ایک پاک چیز ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اس لئے اس کی بیع جائز ہے اور امام شافعیؒ نے

فرمایا ہے کہ اس کی بیع جائز نہیں ہے۔ اس بارے میں امام شافعیؒ کے شاگردوں میں بھی اختلاف ہے۔ بعض شاگردوں نے کہا ہے کہ دباغت کے بعد اس کی بیع جائز ہے کیونکہ وہ دباغت کی وجہ سے ایک دوسری پاک چیز ہوگئی ہے۔

امام مالکؒ کے شاگردوں کا معاملہ یہ ہے کہ ابن قاسم نے دباغت کے بعد بھی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس کو صاحب تہذیب نے ذکر کیا ہے۔ اور مازنی نے بھی یہی کہا ہے کہ دباغت سے کھال پاک نہیں ہوتی ہے۔ اور امام مالکؒ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں:۔

امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ دباغت سے قبل میتہ کی کھال کی بیع جائز نہیں ہے اور دباغت کے بعد کے بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ نے میتہ کی ہڈیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ موت کی وجہ سے وہ ناپاک نہیں ہوتیں اس پر میتہ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ رہی الم تکلیف کی بات تو ہڈی الم کو محسوس نہیں کرتی بلکہ گوشت سے متصل ہونے کی وجہ سے الم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ۔ — ہڈیوں کو جب چور چور ہوگئی ہوں تو کون زندہ کرے گا۔

اور ابی بن خلف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پرانی ہڈیاں لے کر حاضر ہوا اور ان کو توڑ کر کہا۔ کیا یہ زندہ ہوں گی حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہاں یہ زندہ ہوں گی اور تو دوزخ میں داخل ہوگا۔

خنزیر اور بتوں کی بیع خنزیر کے تمام اجزاء خواہ وہ بیرونی ہوں یا اندرونی سب کی بیع ناجائز ہے اور بیع اصنام میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو ذریعہ شرک ہوں خواہ وہ کسی قسم سے ہوں۔ اور یہی حال شرک کی کتابوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قُل لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ — فرما دیجئے! نہیں پاتا میں جو میری طرف

مِن مَّا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا

وحی کی گئی ہے اس میں حرام کسی کھانے والے پر مگر یہ کہ مردار ہو یا خون ہو بہتا ہوا یا سور کا گوشت ہو یہ ناپاک اور نافرمانی کی چیز ہے۔

انہ کی ضمیر تینوں کی طرف لوٹتی ہے۔ اسی میں محرم کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اس کے بعد تحریم اصنام کا ذکر کیا ہے اس لئے مسلمان کو بت نہ خریدنا چاہیے اور نہ بیچنا چاہیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اہل کتاب کے نزدیک خمر حلال ہے اسوجہ سے اس کی بیع انکے لئے جائز ہے۔ اور ابو عبید نے روایت کیا ہے کہ حضرت بلال رضؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ آپ کے عمال خراج میں خمر اور خنازیر حاصل کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

لاتاخذوا منھم۔ ان سے یہ چیزیں نہ لو۔

لیکن اگر وہ فروخت کر دیں تو قیمت لے لو! ۔ چنانچہ اسی بارے میں حضرت بلالؓ کو شک ہوا تھا اور شروع میں حضرت عمرؓ نے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں حضرت عمرؓ نے ثمن حاصل کرنے کی رخصت عطا فرمادی تھی۔ اس کو حضرت عمرؓ نے اموال اہل ذمہ میں قرار دیا تھا۔

کتے اور بلی کی بیع

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "

۱۔ کتے کی قیمت۔ زنار کا مہر۔ کاہن کی مٹھائی سے" منع فرمایا ہے۔

۲۔ اور حضرت جابرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کتے اور بلی کی قیمت کے بارے میں دریافت کیا تو حضورؐ نے اس سے سختی کے ساتھ منع فرمایا اور رافع بن خدیجؓ نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

بری کمائی زنا کا مہر۔ کتے کی قیمت۔ حجام کی اجرت ہے۔

یہ احادیث شریفہ چند چیزوں پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ کتے کی بیع ناجائز ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ شکار کے لئے ہو یا کھیتی کے لئے اور یا مویشیوں کے لئے یہی اہل حدیث کا مسلک ہے۔ اور اس میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کا اختلاف مشہور ہے۔ انھوں نے کتے کی بیع اور اس کے ثمن کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن جمہور علماء عدم جواز بیع کے قائل ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ شکاری کتا اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ امام ترمذی نے روایت کیا ہے:۔

۱۔ اِلَّا صید کلب الصید۔ مگر شکاری کتا۔

امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ:

۲۔ نہی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب الصید۔ حضورؐ نے کتے کی قیمت اور بلی کی قیمت سے منع کیا ہے مگر شکاری کتے کی اجازت تھی

۳۔ ثمن الکلب سحت الا کلب صید۔ کتے کی قیمت حرام ہے مگر شکاری کتے کی

اور ابن شہاب زہری نے حضرت ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے اور انھوں نے حضورؐ سے روایت کیا ہے

۴۔ ثلاث ھن سحت حلوان الکاھن۔ مھر البغیۃ وثمن الکلب العقور۔ تین چیزیں حرام ہیں۔ کاہن کی مٹھائی۔ زانیہ کی اجرت۔ اور پاگل کتے کی قیمت۔

اور حضرت جابرؓ والی حدیث جو کچھ مذکور ہے۔ حضرت جابرؓ نے اپنے لئے رخصت کو اختیار کیا تھا اور صحابی کا قول عموم میں تخصیص پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک کلب الصید کا استثناء درست نہیں ہے۔ امام دارقطنی نے فرمایا یہ حدیث موقوف ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا ہے: اس حدیث کے اسناد صحیح نہیں ہیں۔ اور حدیث ابوہریرہؓ کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی سند میں۔ ابوالمہزم راوی ضعیف ہے۔ اور بیہقی نے کہا ہے کہ ثمن کلب کی حرمت کو ایک جماعت کثیر نے روایت کیا ہے جن کے الفاظ تو مختلف ہیں لیکن معنی ایک ہی ہیں اور شکاری کتے کا استثناء درست نہیں ہے۔ اور ابن حزم نے کہا ہے کہ حدیث جابرؓ میں ابوالزبیر ہے

اس نے حضرت جابرؓ سے سننے کی صراحت نہیں کی ہے۔ اور حدیث جابرؓ میں اختلاط ہو گیا ہے اس میں چار چیزوں کو شمار کرایا ہے۔

مذکر جانور کی جفتی کی قیمت۔ کتے کی قیمت۔ زنا کی اجرت۔ حجام کی اجرت۔

اور عطا کی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت باطل ہے۔ اس میں یحییٰ بن ایوب ہے اس کو امام مالک نے کاذب کہا ہے اور امام احمد نے تنقید کی ہے۔ اور اس کی سند میں مثنیٰ بن صباح بھی ہے اور اس کا ضعف مشہور ہے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی روایت کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ اس کو کس نے روایت کیا ہے۔ ان جیسے مجروح آثار اور احادیث سے استدلال درست نہیں ہے بلکہ پہلی احادیث ائمہ ثقات نے روایت کی ہیں اور بعض حفاظ نے تو ان کی روایت کو متواتر قرار دیا ہے اور حضرت جابرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ نے خود ارشاد فرمایا ہے:۔

ثمن الکلب خبیث۔ کتے کی قیمت حرام ہے۔

بلی کی بیع ابوزبیرؓ نے جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں بلی کے ثمن کو مکروہ قرار دیتے تھے ابومحمدؒ نے فرمایا: یہ حضرت جابرؓ کا فتویٰ ہے۔ ان کا فتویٰ ان کی روایت کے مطابق ہے اور کسی صحابیؓ سے اس کی مخالفت مروی نہیں ہے۔ اور ایسا ہی فتویٰ حضرت ابوہریرہؓ نے دیا ہے اور طاؤس اور مجاہدؒ کا مذہب یہی ہے۔ اور ایک روایت امام احمدؒ کی بھی یہی ہے اور ابوبکر بن عبدالعزیز نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت کا ہے جب بلی کی نجاست کے بارے میں حکم دیا گیا تھا لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الھرۃ لیست بنجس بلی ناپاک نہیں ہے۔

تو یہ حکم بیع کے بارے میں منسوخ ہو گیا۔

زنا کی اجرت زنا کی اجرت زانیہ سے ماخوذ ہے۔ اور زانیہ زنا کی مرتکب ہوتی ہے اس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث قرار دیا ہے۔ وہ خواہ آزاد

ہو یا باندی ہو۔ کیونکہ صحابہؓ کے زمانہ میں باندیاں ہی اس پیشے کو اختیار کیئے ہوئے تھیں۔ آزاد عورتوں کا یہ طریقہ نہیں تھا۔ اسی وجہ سے ہند نے بیعت ہوتے وقت عرض کیا تھا:۔

اوتزنی الحرة ۔ کیا آزاد عورت زنا کرتی ہے۔

بہرحال فقہاء کا آزاد عورت عاقلہ۔ بالغہ کے بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ اگر وہ کسی آدمی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرے تو اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہے۔ البتہ اس آزاد عورت کے بارے میں اختلاف ہے کہ جس کے ساتھ زبردستی زنا کیا گیا ہو۔ اور اس باندی کے بارے میں بھی اختلاف ہے جو زنا کے مشغلہ کو رضامندی سے کرتی ہے۔ اور آزاد عورت سے زبردستی زنا کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: اس عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہے اور وہ باندی جو برضا و رغبت زنا کراتی ہے اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اجرت واجب ہے۔ اور اکثر اصحاب امام احمد نے بھی یہی فرمایا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہے۔ اس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث قرار دیا ہے۔ اور ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا — اپنی باندیوں سے زنا کرانے پر زبردستی نہ کرو اگر وہ پاک باز رہنا چاہتی ہیں

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے زنا کا عوض مقرر نہیں کیا ہے۔ اور اسلام میں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ زنا کی اجرت پر کسی نے فیصلہ صادر کیا ہو۔ تمام مسلمان اس کو ہمیشہ برا ہی سمجھتے رہے ہیں۔

اشکال اور اس کا جواب

اس جگہ ایک اشکال یہ ہے کہ اگر زانیہ عورت اجرت زنا پر قبضہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے آیا اس کو واپس کر دینا چاہیئے؟ یا یہ اس کے لئے حلال ہے۔ اور یا وہ اس کا صدقہ کر دے ہم کہتے ہیں یہ بات اسلام کے ایک بہت بڑے قاعدہ پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ ہے:۔

ہر وہ چیز جو شرعاً قابل قبضہ نہیں ہے اور اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ اگر اس کے قبضہ سے علیحدہ کرنا چاہے اگر شے مقبوض بلا رضامندی کے حاصل کی گئی ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔ اور اگر اس کا واپس کرنا دشوار ہے تو اس پر قرضہ کا حکم دے دیا جائے گا۔ اور اگر واپس کرنا ناممکن ہے تو پھر صدقہ کر دیا جائے گا صاحب حق کو قیامت میں اس کا ثواب ملے گا۔ ورنہ قابض کی نیکیاں لے کر صاحب حق کو دلائی جائیں گی۔

اور حضرات صحابہؓ کا یہی طریقہ تھا۔ اور اس کے خبیث ہونے پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا تھا۔ اور یہ حکم ہر کسب خبیث کا ہے۔ وہ کسب عین ہو یا منفعت ہو۔ لیکن اس کے خبیث ہونے سے اس کا رد کرنا واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ حجام کی اجرت، ان اشکالات کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہم اس قسم کے کسب سے حاصل شدہ کے واپسی کا حکم نہیں دیتے۔ ان کی مثال کافروں کے عقود حرام کی سی ہے۔ کافر اگر قبضہ کرنے سے پہلے مسلمان ہو جائیں تو ان کو قبضہ کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر قبضہ کے بعد مسلمان ہوں تو واپسی کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ لیکن مسلمان پر یہ اجرت حرام ہے کیونکہ وہ اس کی حرمت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کافر اعتقاد نہیں رکھتے۔ امام احمد سے ابو النضر نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی سے خمر یا خنزیر یا نصرانی کے میتہ کو پہنچانے کے لئے کہا گیا۔ اس بارے میں امام احمد کے شاگردوں میں سخت اختلاف ہے ابو موسیٰ نے روایت کیا ہے کہ امام احمد نے منع فرمایا ہے کہ کوئی مسلمان اس قسم کی مزدوری کرے۔ اور اگر کر لی تو کرایہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اس کو کہا جائے گا کہ وہ خود نہ کھائے بلکہ صدقہ کر دے اور ایسا ہی ابوبکر آمدی نے ذکر کیا ہے۔ اور اس میں کراہت تحریمی ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب ڈھونے والے پر لعنت کی ہے۔ اس لئے ثابت ہے کہ اجیر اجرت کا تو مستحق ہو جاتا ہے باوجودیکہ وہ حرام ہے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ اجارہ ہی جائز نہیں ہے اور اس کو قاضی نے مجرد میں روایت کیا ہے اور یہ طریقہ ضعیف ہے اور اس سے رجوع ثابت ہے۔ تیسری روایت یہ ہے

کہ یہ اجرت کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ اور اسی میں دوسری روایت یہ ہے کہ نہ اجارہ صحیح اور نہ اجرت کا مستحق۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب پہلی روایت کے مطابق ہے۔ اجارہ صحیح ہے اور وہ اجرت کا مستحق ہے لیکن اصول شرع اور اس کے قواعد عقد کے باطل ہونے کے متقاضی ہیں اور ہمارے شیخ نے فرمایا ہے جو روایت ابن موسیٰ نے نقل کی ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔

کاہن کی اجرت

ابن عبد البر نے فرمایا ہے۔ حلوان کاہن کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے حلوان دراصل عطیہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ باطل طور پر لوگوں کا مال کھانا ہے اسی سے حلوان نجومی۔ حلوان زاجر۔ حلوان صاحب قرعہ (فال نکالنے والا) اور عراف اور رمال کی اجرت ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہن کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:۔

جو آدمی عراف کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے اس نے کفر کیا۔

بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ایمان اور کاہن کے قول پر ایمان دونوں ایک ہی قلب میں جمع نہیں ہو سکتے ہیں۔ اور اکثر لوگ ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں خاص طور سے جاہل اور عورتیں اور دیہاتی، اور اکثر لوگ ان پر حسن ظن رکھتے ہیں ایسے لوگوں کے ایمان کے بارے میں کیا کہا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ۔	جس کے لئے اللہ نے نور نہیں کیا اس کے لئے نور نہ ہوگا۔

اور حضرات صحابہؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا: یہ لوگ بعض دفعہ ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو واقعۃً ہو جاتی ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ شیطان کی طرف سے ہے وہ ان کو بتلا دیتا ہے۔

تعبیر دینے والے تعبیر دینے والے اور پیشین گوئی کرنے والے لوگوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان کی باتیں چند چیزوں سے ماخوذ ہوتی ہیں۔

۱۔ کاہنوں کی خبر ۲۔ قدیم کتابوں سے منقول خبر ۳۔ وہ امور جن کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ ۴۔ وہ چیزیں جو حضرات صحابہؓ کے کشف سے حاصل ہوئی ہیں۔ ۵۔ خواب وہ خواہ امر کلی سے متعلق ہوں یا امر جزوی سے متعلق ہوں۔ امور جزئیہ کو بعینہٖ بیان کر دیا جاتا ہے اور امور کلی میں قرائن اور فہم سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔ ۶۔ عالم بالا کے آثار اور نشانات سے استدلال کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حالات اور حوادث کے لئے دلیل قرار دیا ہے مثلاً چاند سورج کسی کے مرنے سے گہن نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان کا گہن ہونا زمین میں کسی حادثہ کی خبر دیتا ہے۔ لہٰذا اس شر کے دفع کے لئے شریعت نے نماز کو مشروع قرار دیا ہے۔ اور دعا۔ استغفار صدقہ وغیرہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ چیزیں شر کو دور کر دیتی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے چاند اور سورج اور ان کے اختلاف مطالع کو فصول کے لئے سبب قرار دیا ہے اور وہی گرمی۔ سردی کے اسباب میں سے بھی ہیں۔ جو لوگ ان علوم سے واقفیت رکھتے ہیں وہ بتلا دیتے ہیں کہ حیوانات اور نباتات میں فلاں قسم کی تبدیلیاں واقع ہوں گی۔ اور اس بات کو بہت سے کاشتکار بھی جانتے ہیں۔ اسی طرح سے ستاروں کے حالات سے۔ سلامتی اور امراض کو پہچانا جاتا ہے۔ اور اطباء حضرات بھی ان سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ غرض کہ ان علوم کے ماہرین قضاء وقدر کے احکامات میں اپنی دماغی قوتیں صرف کیا کرتے ہیں جیسا کہ اصحاب شرع شرعی احکامات میں استدلال کیا کرتے ہیں۔

ہم نے بہت سے تعبیر دینے والے حضرات کی تعبیرات کا مشاہدہ کیا ہے۔ اور ان کی عجیب وغریب تعبیروں کو دیکھا ہے یہ اگرچہ بظاہر علم غیب معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ایسا علم غیب ہے جو اسباب اور علامات کے تابع ہے اور دوسروں پر پوشیدہ رہتا ہے۔ اس کے اوپر بھی حضرت شارع علیہ السلام نے اجرت لینے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس میں امت کی حفاظت مقصود ہے۔ بخلاف علم

رؤیا کے وہ حق ہے باطل نہیں ہے۔ کیونکہ رویار کا تعلق وحی سے ہے۔ اس لئے تعبیر دینے والا جتنا بڑا عالم اور صادق ہوگا اتنی ہی اس کی تعبیر صادق ہوگی بخلاف کاہن وغیرہ کے کہ ان کی مدد شیاطین کرتے ہیں اور وہ سحر سے زیادہ مشابہ ہے۔ ساحر جتنا بڑا کاذب اور فاجر ہوگا اس کا سحر اتنا ہی قوی ہوگا

اجرت حجام

اس قسم میں فصد کرنے والے، سینگی لگانے والے۔ پچھنے لگانے والے اور وہ تمام لوگ داخل ہیں جو خون نکالنے کا کام کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اس کے کسب کو خبیث قرار دیا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے حجامت کرائی ہے اور حجام کو اجرت عطا فرمائی ہے۔ اس لئے بہت سے فقہاء پر ان دونوں کا جمع کرنا مشکل ہوگیا۔ اس لئے انھوں نے کہہ دیا کہ ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں۔ اسی مسلک کو امام طحاوی رحؒ نے اختیار کیا ہے۔ اور انھوں نے کوفیوں کی طرف سے اباحت ثمن کلب کے باب میں کہا ہے:۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً کلاب کو قتل کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اور پھر شکاری کتوں اور جانوروں کے لئے نگہبان کتوں کے بارے میں رخصت عطا فرمادی تھی۔

اس کے بعد علامہ طحاوی نے تحریر فرمایا ہے:۔

اسی کی طرح کسب حجام کا معاملہ ہے۔ پہلے آپؐ نے کسب حجام کو خبیث فرمایا۔ اور پھر حجام کو اجرت بھی مرحمت فرمائی۔ اس لئے یہ منسوخ ہے۔

لیکن یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور خود حدیث شریف ہی میں وہ چیز موجود ہے جو اس قول کو باطل کرتی ہے دو حدیثیں صحیح میں موجود ہیں۔ ان میں سے شکاری کتے اور بکریوں کے کتے کے لئے رخصت قتل کے بعد ہوئی ہے جس کتے کے لئے رخصت دی ہے وہ یہی کتے ہیں وہ کتے نہیں ہیں کہ جن کے ثمن کو آپؐ نے حرام قرار دیا ہے اس مشابہت سے اجرت حجام کو اعطاء والی حدیث سے منسوخ قرار دینا فاسد قسم کا قیاس ہے کیونکہ اعطائے اجرت والی حدیث کسب حجام والی حدیث کے معارض نہیں ہے۔ آپؐ نے عطا کو خبیث قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ عطا کرنا یا تو واجب ہے یا مستحب ہے۔ یا جائز ہے۔ لیکن وہ اجرت لینے والے کی نسبت سے خبیث ہے۔ اور حجام خبیث الکسب ہے

اور اس نسبت سے اعطاء اجرت کی تحریم لازم نہیں آتی۔ کیونکہ آپؐ نے۔ لہسن اور پیاز کو خبیث قرار دیا ہے۔ باوجودیکہ ان کا کھانا مباح ہے اور آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

۱۔ میں بعض آدمی کو عطیہ دیتا ہوں لیکن وہ آگ بن کر نکلے گا۔

۲۔ آپؐ مؤلفۃ قلوب کو بھی زکوٰۃ کے مال سے دیا کرتے تھے۔

بہرحال یہ اصل معروف اصول شرع سے ہے کہ کبھی کوئی عقد اور خرچ جائز۔ مستحب۔ اور واجب ہوتا ہے اور دوسری حیثیت سے وہی عقد مکروہ۔ ناجائز اور حرام ہوتا ہے" اس لئے اجرت حجام کا خبث ایسا ہی ہے جیسا کہ لہسن اور پیاز کا خبث۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک میں بو کے اعتبار سے خبث ہے اور دوسرے میں کسب کے اعتبار سے خبث ہے۔ بہرحال ہر قول کے لئے اثر اور نظر کی گنجائش اور حق ترجیح حاصل ہے۔

جانوروں کی جفتی

بخاری شریف میں روایت ہے:۔

نھی عن عسب الفحل۔ آپ نے جانوروں کی جفتی سے منع کیا ہے

اور مسلم شریف میں حدیث ہے:۔

۲۔ نھی عن بیع ضراب الفحل۔ آپ نے جفتی کے وار کی بیع سے منع کیا ہے

دوسری حدیث پہلی کی تفسیر ہے۔ اور حدیث شریف میں اجرت ضرب کو بیع قرار دیا گیا ہے یا اس وجہ سے کہ اس سے مقصود پانی (نطفہ) ہے اس کے مقابلہ میں بیع کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یا یہ وجہ ہے کہ اجارہ کا نام بیع مقرر فرمایا ہے۔ کیونکہ عربوں کی یہی عادت تھی کہ وہ مذکر جانور کو کرایہ پر لیا کرتے تھے تاکہ وہ یہ کام کرے۔ بہرحال یہ عقد باطل ہے خواہ اجارہ ہو یا بیع ہو اور جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام مالکؒ سے اس کا جواز منقول نہیں ہے۔ اور صاحب جواہر نے "باب فساد عقد" میں بیع عسب الفحل کو بھی شمار کیا ہے اس اعتبار سے یہ نہی، مذکر کو مؤنث سے جفتی کرنے کے لئے اجرت پر لینے کے ہم معنی ہے۔ اور یہ بھی

فاسد ہے۔ بہرحال یہ نہی مطلقاً ہے۔ اور ہر حال میں عقد فاسد ہے۔ اور اس قسم کے عقود کی ممانعت ہماری شریعت کے محاسن میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دیگر انسانوں کیلئے ایک اچھی میزان قرار دیا ہے اس لئے مسلمان جس چیز کو برا کہیں وہ بری ہے اور جس کو اچھا کہیں وہ اچھی ہے۔ اس لئے۔ مذکر جانور کے نطفہ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اور نہ کوئی چیز اس کے عوض میں آسکتی ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے بلا معاوضہ رکھا ہے تاکہ نسل کی تکثیر ہو۔ اور مذکر کے مالک کے لئے اس میں کوئی نفع اور نقصان نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

من حقها اطراق فحلها واعادة دلوها۔	اور اس کا حق نذکر کو چھوڑ دینا اور ڈول کو استعمال کے لئے دے دینا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مؤنث والا۔ مذکر والے کو کوئی چیز ہدیہ میں دے تو اس کا کیا حکم ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر یہ شرط تھی تو حلال نہیں ہے۔ اور اگر شرط نہیں تھی تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مشترک پانی کی بیع

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ کی حدیث ہے:۔

۱۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن فضل الماءِ۔	حضور صلعم نے فاضل پانی سے منع کیا ہے

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:۔

۲۔ لا تمنعوا فضل الماء۔	بچے ہوئے پانی سے نہ روکو!

اور مسند احمد میں روایت ہے:۔

۳۔ من منع فضل مائہ وفضل کلاءہٖ منعہ اللہ تعالیٰ فضلہ یوم القیامۃ۔	جس نے فاضل پانی اور گھاس سے روکا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اپنے فضل سے روک دے گا۔

اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:۔

۴۔ ثلاث لا یمنعن الماء	تین چیزوں سے منع نہ کیا جائے پانی

والکلاء والنار۔	گھاس، آگ۔
۵۔ الناس شرکاء فی ثلاث الماء والنار، والکلاء و ثمنہ حرام۔	تمام آدمی تین چیزوں میں شریک ہیں پانی۔ آگ۔ گھاس اور ان کی قیمت حرام ہے۔

اور حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں کی طرف نظر نہ فرمائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ وہ آدمی جس کے پاس راستہ میں پانی تھا اور اس نے مسافروں کو پانی سے روکا۔ اور وہ آدمی جس نے اپنے امام سے بیعت دنیا کے لئے کی اگر وہ عطا کرے تو راضی ورنہ ناراض۔ اور وہ آدمی جس نے عصر کے بعد خرید و فروخت کے لئے سامان لاکر رکھا۔ وہ ذات جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وقت ایسا، ایسا عطا کیا ہے اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔	جو لوگ اللہ کے عہد کے بدلے ثمن قلیل حاصل کرتے ہیں۔

اور ایک آدمی نے حضورؐ سے سوال کیا: کن چیزوں سے منع نہ کرنا چاہئے۔ آپؐ نے فرمایا: پانی پھر دریافت کیا تو فرمایا۔ نمک۔ پھر دریافت کیا تو فرمایا جو بھی تو کرے گا تیرے لئے بہتر ہے۔

پانی وہ چیز ہے جو تمام بندوں اور جانوروں کے درمیان مشترک ہے اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اگر کسی آدمی نے پانی پر کوئی عمارت بنا دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: مالک کے مقابلہ میں مسافر زیادہ مستحق ہیں، لیکن وہ پانی جو برتن میں بھر کر رکھ لیا جائے یا مشکیزہ میں بھر لیا جائے وہ حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ اور اسی طرح سے لکڑی اور گھاس اور نمک کا معاملہ ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی آدمی رسی کو لے کر لکڑیاں لائے اور اس کو فروخت کرے اور اس سے اس کی غربت دور ہو جائے یہ اس کے لئے لوگوں سے سوال کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

یہی حکم گھاس اور لکڑی کے بارے میں ہے کہ جب اس کو اپنے قبضہ میں اپنی ملکیت میں محفوظ کرلیا جائے اور یہی حال مچھلی کا ہے کہ جب اس کو پکڑ کر اپنی ملکیت میں داخل کرلیا جائے اور یہی حال بقیہ تمام مباحات کا ہے لیکن جب یہ تمام چیزیں غیر مملوکہ زمین میں ہوں اور بارش سے پیدا ہوتی ہوں تو پھر ان کی بیع جائز نہیں ہے۔

وہ چیزیں جو فاضل ہیں جو چیزیں آدمی کی اپنی ضرورتوں سے زائد اور دوسرے انسان کو اس کی ضرورت ہو تو اس چیز کو بلا عوض کے دے دینا چاہیئے

ان میں سے پانی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کی ہر ایک کو ضرورت ہے اس لئے جو بھی پانی کو حاصل کرے پانی والے کو روکنے اور منع کرنے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ڈول رسی وغیرہ پانی کے آلات بھی پانی والے کے ذمہ میں یا نہیں اس میں دو قول ہیں اور امام احمد سے بھی اس بارے میں دو روایتیں ہیں

ا. اگر پانی کسی کے گھر میں ہے تو بلا اجازت کے داخلہ جائز نہیں ہے۔

۲. نہ منع کرنے کا حکم اس پانی کے بارے میں ہے جو جنگلوں میں ہوتا ہے۔

۳. فاضل پانی دوسرے کی کھیتی کے لئے دینا۔ اس میں امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔

ا. فاضل پانی کھیتی کے لیئے دینے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ کیونکہ کھیتی فی نفسہ کوئی حرمت کی چیز نہیں ہے۔

ب. فاضل پانی دینا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ۔ ایک زمیندار نے ان کو لکھا کہ فاضل پانی کے بارے میں کیا حکم ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے ان کو لکھا:-

پہلے اپنی زمین کا انتظام کرو پھر قریب کی پھر اس سے قریب کی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے فاضل پانی کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

فقہاء نے کہا ہے کہ فاضل پانی کو کھیتی کے لیئے دینے سے روکنا اس میں کھیتی کی ہلاکت ہے پس وہ بھی ایسے ہی حرام ہے جیسا کہ جانوروں سے پانی روکنا حرام ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ

کنویں اور چشمہ کے فروخت کا کیا حکم ہے؟ تو اس کے بارے میں امام احمدؒ نے فرمایا ہے "
ممانعت فاضل پانی کی بیع کے لئے ہے' کنویں اور چشمہ کی بیع کے بارے میں ممانعت نہیں ہے
اور اس کے اوپر سنت شریفہ دلالت کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جو آدمی بیر رومہ کو خریدے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں پر وسعت دے اس کے لئے جنت ہے۔

اسی کنویں کو حضرت عثمانؓ نے یہودی سے خرید اتھا وہ یہودی اس کا پانی فروخت کیا کرتا تھا۔
اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے نصف کنواں بارہ ہزار درہم میں خریدا تھا اور پھر
یہودی نے کہا تھا: ایک دن آپ کا اور ایک دن میرا یا یہ کہ ایک ڈول آپ اپنا ڈالیں اور
ایک ڈول میں اپنا ڈالوں۔ حضرت عثمانؓ نے پہلی صورت اختیار کی چنانچہ حضرت عثمانؓ کی
باری میں لوگ پانی بھر لیا کرتے تھے۔ اس پر یہودی نے باقی نصف بھی فروخت کر دیا تھا،
اس سے معلوم ہوا کہ کنویں اور چشمہ کا فروخت کرنا جائز ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ پانی کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی مالک نہیں۔ سب
اس میں حقدار ہیں۔ تو یہودی نے کیوں ممانعت کی اور کیوں حضرت عثمانؓ نے خریدا؟ اگر اس
کا یہ جواب دیا جائے کہ کنواں خریدا تھا اور پانی اس میں تبعاً داخل ہے۔ تو پھر یہ اشکال ہوتا
ہے کہ پانی کے لئے دوسرے کی زمین میں بلا اجازت داخل ہونا ناجائز ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض قوی ہے لیکن یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ابتدائے
اسلام کا ہے۔ اس وقت یہودیوں کو مدینہ میں غلبہ حاصل تھا۔ ان پہ اس وقت اسلامی
احکام جاری نہیں ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے معاملات میں کوئی مداخلت
نہیں کی تھی لیکن جب یہود کا غلبہ ٹوٹ گیا تو شرعی احکام جاری کئے گئے۔

بہنے والے پانی جیسے بڑی نہریں ان کا کسی وقت کوئی مالک نہیں ہے۔ ہر ایک کے لئے
اس میں سے پانی لینے کا حق حاصل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی جیسا کہ

پرندہ، ہر ایک کو اس کے پکڑنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن وہ تالاب جو بارش کے لئے بنائے جاتے ہیں ان میں ملکیت قائم ہو جاتی ہے اور اس پانی کی بیع جائز ہے۔ لیکن مندرجہ بالا جو احادیث مذکور ہوئی ہیں۔ وہ مطلق ہیں ان میں قیودات نہیں ہیں اس لئے یہ اثر اور قیاس محل نظر ہے۔

بیع اس چیز کی جو قبضہ میں نہ ہو

سنن اور مسند میں حدیث ہے کہ حکیم بن حزام نے عرض کیا حضورؐ ایک آدمی میرے پاس آتا ہے اور اس چیز کے فروخت کے لئے کہتا ہے جو میرے پاس نہیں ہے۔ کیا میں اس کو بیچ سکتا ہوں آپؐ نے فرمایا:

۱۔ لا تبع مالیس عندک۔ وہ چیز نہ بیچو جو تمہارے قبضہ میں نہ ہو

امام ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ اور ایسے ہی سنن میں ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے۔ اور اس قسم کی بیع میں ایک قسم کا دھوکہ ہے اور یہ جوئے کے مشابہ ہے۔ بعض حضرات کو گمان ہوا کہ یہ بیع معدوم کی ہے اس وجہ سے ناجائز ہے۔ اور اس کے بارے میں ایک حدیث بھی ہے۔

۲۔ فنھیٰ عن بیع المعدوم۔ معدوم کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

لیکن اس کا کسی کتاب میں پتہ نہیں ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور معدوم کی تین قسمیں ہیں:-

۱۔ وہ معدوم جو ذمہ میں موصوف ہو۔ اس کی بیع اتفاقاً جائز ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے شرط کی ہے کہ عقد کے وقت وہ چیز موجود ہونا چاہیئے اور اس کا نام بیع سلم ہے۔

۲۔ وہ معدوم جو موجود کے تابع ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم متفق علیہ ہے اور ایک قسم مختلف فیہ ہے۔ متفق علیہ پھلوں کی بیع جب ان کی صلاحیت ظاہر ہو جائے۔ دوسری قسم جس میں اختلاف ہے وہ باورچی کا کھانے کو پکانے سے قبل بیچنا ہے۔ اس میں اختلاف ہے

۳۔ وہ معدوم جس کے بارے میں یہی معلوم نہیں ہے کہ وہ حاصل ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس کی بیع سے شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ یہ بیع معدوم کی ہے بلکہ

اس میں ایک قسم کا دھوکہ ہے۔ اسی کی طرف حدیث حکیم بن حزام اور حدیث ابن عمرؓ میں اشارہ ہے اور یہ زمانہ جاہلیت کی بیع ہے۔

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ اس نہی میں بیع سلم مراد ہے۔ وہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ بیع سلم کا تعلق ذمہ داری سے ہے اور وہ اقرار دین جیسا ایک عقد ہے۔ بعض دیگر حضرات نے کہا ہے کہ حکیم بن حزام کے معاملہ میں یہ ہے کہ وہ شے غیر معین کو جو کسی دوسرے کی ملک ہوتی بیچ دیتے تھے اور پھر اسی چیز کو اسی سے جا کر خرید لاتے۔ ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کی صورت یہ تھی کہ اگر کوئی خریدار آتا تو اس کے ہاتھ وہ چیز بیچ دی جاتی اور پھر دوسرے سے خرید کر اس کو دے دی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے امام احمد اور دوسرے لوگوں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور یہ چیز بیع سلم کو بھی شامل ہے۔ لیکن احادیث سے سلم مؤجل کا جائز ہونا ثابت ہے۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پھلوں کی بیع سلم سے منع فرمایا ہے جو کسی باغ میں ہوں اور ابھی ان کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو۔

بیوعاتِ جاہلیت

مسلم شریف میں ہے:

۱۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحصاۃ وعن بیع الغرر۔ — حضورؐ نے بیع حصاۃ اور بیع غرر سے منع فرمایا ہے۔

۲۔ نھی عن الملامسۃ والمنابذۃ۔ — آپ نے بیع ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا ہے۔

اور بیع ملامسہ یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک دوسرے کے کپڑے کو لیکر بلا تامل چھوڑ دے اور منابذہ یہ ہے کہ ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف ڈال دے۔ اور بیع الحصاۃ میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور یہ ایسی ہی جیسے بیع الجنبۃ بیع الدرم اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ جس چیز پر تمہاری پتھری جا پڑے وہ ایک درہم میں۔ غرض کہ یہ تمام بیوعات فاسد ہیں،

بیع الغرر اس میں بھی مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے۔ جیسا کہ بیع الملاقیح، بیع المضامین۔ لیکن بیع غرر نفس بیع کو کہتے ہیں یعنی وہ بیع جس کے ذریعہ دھوکہ دیا جائے مثلاً اس غلام کی بیع کہ جس کے اوپر قبضہ دینے سے عاجز ہو۔ اور وہ پرندہ جو ہوا میں اڑتا ہو غرض کہ وہ تمام بیوعات کہ جن کا حاصل ہونا معلوم نہیں اور جن کے اوپر قبضہ دلانے سے قادر نہیں اسی وجہ سے بیع ملاقیح اور مضامین کی ممانعت ہے۔ سعید بن مسیب نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

نھی عن المضامین والملاقیح۔ — آپ نے ملاقیح اور مضامین کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

مضامین وہ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہو اور ملاقیح وہ بچہ جو صلب پدر میں ہو۔ اسی قبیل سے بیع الحبلہ ہے یعنی وہ بچہ جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے الحبلہ ربا۔ قمار۔ محاقلہ۔ منابذہ کو بھی کہتے ہیں اور اسی قبیل سے بیع ملامسہ ہے۔

بیع غرر میں وہ چیزیں داخل نہیں ہیں جو زمین میں چھپی ہوئی ہیں کیونکہ وہ عادۃً معلوم ہیں اور تجربہ کار حضرات اس سے واقف ہوتے ہیں اور اگر اس کو غرر کہا جائے تو اس میں بہت کم غرر ہے جو مصلحۃً اور ضرورۃً جائز ہے۔ کیونکہ مکانات اور دوکانوں وغیرہ کو اجارہ پر دینا تھوڑے غرر سے خالی نہیں ہے۔ اور اس کی بہت مثالیں ہیں لیکن جس بیع غرر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ ان جیسی بیع نہیں ہے۔ اور مشک کی بیع بھی بیع غرر میں داخل نہیں ہے۔ تجربہ کار لوگ اس کی جنس اور اس کی مقدار سے واقف ہوتے ہیں۔ اس کو غرر نہ شرعاً کہا جا سکے اور نہ لغۃً اور نہ عرفاً کہا جا سکے۔ جن حضرات نے مشک کی بیع کو جدا کرنے سے پہلے ناجائز قرار دیا ہے انھوں نے اس کو مرغی کا انڈا اس کے پیٹ میں، پر قیاس کیا ہے۔ اور دودھ تھنوں میں، پر قیاس کیا ہے۔

دودھ کا جانور اجرت پر دینا یعنی مدت معلوم پر دودھ والے جانور کو دینا کہ لینے والا

اس سے دودھ حاصل کرے۔ اس کو جمہور نے جائز قرار نہیں دیا ہے لیکن ہمارے شیخ نے اس کو جائز فرمایا ہے اور اس کو دایہ کے دودھ پلانے پر قیاس کیا ہے۔ یہ معاملہ بعض وجوہ سے اجارہ ہے اور بعض وجوہ سے بیع ہے۔ اور یہ معاملہ بھی نہی میں داخل نہیں ہے اور اس میں کوئی غرر نہیں ہے کیونکہ غرر کا تعلق وجود اور عدم کے درمیان ہے اور یہ مثل قمار کے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے

دوسرے فریق نے کہا کہ دودھ کا معاملہ ایسا ہے کہ وہ کبھی حاصل ہوتا ہے۔

اور کبھی حاصل نہیں ہوتا اس لئے وہ آبق (بھاگے ہوئے) غلام کی طرح ہے اور یہ جائز نہیں ہے لیکن اگر کوئی چیز ایسی ہے جو عادۃً معلوم ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ کسی چیز سے نفع حاصل کرنا۔ مثلاً زمین کا نفع۔ جانور کا نفع۔ ایسے ہی دایہ اور دودھ والے جانور سے دودھ کا نفع حاصل کرنا ہے اور یہ جائز ہیں۔ پس اگر کسی نے بکری یا گائے۔ یا اونٹنی کسی کو دی کہ وہ کہ ان کو پالے اور ان سے کچھ دودھ حاصل کرے اور اس کی نسل حاصل کرے تو یہ صحیح ہے۔

اس کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ اعیان دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ جن کا کوئی بدل نہیں ہے۔ دوسرے وہ کہ ان کا بدل ہے۔ وہ اعیان کہ جن کا خلیفہ ہے ان میں غور کرنا چاہیئے کہ وہ کس چیز کے مشابہ ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ ان کو منافع سے زیادہ مشابہت حاصل ہے۔ اس لئے ان اعیان کو منافع کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں۔ دایہ کے اجرت پر لینے کی تصریح فرمائی ہے اجارات کے بارے میں ہماری شریعت میں صرف یہی ایک مثال ایسی ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ۔ — اگر وہ دودھ پلائیں تو ان کی اجرت دے دو۔

ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ بعض حضرات کا یہ خیال کہ یہ خلاف قیاس ہے۔ کیونکہ اجارہ کا انعقاد

صرف منفعت پر ہوتا ہے۔ اور یہاں ایسا معاملہ نہیں ہے کیونکہ یہاں اجارہ بقدر حصول شئی پر ہے اور اصل باقی رہتی ہے اور ابن عروہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ جب اسید بن حضیر کا انتقال ہوا تو ان پر چھ ہزار درہم قرضہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے قرض خواہوں کو بلوایا اور حضرت اسید کی زمین ان کو دو سال کے لئے دے دی۔ اس میں درخت لگے ہوئے تھے۔

مدینہ منورہ کے باغوں کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں کی زمین کے اکثر حصہ میں کھجوروں کے پیڑ ہیں خالی زمین بہت کم ہے۔ اس مثال میں پیڑوں کو ان سے پھل حاصل کرنے کے اجارہ پر دیا گیا ہے۔ جو لوگ اس کو خلاف اجماع قرار دیتے ہیں ان کو معلوم نہیں ہے بلکہ یہ معاملہ اجماع سے زیادہ قریب ہے۔

تھنوں میں دودھ کی بیع

تھنوں میں دودھ کی بیع کے بارے میں تین قول ہیں:

۱۔ اس کا اجارہ اور بیع دونوں ناجائز ہیں۔ یہی مذہب امام احمد۔ امام شافعی۔ امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔

۲۔ اس کا اجارہ اور بیع دونوں جائز ہیں۔

۳۔ اجارہ جائز ہے، بیع جائز نہیں ہے۔ اسی کو ہمارے شیخ نے اختیار کیا ہے۔ اور اس باب میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک حدیث عثمان بن فروخ کی ہے، وہ ضعیف ہے:۔

۱۔ نھی ان یباع صوف علی ظھر اوسمن فی لبن اولبن فی ضرع۔	آپ نے اون کی کمر پر گھی کی دودھ میں یا دودھ کی تھنوں میں بیع کو منع فرمایا ہے۔
۲۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن شراء ما فی بطون الانعام حتیٰ تضع وعما فی ضروعھا الا بکیل اووزن وعن شراء	آپ نے ان چیزوں کی بیع سے منع فرمایا جو چوپایوں کے پیٹ میں ہو حتیٰ کہ پیدا ہو جائیں وہ چیز جو تھنوں میں ہو مگر کیل اور وزن کے ساتھ۔ اور

العبد وهو ابق وعن شراء	بھاگے ہوئے غلام کے خریدنے سے
المغانم حتی تقسم وعن شراء	اور مال غنیمت کے خریدنے سے یہاں
الصدقات حتی تقبض وعن	تک کہ تقسیم ہو جائے اور صدقہ کے
ضربۃ القانص۔	خریدنے سے یہاں تک کہ قبضہ ہو جائے
	اور شکاری کے جال کے وار سے۔

لیکن اس حدیث کے اسناد قابل حجت نہیں ہیں۔ اور جانوروں کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے اس کی بیع سے ممانعت ثابت ہے۔ اور بھاگے ہوئے غلام کی بیع کے بارے میں ممانعت بھی ثابت ہے اور اس میں ایک قسم کا دھوکہ ہے۔ ایسے ہی بیع صدقات کا معاملہ ہے۔ اور شکاری کے جال میں بھی غرر ہے۔ لیکن تھنوں میں دودھ کی بیع کا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ دودھ معین ہے لیکن اس میں تسلیم مبیع نہیں ہے۔ اور اس کے بارے میں دو وجہیں ہیں ایک تو مطلق ہے اور ایک معین ہے۔ دونوں صورتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اور حدیث شریف کے الفاظ۔

الا بکیل او وزن۔	مگر کیل اور وزن سے۔

سے ظاہر ہے کہ اگر اس کے علاوہ کوئی اور شرط ہوتی تو آپ اس سے ضرور منع فرما دیتے، اور اگر یہ کہا جائے کہ کسی بکری کا دودھ چند دن معین۔ بلا وزن کئے یا بلا ناپے ہوئے فروخت کیا تو اس کا کیا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حدیث میں کیل اور وزن کی شرط ہے اس وجہ سے جائز نہیں ہے۔

اُون کی بیع

اون کی بیع کمر کے اوپر۔ اگر یہ حدیث ثابت ہے تو اس کا قبول کرنا واجب ہے۔ اور اس کے خلاف کوئی دوسرا قول نہیں ہے۔ اور اس بارے میں امام احمدؒ سے مختلف روایات ہیں ان میں سے ایک قول جواز کا بھی ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اون معلوم ہے اور اس پر قبضہ ممکن ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ کمر پر چھوڑے رکھنے سے اجزاء مبیع میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اضافہ مثل پھل کا اضافے کے ہے اور دودھ کے موجود کے تابع ہے۔

اور اگر اون کے علیحدہ کرنے کے لئے وقت معین کردیا گیا تو اس کی مثال بھی ایسی ہی ہے جیسا کہ پھل کے لئے وقت مقرر کردیا جائے کہ اس کے کامل ہونے پر لیا جائے گا۔ اور جن حضرات نے منع کیا ہے انھوں نے اس کو اجزائے حیوان پر قیاس کیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حیوان کا تسلیم کرنا اور ان پر قبضہ دینا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اس سے جدا نہ کرلیا جائے اور اگر یہ کہا جائے کہ اس میں اور تھن میں دودھ، دونوں میں کیا فرق ہے۔ اس کو ناجائز کہتے ہو اور اون کو جائز کہتے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تھن میں دودھ خریدا ہوا ملک بائع کے ساتھ ملا ہوا ہے اور دودھ سریع الحدوث (جلد پیدا ہونے والا) ہے بخلاف اون کے وہ اس قدر ملا ہوا نہیں ہے بلکہ ممتاز ہے اور سریع الحدوث بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

عزیز الرحمٰن عفی لہ

بجنوری

(تاریخ تکمیل ترجمہ: ۱۵ مئی ۱۹۷۸ء۔ ۷ جمادی الآخر ۱۳۹۸ھ)

تکمیلِ کتابت: ۳۰ مئی ۱۹۷۹ء۔ وجیہ کتابت بورڈ نالاپار۔ رام پور

ندوۃ المصنفین دہلی